لگانا چاہیے میدانِ تحقیقات میں چکّر
پڑے رہنا نہیں اچھا ہے یاس و حسرت و غم میں
(کاشی ناتھ فدا)

موجِ گنگ

تذکرہ شعرائے ہنود

ابتدائے شاعری تا انیسویں صدی

مؤلف

بدھ پرکاش گپتا جوہر دیوبندی

۱۹۸۳ء

قیمت ———— ۳۵ روپیہ

بارِ اوّل	چھ سو (۶۰۰)
مطبوعہ	محبوب پریس دیوبند
کتابت	محمد شمیم نیرانوی
قیمت	۳۵ روپیہ

یہ کتاب اتر پردیش اردو اکیڈمی کے مالی تعاون سے شائع ہوئی

(نوٹ) اس کتاب کے اندراجات سے اکیڈمی کا متفق ہونا لازمی نہیں



Johar Deobandi

انتساب

میں اپنی اس کاوشِ تحقیق کو شاعرِ انقلاب

فخرِ قوم، محبِ وطن، شہیدِ اعظم

پنڈت رام پرشاد بسمل شاہجہانپوری

کے نام نامی اور اسمِ گرامی پر معنون

کرتا ہوں؛

(تذکرہ کتاب میں درج ہے)

جوہر دیوبندی

فہرست کتب جنکی مدد سے مجموعہ ہذا کی تالیف و تکمیل عمل میں آئی

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	سن اشاعت
۱	سخنِ شعراء	مولوی عبدالغفور صاحب نسّاخ	۱۸۷۴ء
۲	تضمینِ نادر	کلب حسین خاں صاحب نادر	۱۸۶۶ء
۳	تذکرہ آثارالشعرائے ہنود	دیبی پرشاد بشاش اجمیری	۱۸۸۵ء
۴	بہارِ سخن	شیام سندر لال برق سیتاپوری	۱۹۳۲ء
۵	خمخانۂ جاوید حصہ اول	لالہ سری رام دہلوی	۱۹۰۸ء
۶	" " " دوم	" " "	۱۹۱۱ء
۷	" " " سوم	" " "	۱۹۱۵ء
۸	" " " چہارم	" " "	۱۹۲۶ء
۹	" " " پنجم	" " "	۱۹۴۰ء
۱۰	تلامذۂ غالب	لالہ مالک رام صاحب دہلوی	۱۹۵۷ء
۱۱	فیضانِ غالب	بالمکند عرش ملسیانی	۱۹۷۷ء
۱۲	اردو شاعری کے ارتقا میں ہندو شعراء کا حصہ	پروفیسر گنپت سہائے سریواستو	۱۹۶۹ء
۱۳	دورِ جدید کے چیدہ ہندو شعرا	عبدالشکور بیگ صاحب	قریباً ۱۹۴۲ء
۱۴	گلستانِ ہزار رنگ	سید بہاء الدین اسسٹنٹ سیشن جج آرہ	۱۹۵۷ء
۱۵	سوینیر	بزم ادب سہارنپور	۱۹۸۱ء
۱۶	رسالہ جات	ہند سندیش دہلی	۱۹۷۲ء
۱۷	رسالہ شانِ ہند دہلی	مضمون اظہر چودھری	جولائی ۱۹۶۴ء
۱۸	رسالہ جات	سدا بہار دہلی	۱۹۶۱-۶۲ء
۱۹	دواوین	شعراء	
۲۰	ذاتی معلومات		

چند مشہور شعر اور ان کے تخلیق کار

شعلہ بھڑک اٹھا مرے اس دل کے داغ سے
آخر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے
(مہتاب رائے تاباں)

دل کے آئینہ میں ہے تصویرِ یار
جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی
(موجی رام موجی)

غزالاں تم تو واقف ہو کہو مجنوں کے مرنے کی
دوانہ مر گیا آخر کو ویرانہ پہ کیا گزری
(مہاراجہ رام نرائن موزوں)

چرخ کو کب یہ سلیقہ ہے ستمگاری میں
کوئی معشوق ہے اس پردۂ زنگاری میں
(منولال صفا)

وہ کونسا عقدہ ہے جو وا ہو نہیں سکتا
ہمت کرے انسان تو کیا ہو نہیں سکتا
(بانکے لال بسمل)

نالۂ بلبلِ شیدا تو سنا ہنس ہنس کر
اب جگر تھام کے بیٹھو مری باری آئی
بھانپ ہی لیں گے اشارہ سرِ محفل جو کیا
تاڑنے والے قیامت کی نظر رکھتے ہیں
(مادھو رام جوہر)

شور ہے کنجِ قفس میں داد کا فریاد کا
خوب طوطی بولتا ہے اِن دِنوں صیاد کا
(بھولا ناتھ شرر)

کہتا تھا ہائے ہجر کا مارا ہوا کوئی
دشمن بھی اپنے دوست سے یارب جدا نہ ہو
(درگا پرشاد دستم)

یاد آتا ہے شبِ وصل کسی کا کہنا
ہاتھ ٹوٹیں جو ہمیں ہاتھ لگائے کوئی
(ہرکشن داس رسوا)

تری اس بیوفائی پر تو ہم سو جاں سے مرتے ہیں
اگر اے بے وفا تو باوفا ہوتا تو کیا ہوتا
(رام پرشاد شاد)

وہ کہتا ہے میں توڑوں گا میں کہتا ہوں نہ توڑ سکو گے وہ کہتا ہے کھلونا ہے میں کہتا ہوں مرا دل ہے
(رام کشن آہ)

زندگی کیا ہے عناصر میں ظہورِ ترتیب موت کیا ہے انہی اجزا کا پریشاں ہونا
(چکبست)

نہ خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم نہ اِدھر کے ہوئے نہ اُدھر کے ہوئے
رہے دل میں ہمارے یہ رنج و الم نہ ادھر کے ہوئے نہ ادھر کے ہوئے
(گھنشیام لال عاصی)

لائے اس بت کو التجا کر کے کفر ٹوٹا خدا خدا کر کے
(دیا شنکر نسیم)

آئینہ خانوں سے گذرتے ہوئے

ایک زمانہ تھا
کہ جب بھارت ورش زبان کے معاملہ میں ایک نمائش گاہ بنا ہوا تھا قدم قدم پر طرح طرح کی بولیاں سامنے آتی تھیں، ایک خطے کے لوگ دوسرے خطے کی زبان سمجھنے سے قاصر تھے، آخر قدرت نے ایک ایسی حسین اور شیریں زبان کو خلعتِ وجود سے نوازا جو سطحِ ہند پر نمودار ہوکر اردو زبان کے نام سے مشہور اور مقبول ہوئی۔

اردو کے معنی لشکر کے بازار کے ہیں، اور چونکہ یہ زبان اسی بازار میں پیدا ہوئی اسی وجہ سے اس کا نام اردو مشہور ہوا، شروع شروع میں یہ زبان بہت بگڑی ہوئی اور ٹوٹی پھوٹی صورت میں سامنے آئی اور ریختہ کے نام سے پکاری گئی اس زبان میں قریب پچاس فیصد الفاظ ہندی اور پچاس فیصد الفاظ غیر ملکی یعنی عربی، فارسی، ترکی، پرتگالی، انگریزی، اطالوی، یونانی وغیرہ شامل ہیں، آج یہ زبان تمام اغلاط سے پاک وصاف ہوکر اردو زبان کے نام سے ہمارے سامنے موجود ہے جس کو بھارت میں ہر مکتبِ فکر کی رہنمائی حاصل ہے،

اردو شاعری کا آغاز حضرت امیر خسرو نے کیا تھا، ان کا زمانہ سنہ ۱۲۵۳ء سے سنہ ۱۳۲۵ء تک ہے، خسرو صاحب جہاں عربی اور فارسی کے جید عالم تھے وہاں ان کو ہندی زبان پر بھی اچھی دسترس حاصل تھی، ان کی شاعری کی ابتدا فارسی اور ہندی کے اشتراک سے عمل میں آئی، یعنی ایک مصرع فارسی کا اور دوسرا ہندی کا، یا آدھا مصرع فارسی اور آدھا ہندی۔

اردو شاعری کا قافلہ دورِ اول کی شاہراہ سے گذرتے ہوئے جہاں امیر خسرو

محمد نصرت نصرتی اور سید میران ہاشمی کی رہنمائی کا ممنون ہے وہاں اس قافلہ کو منزل کی جانب لیجانے والے ہندوؤں میں کبیر داس، لالہ دلی رام دلی، پنڈت چندر بھان برہمن بھی نظر آتے ہیں،

اس قافلہ کا دوسرا سفر جہاں دلی دکنی، شاہ مبارک آبرو سے وابستہ ہے وہاں اس کی رہبری کرنے والے ہندوؤں میں مہاراجہ رام نرائن موزوں دراے آنند رائے مخلص بھی ہیں،

یہ قافلہ جب تیسرے دور میں داخل ہوا تو مسلمانوں میں جہاں میر تقی میر سودا، مصحفی، انشاء، جرأت نے اس کو سہارا دیا وہاں ہندوؤں میں رائے سرب سکھ دیوانہ، منشی ٹیک چند بہار، طوطا رام عاصی نے بھی اس کی رہنمائی کی واقعہ یہ ہے کہ جب سے اردو شاعری کا آفتاب افق ہند سے طلوع ہوا اسی وقت سے دونوں قومیں یعنی ہندو و مسلم شانہ بشانہ ہو کر اردو ادب کی خدمت میں مصروف ہیں اور آج تک یہ سلسلہ جاری ہے،

اس زبان نے جہاں اہلِ ہند کو اپنا والہ و شیدا بنایا وہاں ہند میں بسنے والے اہل فرنگ نے بھی اس کے آستانے پر سجود نیاز لٹائے، اردو ادب میں ان کا بھی حصہ ہے، اور ان میں بہت سے نامی گرامی ادیب و شاعر ہوئے ہیں، چند انگریز شعراء کا تذکرہ اس مجموعہ کے آخر میں کیا گیا ہے،

دورِ اول سے آج تک فنِ شاعری سینہ بسینہ اسی جوش و خروش کیساتھ چلا آرہا ہے، اساتذہ نے اپنے تلامذہ کو ظرف فہم کے مطابق یہ فن سونپا اور ان سے اسکے متعلق کوئی امر چھپا کر نہیں رکھا،

جس طرح ادب کسی قوم کی میراث نہیں اسی طرح فن شعر گوئی بھی کسی قوم کا سرمایہ نہیں، ادب اور فن انسانیت کا سرمایہ ہیں، ان کو حصوں یا خانوں میں تقسیم نہیں کیا جا سکتا، مگر یہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ جہاں کچھ مصنفین نے اپنے تذکروں میں شعرائے ہنود کے لئے فراخدلی کا ثبوت پیش کیا ہے، وہاں کچھ

مصنفین نے بخل سے کام لیا ہے،

کافی عرصے سے ایک خیال دل میں ابھر رہا تھا کہ وہ گوہر نایاب جو اس وقت ہماری نظروں سے قطعی طور سے اوجھل ہو کر رہ گئے ہیں انکی تلاش کیجائے اور منظر عام پر لایا جائے مجھے خوشی ہے کہ میرا یہ خواب تعبیر کی حدود میں داخل ہو چکا ہے،

میں نے اسی خیال کے پیش نظر ادب کے بحر بیکراں میں غوطہ زنی شروع کردی اور جہانتک بھی مجھ سے ممکن ہو سکا ان موتیوں کو حاصل کرنیکی کوشش کی، حالانکہ اس کام میں کافی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، قدیم کتب کی واقفیت اور پھر ان کا حاصل کرنا ایک بڑا مرحلہ تھا جو بڑی جدوجہد کے بعد طے ہوا، ویسے میری مختصر سی لائبریری میں بھی کچھ اس قسم کے تذکرے موجود تھے جن سے مجھے کافی مدد ملی اور آخر کار میں نے تحقیق و جستجو کا یہ مرحلہ طے کر کے اس سرمایۂ ادب کو آپ تک پہونچانے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا "لیجئے مجموعہ حاضر ہے"

اس مجموعہ میں آغازِ شاعری سے انیسویں صدی تک کے زائد از نو سو شعرائے ہنود کا تذکرہ بشمول قریب پچیس انگریز شعراء کیا گیا ہے، کچھ شعراء ایسے بھی سامنے آئے جو صرف فارسی کلام تک ہی محدود رہے جن کا تذکرہ قدیم کتب میں ہو چکا ہے، چند دیگر شعراء ایسے بھی اس مجموعہ میں شامل ہونے سے رہ گئے ہیں جو اپنے دور میں فنِ شعر گوئی میں ید طولیٰ رکھتے تھے، مثلاً طوطا رام عاصی، سنتوکھ رائے بیتوا، رائے پریم ناتھ، بدھ سنگھ قلندر وغیرہ وجہ یہ ہے کہ ان حضرات کا تعارف اور کلام دستیاب نہیں ہو سکا، جس کا مجھے بیحد افسوس ہے

مجھے یہ دعویٰ تو نہیں کہ میں دورِ قدیم اور دورِ وسط کے تمام شعرائے ہنود کے تذکروں کو جمع کرنے میں کامیاب ہوا ہوں البتہ جہانتک بھی میری رسائی ہو سکی وہانتک میں نے پرواز کی، اور خزانۂ تحقیق سے جس قدر بھی گوہر مجھے دستیاب ہو سکے ان کو بازارِ ادب میں لے آیا ہوں، یہ "جنسِ گراں بہا" دعوتِ نظر دے رہی ہے "اہل نظر سامنے آئیں"،

اس کتاب کی تکمیل کے لیئے میں جناب مالک رام صاحب مصنف "تلامذہ غالب" اور جناب رام چند صاحب تمن سرحدی جوائنٹ ایڈیٹر "ہند سماچار"

(اردو) دہلی کا بہت بہت شکر گذار ہوں کہ انھوں نے اس راہ میں میرا ساتھ دیا، اور مجھے اپنے تعاون سے نوازا، اور چند نادر و نایاب کتب کی فراہمی میں میری مدد کی،

یہ مجموعہ اردو ادب میں ایک ایسی منزل کی نشاندہی کرتا ہے جو ادب کو ہمہ گیر اور بھارت کی ملی جلی تہذیب کو نمایاں کرنے میں امتیازی شان کی حامل ہے،

بندۂ ناچیز
جوہر دیوبندی

گپتا نواس
لکھّن نگر۔ (ریلوے کالونی)
سہارنپور یو، پی

قطعۂ تاریخ در اشاعت "موجِ گنگ"

از جناب پروفیسر بخشی اختر صاحب امرتسری مقیم دہلی

واہ اے شاعرِ زمانۂ حال — جوہرِ خوش کلام و نغز خیال
ہم نے دیکھی ہے "موجِ گنگ" تری — داستانِ ہنودِ اہلِ کمال
بالیقیں نکتہ داں و نکتہ شناس — دل سے اس کا کریں گے استقبال
خدمتِ ملک و قوم کی تو نے — اس کے شاہد ہیں تیرے ماضی و حال
مقصد، اردو زبان کی خدمت — منتہا، اردو سخن کے فن کا خیال
تیرے مدّاح ناشرانِ عظیم — تیرے مشتاق شاعرانِ کمال
تیرے دستور اور قواعد کی — ہمکو ملتی نہیں کہیں بھی مثال
فکرِ تاریخ جب ہوئی مجھکو — کہدیا یہ بغیرِ قیل و قال
سرِ ابجد سے ہے یہ سالِ طبع — تا قیامت ترا بڑھے اقبال

۱ — ۱۹۰۴ + ۱

سمبت ۱۹۰۵ ساکا

مقدمہ

ازجناب توصیف احمد صاحب علوی بی۔ اے کیرانوی ریٹائرڈ ہیڈ ماسٹر مکتب اسلامیہ کیرانہ ضلع مظفر نگر

حقیقت یہ ہے کہ تحقیق و تالیف کا کام کسی بھی زبان اور ادب میں ہو بڑا ہی مشکل اور اہم کارنامہ ہے اس لئے کہ اس منزل میں محقق و مؤلف کے لئے ضروری ہے کہ اس کا ادبی اور تاریخی مطالعہ وسیع ہو، نقد و نظر کی تمام راہوں سے واقف ہو اور شعر و سخن کی منزلوں میں استادانہ اور فنکارانہ دسترس رکھتا ہو، اور پھر اردو زبان کے ادب اور لٹریچر میں تحقیق و تالیف کے مراحل طے کرنا اور بھی جوئے شیر لانا اور آسمان کے تارے توڑنا ہے، اس لئے کہ اردو ایک بہت ہی وسیع اور ہمہ گیر زبان ہے، اور اس کا جنم بھی ہندوستان جیسے عظیم اور وسیع ترین ملک کے آغوش میں ہوا ہے جس کے دامن میں علم و زبان اور فن و کمال کے وہ بیش بہا گوہر پارے چھپے ہوئے ہیں جنھوں نے اسے عظیم سے عظیم تر بنا دیا ہے، چنانچہ اردو زبان کے ادب اور اس کی شعر و شاعری کی تاریخ بھی اس طرح پھیلی ہوئی اور مختلف ادوار میں بٹی ہوئی ہے کہ اس میں تحقیق کے لئے قدم بڑھانا اور اسے ترتیب و تالیف کا جامہ پہنانا بڑا ہی مشکل ہے، اس میدان میں وہی سینہ سپر ہو سکتا ہے جس نے نہایت ہی جرأتِ رندانہ کے ساتھ اردو ادب اور اس کی تاریخ کے ہر موڑ پر گہری نظر ڈالی ہے علم و معانی کے سمندر کو چھانا ہے اور شعر و سخن کے مختلف اسلوبوں کو پرکھا ہے، یہی وجہ ہے کہ اردو ادب کی تاریخ میں اگرچہ ادب کے سبھی شعبوں اور منزلوں میں گامزن ہونیوالوں کی کافی لمبی چوڑی تعداد ملتی ہے، خاص طور سے اردو شعر و شاعری کا میدان اور اس کے مختلف ادوار بے شمار سخنوروں اور شاعروں سے بھرپور ہیں اور شاید اردو زبان نے اپنی چند صدیوں کی تاریخ میں جتنے شاعر اور سخن گو پیدا کئے ہیں، اس کی مثال کسی دوسری زبان کی تاریخ پیش کرنے سے قاصر ہو، مگر تحقیق و تالیف کی دشوار گزار منزلیں اب بھی سونی سونی سی ہیں اور اب بھی بہت تھوڑی اور چند ہستیاں ایسی نظر آتی ہیں جو ان منزلوں میں قابلِ ذکر اور لائقِ فخر ہیں اور جنھوں نے اس میدان کو بھی اپنے تحقیقی کارناموں اور شاہکاروں سے مزین اور مالا مال کیا ہے،

تحقیق اور تالیف کی اس ممتاز اور گرانقدر منزل کے شہسواروں میں جناب بدھ پرکاش صاحب جوہر

دیوبندی حال سہارنپور کا نامِ نامی اور اسمِ گرامی قابلِ ذکر ہی نہیں بلکہ اس دور میں لائقِ صد داد و تحسین ہے، یہ ان شہسواروں میں سے ہیں جو اگرچہ آج کی اردو ادب کی دنیا میں اپنے ادبی اور فنی شاہکاروں کے اعتبار سے قافلہ سالار ہیں، مگر کچھ وقت کی ستم ظریفی اور حالات کے گرد و غبار نے ان کی قدر و منزلت کو اتنا نمایاں نہیں ہونے دیا جس کے یہ بجا طور پر مستحق ہیں۔ اس دور میں جوہرؔ صاحب اردو کے ایک نہایت ہی بلند پایہ ادیب، اہلِ قلم اور بڑے ہی قادر الکلام اور واجب الاحترام شاعر ہیں، ان کی شاعری "برائے شاعری" نہیں، بلکہ ہر شعری تخلیق بجائے خود فن و کمال کی بہترین آئینہ دار ہے، ان کو ادبیات، انسانیات، اور فنیات پر پورا پورا عبور حاصل ہے، انکی علمی اور تاریخی معلومات اور تحقیقی رجحانات کا رنگ ان کی پوری شاعری میں جھلکتا ہے یہی وجہ ہے کہ "تلمیحات" جو کہ شاعری میں تحقیق و تاریخ کا ایک جزو اور حصہ ہے ان کی غزلیات اور نظمیات میں بدرجۂ اتم موجود ہیں، ان کی بعض بعض غزلیات تو تمام کی تمام "تلمیحات" سے بھرپور اور مزین نظر آتی ہیں، جوہرؔ صاحب کے دو مایۂ ناز شعری مجموعے "جوہرِ سخن" اور "نقشِ معتبر" تو عرصہ ہوا شائع ہو کر منظرِ عام پر آچکے ہیں، اور بڑے بڑے علمی اور ادبی حلقوں سے خراجِ تحسین حاصل کر چکے ہیں، حقیقت میں یہ دونوں مجموعے جوہرؔ صاحب کی شاعرانہ اور فنکارانہ صلاحیتوں، علمی اور فنی معلومات کے ایسے دو صحیفے کہے جا سکتے ہیں جن کی مثال اس دور میں نایاب تو نہیں کمیاب ضرور ہے،

ان دو تخلیقات کے بعد جوہرؔ صاحب نے تحقیقی اور تاریخی معلومات کا ایک اور شاہکار "موجِ گنگ" پیش کیا ہے، یہ ادبی دنیا کے لئے ایک اچھوتا شہ پارہ اور گرانقدر عطیہ ہے، یہ ان کی تحقیق و تالیف کے سلسلہ کی ایک بےمثال تحقیقی کاوش ہے، جس میں انھوں نے اردو شاعری کے ابتدائی دور سے لیکر انیسویں صدی کے اختتام تک ہر اس ہندو شاعر کا تذکرہ شامل کرنے کی کوشش کی ہے جن کا نام قرطاس اور تاریخ نے اپنے آغوش میں چھپا کر ان تک پہونچایا ہے، یہ ایک بڑا عظیم کارنامہ ہے جو تقریباً نو سو ۹۰۰ شعراء پر مشتمل ہے اتنی بڑی تعداد میں ہندو شعراء کا تذکرہ اردو ادب کی تاریخ میں پہلی بار ایک ایسے صحیفے کے طور پر سامنے آیا ہے جسے شعراء الہنود ہند کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا،

اردو شاعری کی مشعل باضابطہ روشن کرنے کا سہرا حضرت امیر خسروؒ کے سر ہے جو اپنے وقت کے ایک بڑے صوفی اور فارسی، ہندی اور اردو ریختہ ہر سہ زبان کے اہل قلم تھے، ان کا زمانہ ۱۲۵۳ء سے شروع ہوتا ہے، جس کے معنیٰ یہ ہیں کہ جوہر صاحب نے انیسویں صدی کے ختم تک تقریباً سات سو سال کی ہندو شعراء کی تاریخ اور تذکروں کو اس ادبی شاہکار "موجِ گنگ" میں محفوظ کرکے دریا ہی کو نہیں ایک سمندر کو کوزہ میں بند کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس میں اردو شاعری کے تقریباً سبھی دور آجاتے ہیں، ہماری شاعری کی تاریخ طویل وسیع اور پیچیدہ ہونے کے ساتھ کچھ منتشر بھی ہے،

اردو شاعری کا جنم دکن میں ہوا تھا۔ دہلی کے شاہی درباروں میں پروان چڑھی اودھ کے درباروں میں اسے رنگ و نور اور حسن و جمال سے آراستہ و پیراستہ کیا گیا اور اس کے دامن کو وسعت اور سرمائیگی سے مالا مال کیا گیا، اتنی طویل اور پرپیچ تاریخ کا احاطہ کرنا اور اس میں سے ہندو شعراء کے گوہر پاروں کو چن کر یکجا جمع کرنا اور اتنی بڑی تعداد میں شعراء کی فراہمی یہ جراٗتِ رندانہ جوہر صاحب جیسا مردِ میدان ہی کرسکتا ہے چنانچہ اس ذخیرہ میں تقریباً نو سو ہندو شعراء کا تذکرہ موجود ہے جن میں کچھ تعداد انگریز شعراء کی بھی ہے، انگریز شعراء کی تحقیق جوہر صاحب کی بالکل ایک اچھوتی کاوش ہے اس ذخیرہ میں ہر شاعر کے مختصر تذکرہ اور منتخب اور چیدہ اشعار کے ساتھ اکثر شعراء کا سنِ ولادت اور سنِ وفات بھی دیا گیا ہے، اگرچہ اس سے پیشتر بھی ہندو شعراء کے بہت سے تذکرے اور اس سلسلہ کی بہت سی کاوشیں منظرِ عام پر آچکی ہیں، لیکن وہ سب کسی نہ کسی اعتبار اور نقطۂ نظر سے تشنہ ہیں، ایسی تمام تر کاوشوں میں جوہر صاحب کی یہ کاوش سب سے بڑی مبسوط اور وسیع ترین کہی جاسکتی ہے، جو ہر پہلو سے "سیر حاصل" اور ہمہ گیر ہے، اور جس میں اردو کے ہندو شعراء کی اتنی بڑی اور کثیر تعداد کو یکجا کرکے زندۂ جاوید بنایا گیا ہے۔ اس سلسلہ میں بڑا دلچسپ اور گرانقدر پہلو یہ بھی سامنے آیا ہے کہ بہت سے ایسے اشعار جو ایک مدت سے اردو ادب کی دنیا میں مشہور اور زبان زد ہیں، مگر ان کے تخلیق کاروں اور جنم داتاؤں کے متعلق ابتک صحیح علم نہ تھا۔ یہ

جوؔہر صاحب کی عرق ریزی اور عمیق نظری کا نتیجہ ہے کہ انھوں نے ایسے بہت سے شعروں کے اصل خالقوں اور تخلیق کاروں کا پتہ لگا کر پہلی بار علمی اور ادبی دنیا کو ان سے روشناس کرایا۔

غرضیکہ تحقیق و تالیف کے اس شاہکار "موجِ گنگ" کو پایۂ تکمیل تک پہونچانے میں جوؔہر صاحب کو کن کن دشوار گذار راہوں سے گذرنا پڑا ہوگا کیسی کیسی صبر آزما منزلیں ان کے سامنے آئی ہوں گی، کتابیات کے کون کون سے ذخیروں کو چھانا ہوگا اور کیسے کیسے نادر و نایاب علمی اور ادبی نسخوں میں دیدہ ریزی کی ہوگی اس کا اندازہ صرف وہی کر سکتا ہے جس کے سینہ میں جوؔہر صاحب جیسا ادب نواز دل ہو، اور دل میں اردو علم و ادب اور شعر و سخن کے لئے وہی ذوق و شوق، لگن اور جذبہ موجود ہو جو اس دور میں بھی جوؔہر صاحب کا خاص طور سے طرۂ امتیاز ہے۔

بہرحال جوؔہر دیوبندی نے ان تمام منازل اور مراحل سے گذرنے کے بعد جو گوہر پارے اور جواہر ریزے جمع کئے ہیں وہ صحیح معنوں میں اردو ادب کا ایک ایسا قیمتی سرمایہ اور ایسا نادر و نایاب انسائیکلو پیڈیا ہے جس پر ہماری ادبی دنیا ہمیشہ فخر کرتی رہے گی، اور ایسا علمی اور تحقیقی سرچشمہ ہے جس سے تشنگانِ ادب ہمیشہ فیضان حاصل کرتے رہیں گے،

توصیف احمد علوی عاصی

تاریخی رباعی

نتیجۂ فکر جناب پروفیسر بخشی اختر صاحب (امرتسری) مقیم دہلی

اے مصحفِ "موجِ گنگ" ہر شام و پگاہ — تو اہلِ ہنود کے سخن کا ہے گواہ
تاریخ کی فکر تھی کہ آئی آواز — اختر یہ شہکارِ جوؔہر ہے واہ

۱۹۸۳ء

عظیم کارنامہ

از جناب علامہ سادھو رام صاحب آرزوؔ سہارنپوری

جناب بدھ پرکاش جوہرؔ دیوبندی تلمیذ جناب بابو شمبھو دیال بھٹناگر صاحب سرشار سہارنپوری کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے، دنیائے شعر و ادب میں آپ ایک ممتاز مقام کے مالک ہیں، آپ کا کلام پختہ اور معیاری ہے۔ اب تک آپکے دو دیوان "جوہرِ سخن" اور "نقشِ معتبر" کے نام سے منظرِ عام پر آکر سندِ قبولیت حاصل کر چکے ہیں، آپ شعرائے متقدمین سے بھی اتنا ہی متاثر ہیں جتنا شعرائے جدید سے یہی وجہ ہے کہ آپ کی شاعری میں قدیم اور جدید رنگ کا امتزاج پایا جاتا ہے، شکوہِ الفاظ بلندیِ فکر، اور متانتِ تخیل آپ کی شاعری کے عناصر خاص ہیں، آپ ایک سادہ لوح اور صاف دل انسان ہیں، ہر شخص سے گرمجوشی اور فراخدلی سے ملتے ہیں،

آپ نے ابتدائے شاعری سے انیسویں صدی عیسوی تک کے شعرائے ہنود کا تذکرہ مع حالاتِ زندگی ترتیب دیا ہے، جو آپ حضرات کے روبرو ہے، آپ کا یہ "عظیم کارنامہ" تاریخی حیثیت کا حامل ہے اور بلا شک و شبہہ اردو ادب میں ایک بیش بہا اضافہ ہے، نہ جانے آپ نے اس کی تکمیل کے لئے کتنا وقت صرف کیا ہوگا کتنی دماغ سوزی کی ہوگی اور کن کن مراحل اور دشوار ترین گھاٹیوں سے گذرے ہوں گے۔

فنونِ چہار لطیفہ ۱۔ شاعری ۲۔ موسیقی ۳۔ مصوری ۴۔ تعمیر میں شاعری کا درجہ نہایت ارفع و اعلیٰ اور بلند تر ہے۔ اس کا دامن ہمیشہ بے داغ، صاف اور شفاف رہا ہے، مہاکوی کالیداس گوسوامی تلسی داس راجہ بھرتری ہری شمس تبریزؒ، مولانا جلال الدین رومیؒ، اور امیر خسروؒ کے انمول جواہر پاروں سے اس کا دامن ہمیشہ مزین رہا اور گرد کدورت سے پاک و صاف رہا، البتہ کبھی کبھی کچھ نااہل اور کم علم حضرات نے بغض و حسد سے اس کے دامن کو ناپاک کرنے کی کوشش

ضروری ہے، کم ظرف اور کوتاہ نظر مصنفین کے علاوہ شعرا اکابرین نے بھی بغض وحسد سے اس کے دامن کو اپنی بدنیتی سے تختۂ مشق بنانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا،

شاعری نام ہے جذبۂ احساس کی انگڑائی کا یہ کسی کی ملکیت، جاگیر یا میراث نہیں ہے، یہ عطیۂ فطرت یعنی خدا کی دین ہے۔ قادرِ مطلق اس نعمت غیر متوقع کو بلا لحاظ مذہب وملت جسے چاہے بخشدے، اس پر کسی کا زور نہیں، شاعر اپنے واقعاتِ قلب کی ترجمانی کرتا ہے، اور اپنی وجدانی کیفیات کی مستی بھری فضاؤں میں تیرتا رہتا ہے، وہ خود اپنے لئے شعر کہتا ہے دوسروں کے لئے نہیں، جو دوسروں کے لئے شعر کہتا ہے اسے خطیب کا درجہ تو دیا جا سکتا ہے مگر شاعر کا نہیں،

آخیر میں اپنے عزیز ترین دوست جناب بدھ پرکاش جوہر دیوبندی مقیم سہارنپور کو جو میرے برادر خواجہ تاش جناب بابو شمبھو دیال صاحب بھٹنا گر سرشار سہارنپوری مرحوم کے ارشد تلامذہ ہیں کو مبارک باد دیتا ہوں کہ انھوں نے یہ کارِ عظیم انجام دیکر اپنا نام ہمیشہ کے لئے محفوظ فضا کر لیا ہے، اور ارباب شعر وادب کو ایک ایسے تحقیقی کارنامے سے نوازا ہے جو آنے والی نسلوں کے لئے مشعل راہ ثابت ہوگا، اور اس کے گلہائے رنگا رنگ اور بیش بہا گوہر ہائے آبدار سے ہر زمانہ میں شائقین علم وشعر کے دماغ وروح مکیف اور مجلّیٰ ہوتے رہیں گے، اور یہ عظیم کارنامہ نہ صرف ہندوستان بلکہ بیرونجات کے کتب خانوں میں بڑے ذوق وشوق سے پڑھا جایا کریگا، یہاں اس بات کی تشریح بالوضاحت بھی ضروری ہے کہ دنیائے ادب میں آجتک شعرائے ہنود کے متعلق اتنا ضخیم تذکرہ شائع نہیں ہوا، اور یہ بات جناب جوہر دیوبندی کے لئے کچھ کم فخر کی نہیں،

سادھو رام آرزو

فہرست شعراء

ردیف (ز)

زیب	ڈاکٹر کشوری لال	۱۸۶
زیب	راجہ چھنو لال بہادر	″
زیبا	رائے اجودھیا پرشاد	″
زیبا	پنڈت برجموہن لال	۱۸۷

ردیف (س)

ساجر	پنڈت امر ناتھ	۱۸۷
ساغر	منشی کشن سروپ	۱۸۸
ساقی	پنڈت جواہر ناتھ	۱۸۹
ساقی	منشی شنکر لال	″
سالک	منشی سالک رام	۱۹۰
سائل	منشی کنہیا لال	۱۹۱
سائل	خزانچی لال	″
سبز	منشی لکھپت رائے	″
ستم	منشی درگا پرشاد	″
سحاب	کنور گوپال سنگھ	۱۹۲
سحر	منشی اجودھیا پرشاد	″
سحر	منشی اقبال بہادر	۱۹۳
سحر	منشی دیبی پرشاد	″
سحر	منشی شیام لال	۱۹۴
سخن	منشی شمبھو دیال	″
سخن	منشی رام دیال	۱۹۵
سخنور	منشی دیوان سنگھ	″
سردار	منشی ادھم سنگھ	″
سرشار	لالہ ملوک چند	۱۹۶
سرشار	بابو شمبھو دیال صاحب بھٹناگر	″
سرشار	مدن موہن لال	۱۹۸
سرشار	پنڈت رتن ناتھ	″
سرور	لالہ نیک رام	۱۹۹
سرور	نام نامعلوم	″
سرور	منشی درگا سہائے	″
سعد	منشی جوالا ناتھ	۲۰۰
سعد	پنڈت اقبال نرائن	۲۰۱
سعید	لالہ کنور بہادر	″
سلیم	منشی گوری شنکر	۲۰۲
سلیم	منشی مدن موہن لال	″
سلیم	لالہ مادھو رائے عرف منوہر لال	″
سماجت	لالہ بخت بہادر	۲۰۳
سوزن	منشی بلدیو پرشاد	″
سوسن	مہاراج کنور شیو داس سنگھ	″
سوگ	منشی مہیش پرشاد ورما	۲۰۴
سیماب	ماسٹر چرن بہاری لال	″
سیماب	لالہ بنسی دھر	″

ردیف (ش)

شاد	منشی رام پرشاد	۲۰۵
شاد	نام نامعلوم	″
شاد	حکیم منشی متو لال	″

شاد منشی گنگا پرشاد	۲۰۶	شاکر پنڈت شیوناتھ	۲۱۶
شاد منشی شیو پرشاد	″	شاکر مسٹر پیارے لال	۲۱۶
شاد منشی کالی پرشاد	″	شاکر لالہ کالکا پرشاد	۲۱۷
شاد منشی کنہیا لال	۲۰۷	شاگرد منشی طوطا رام	۲۱۸
شاد رائے دیبی پرشاد	″	شام منشی شام سنگھ	″
شاد منشی البیلی پرشاد	″	شائق بابو رام سہائے	″
شاد لالہ بالمکند	″	شائق منشی بجاگیرت لال	″
شاد ہز ایکسیلینسی سرکشن پرشاد	″	شائق لالہ فتح چند	″
شاد منشی للتا پرشاد	۲۰۸	شائق بابو بہاری لال	۲۱۹
شاد منشی کالکا پرشاد	۲۰۹	شایاں پنڈت پریم نرائن	″
شاد ٹھاکر ہیشری پرشاد	″	شایاں منشی طوطا رام	″
شاد پنڈت پرم سکھ	۲۱۰	شباب منشی بندرا پرشاد	۲۲۰
شاد لالہ بالمکند	″	شبنم بابو بدری ناتھ	″
شاد چوبے رگھوناتھ صاحب	۲۱۱	شرار پنڈت رام ناتھ	۲۲۱
شاد بابو جانکی پرشاد	۲۱۱	شرارہ بابو دیبی دیال	″
شاد منشی رام پرشاد	۲۱۲	شرر منشی کندن لال	″
شاد پنڈت دیاکرشن رینہ	″	شرر بابو بھولا ناتھ	۲۲۲
شاداب منشی خوشوقت رائے	۲۱۳	شوق ٹھاکر جانکی سنگھ	″
شاداں لالہ بسادن لال لکھنوی	″	شریف منشی بنایک پرشاد	″
شاداں مہاراجہ چندولال بہادر	″	شعلہ لالہ گنپت رائے	۲۲۳
شاداں لالہ بسادن لال ٹونکی	۲۱۴	شعلہ پنڈت امرناتھ	″
شاعر منشی مکھن لال	″	شعلہ منشی نرائن داس	۲۲۴
شاطر پنڈت بیلی رام	۲۱۵	شعلہ ٹھاکر شیولال	″

ردیف (ص)

ردیف (ض)

ردیف (ن)

انگریز شعراء

(ا)

ابر

منشی بلدیو پرشاد ورما، باشندہ فتحپور ہنسوا، شاگرد جناب داغ دہلوی

سرمگیں آنکھیں ہیں کیا جادو بھری — جس کو دیکھا اک نظر وہ مرگیا
تیغ ابرو نے کیا مجکو حلال — کون کہتا ہے قضا سے مرگیا
ہے کہاں امید کی دل میں جگہ — حسرت و ارمان سے دل بھر گیا

تمہی پر پہلے دل آیا تمہی پر جان جاتی ہے — ہماری ابتدا تم ہو ہماری انتہا تم ہو
دو دن کی بہار ہے نمو ہے — بلبل کی یہ صدا چار سو ہے

ابر

پنڈت بشن نرائن کشمیری بیرسٹر ایٹ لا، باشندہ لکھنؤ شاگرد جناب حکیم لکھنوی (خلف جناب اسیر لکھنوی) ولادت ۱۸۶۴ء قوم و وطن کی خدمت آپ کا شعار تھا، ۱۹۱۶ء میں وفات کی۔

غنچوں کو بھی زبان ملی اور گل کو گوش — رازِ ریاضِ دہر مگر کچھ کھلا نہیں
گل سے یہی اشارۂ شبنم ہے باغ میں — رونے کا ہے مقام یہ ہنسنے کی جا نہیں
زیبِ بدن ہے اتنی ہی جتنی ہے چاک چاک — کچھ کم قبائے گل سے ہماری قبا نہیں
فوارے کی زباں پہ یہ جاری ہے رات دن — سرکش وہ کون ہے جو زمیں پر گرا نہیں

نظر آتے نہیں جو چشم بلبل کو بھی گلشن میں — نگاہ شوق چن لیتی ہے ان پھولوں کو دامن میں
خدا جانے ہنسی کس کی ہے کس کی مسکراہٹ ہے — نہ غنچے مسکراتے ہیں نہ گل ہنستے ہیں گلشن میں
بہت روتے ہیں اب ہم یاد کر کے عہدِ طفلی کو — جواں ہو نگی کیا کیا آرزوئیں تھیں لڑکپن میں
ہمیں فرمان آزادی نہ کیوں خطِ غلامی ہو — جو دستِ دوست میں تھا وہ قلم ہے دستِ دشمن میں

ابر

بابو شنکر لال - باشندہ بلگرام ضلع ہردوئی، شاگرد جناب اشہر لکھنوی - آپ ۱۹۲۰ء میں بیلن گنج پوسٹ آفس میں پوسٹ ماسٹر تھے،

ہو جائے گی سحر بھی جو باقی حیات ہے ۔۔۔ بھاری مگر مریض پہ فرقت کی رات ہے
ٹلتے نہیں ہیں قول سے جو کہہ دیا، کیا ۔۔۔ مردوں کے دم کے ساتھ ہی مردوں کی بات ہے
وہ زندگی بھی چشم زدن میں گذر گئی ۔۔۔ سمجھے تھے ہم جسے کہ بڑی کائنات ہے

مد دلے ضبط اگر یہ آبروریزی نہ ہو جائے ۔۔۔ ڈھلکنے ہی کو آنسو چشم تر سے مثل شبنم ہے
جہاں ہم بیٹھ جائیں ہے وہیں پر جشن جمشیدی ۔۔۔ ہمارے ساغر گل پر تصدق ساغر جم ہے

ابر

منشی رگھوبر دیال ولد منشی گوردیال رہبر قوم کائستھ باشندہ لکھنؤ، شاگرد جناب پیارے لال رشید لکھنوی، ولادت ۱۸۶۶ء آپ عدالت خفیفہ لکھنؤ میں عرائض نویس تھے،

یہ کیا مرض ہے جو عیسیٰ سے بھی دوا نہ ہوئی ۔۔۔ ہمارے درد جگر کو کوئی شفا نہ ہوئی
امید خیر ہو کیا ہم کو زال دنیا سے ۔۔۔ کسی کی دوست جہاں میں یہ بیوفا نہ ہوئی
بتوں کے عشق میں کیونکر کمال حاصل ہو ۔۔۔ طویل زندگی بھی بندۂ خدا نہ ہوئی

بڑی عزت تھی رندوں میں مرا افسانہ ہو جاتا ۔۔۔ جو مر جاتا تو میں خاک در میخانہ ہو جاتا
چھپا رکھتا نہ میں دل میں اگر راز محبت کو ۔۔۔ مرا قصہ بھی اوروں کی طرح افسانہ ہو جاتا

اثر

منشی رادھے لال صاحب رئیس باشندہ فرخ آباد ۱۹۰۸ء میں حیات تھے۔

جو مجھ پر مہرباں اپنے کرم سے یار ہو جاتا ۔۔۔ تو دریائے الم سے میرا بیڑا پار ہو جاتا
اگر آنکھیں لڑاتا کوئی عاشق فرط الفت سے ۔۔۔ ترا تیر نظر اس کے جگر کے پار ہو جاتا

عجب کیا تھا عیادت کے لئے سنکر چلے آتے　　کوئی حیلہ جو بن پڑتا تو میں بیمار ہو جاتا

جمالِ یار کی عالم میں شہرت ہونے والی ہے　　خرامِ ناز سے برپا قیامت ہونے والی ہے
ابھی واقف نہیں نازو ادا سے وہ کمسن ہے　　جوانی میں اسی قد سے قیامت ہونیوالی ہے

اثر

منشی مول چند ولد مینڈولال قوم کائستھ باشندہ خیرآباد ضلع سیتاپور، شاگرد جناب مولوی حسن علیخاں رامپوری۔ ولادت ۱۸۶۳ء۔ فارسی کلام زیادہ کہتے تھے۔ ۱۹۰۸ء میں وفات کی،

نہ ہو جو دل سے جویائے حقیقت　　وہ پہونچے کیسے اسرارِ نہاں تک
کریں کیا خوبیِ قسمت کا شکوہ　　رقیب اپنا بنا ہے رازداں تک
اثر کرنا تھا ان کے دل میں اے آہ　　کیا کیا تو نے جا کر آسماں تک

اثر

لالہ جے نرائن ورما کھتری باشندہ لکھنؤ، شاگرد جناب نواب بندہ علی خاں زیبا آپ کی تعلیم بی۔اے تک تھی، انگریزی ناولوں کا اردو میں ترجمہ کیا کرتے تھے، ۳۶ سال کی عمر میں ۱۹۰۷ء میں وفات کی،

جان اک رشکِ مسیحا پہ دیئے جاتے ہیں　　روز مرتے ہیں مگر پھر بھی جیئے جاتے ہیں
کس طرح ان سے ہو اظہارِ تمنائے وصال　　عرضِ مطلب پہ وہاں ہونٹ سیئے جاتے ہیں
دیکھے نقرہ وہیں چل کرکے کریں گے توبہ　　آج میخانہ میں واعظ کو لیئے جاتے ہیں
بات رکھ لیتے ہیں ہم ساقی و واعظ کی اثر　　جام بھی پیتے ہیں توبہ بھی کیئے جاتے ہیں

آپ سن سکتے تو سنیئے داستانِ اہلِ درد　　ہے زبانِ بے زبانی سے بیانِ اہلِ درد
اضطرابِ دل کا شکوہ کفر سے کچھ کم نہیں　　اے اثر ہے درد ہی آرامِ جانِ اہلِ درد

یہ خوں آلودہ قاتل کیوں ہے گوشہ تیرے داماں کا — کیا ہے فیصلہ کس مرنے والے کی رگِ جاں کا
مرا دل جسکے ہاتھوں ہے لاکھوں آفتیں جھیلیں — مرے پہلو میں اک قطرہ تھا میرے خونِ ارماں کا

مدت سے بیٹھے ہیں یہ ارادہ کئے ہوئے — کعبہ کو جائیں یاد بتوں کی لئے ہوئے
بجز درد وغم واندوہ حرماں — خبر لے کون اپنی بے کسی ہیں

اثر

پنڈت نرنجن ناتھ ۔ باشندہ لکھنؤ

گر رقم وصفِ قدِ موزونِ دلبر ہوگیا — جو الف اشعار میں آیا صنوبر ہوگیا

آثم

لالہ رگھوبر دیال ۔ باشندہ متھرا

گلوں پر پڑھ کے افسوں توڑ دیتے ہاتھ گلچیں کے — گذر تیری طرح گلشن میں گر میرا صبا ہوتا

آثم

ماسٹر چھوٹے لال خلف منشی بہادر لال قوم کائستھ باشندہ لکھنؤ شاگرد جناب بتن صاحب بلیغ ۔ آپ منشی ننھے لال عاجز کے برادر خورد تھے اور اودھ اخبار کے مترجم تھے ،

وہ ہے پرسوز وغم انگیز اے دل داستاں میری — مثالِ شمعِ محفل جل اٹھی اکثر زباں میری
ارے اک آہ بھی منہ سے نکل جانا قیامت ہے — ذراسی بات میں دنیا بنے گی رازداں میری

ہماری حسرتوں سے ہی ہمارے دل کی زینت ہے — وگرنہ اس کی بستی میں ابھی ویرانہ ہوجاتا
داستاں سنتے ہی صیاد نے کی فکرِ قفس — مجکو پھندے میں پھنسا یا مری گویائی نے

احسن

منشی شیام سندر قوم کائستھ باشندہ لکھنؤ شاگرد جناب دیوان دیا کرشن صاحب ریحان ریحان صاحب کی وفات ۱۸۸۴ء میں ہوچکی تھی ۔

سر پہ مشاطہ کے ہر وقت قضا کھیلتی ہے — کالی ناگن سے نہیں یار کے کمتر گیسو
یار کی زلف کی تعریف لکھے کیا احسن — سنبلِ باغِ جناں سے بھی ہیں بڑھکر گیسو

احقر

لالہ بلدیو پرشاد خلف لالہ مہا سکھ رائے باشندہ عطاپور ضلع فرخ آباد
شاگرد جناب کلب حسین خاں نادر

اٹھایا اس پری نے ناگہاں گوشہ جو گھونگھٹ کا — دلِ دیوانہ اپنا شانہ سا زلفوں میں جا اٹکا
فراقِ یار میں اس درجہ ضعف و ناتوانی ہے — کہ اے دل سخت مشکل ہے بدلنا ہم کو کروٹ کا
دکھائی دیتی ہے پست اب بلندی عرشِ اعلیٰ کی — نظر آیا ہے جب سے اوج اس کافر کی چوکھٹ کا
اگر باتیں وہ کرتا تو دہن کا بھی پتہ چلتا — کیا ثابت کمر کو اس صنم نے باندھکر پٹکا
رسائی جو ہوئی ہے خدمتِ نادر میں اے احقر — تو اصلاحِ سخن کا کس لئے اب تجکو ہے کھٹکا

احقر

منشی شیتل پرشاد کالستھ باشندہ لکھنؤ، نامی شاعر ہوئے ہیں سری مد بھاگوت گیتا
کا منظوم ترجمہ اردو میں کیا ہے۔ ۱۸۸۴ء سے بیشتر وفات کی۔

اس ذات کی کیا کوئی کرے مدح سرائی — جس جا پہ نہیں وہم و تصوّر کی رسائی
ہر ایک نے اس کا رکہا اپنی زباں میں — سیرت میں بھی صورت میں بھی تفریق لگائی
کرتے ہیں مناجات میں بھی کسبِ مقالات — منکر ہے کوئی کوئی مقر ہے بخدائی

اختر

عالی جناب سوائی راجہ ین پرتاب سنگھ خلف الرشید ولیعہد ہز ہائنس مہاراجہ رنجور سنگھ
بہادر کے۔سی۔ایس۔آئی باشندہ اجے گڈھ۔ شاگرد جناب شمشیر بہادر اختر
ولادت ۱۸۸۲ء۔ مندرجہ ذیل اشعار ۲۵-۲۶ سال کی عمر کے کہے ہوئے ہیں،

بن کے پتلی مری آنکھوں میں سمائے کوئی — درد کی طرح مرے دل میں در آئے کوئی
وعدۂ وصل سے انکار یہ چپکے چپکے — آنکھ سے میری ذرا آنکھ ملائے کوئی
آنکھ روتی ہے کسی کی صفتِ ابرِ بہار — بجلیاں ہنس کے کسی پہ نہ گرائے کوئی

دل لیئے حاضر تمہارا عاشق دلگیر ہے کیسے تیر انداز ہو کیسا تمہارا تیر ہے

اختر

منشی گوری شنکر کالستھ خلف منشی بشیشر دیال باشندہ قصبہ کشتی ضلع سلطانپور۔ صوبہ اودھ ولادت ۱۸۹۱ء، آپ رسالہ "شیو شمبھو" اور "مانسرودر" لاہور کے ایڈیٹر رہ چکے ہیں، بنگالی زبان کے ساٹھ ناولوں کا ترجمہ اردو میں کیا ہے، صاحب تصانیف کثیرہ ہوئے ہیں۔

جدھر آنکھ پھیرتا ہوں ادھر تو ہی تو ہے نہ بتوں کی دل میں حسرت نہ خدا کی آرزو ہے
تجھے جب سے دیکھا میں نے نہ رہی کوئی تمنا ہوا دل غنی کچھ ایسا نہ کسی کی جستجو ہے

عمر بھر ساغر و مینا سے رہا کام ہمیں کیا مزہ رکھتا ہے اب خونِ جگر دیکھیں تو
برق میں رعد میں شعلہ میں کہاں تیری ادا آئے دکھلائے ہمیں رقصِ شرر دیکھیں تو

جو کوئی دل سے ہوا دل دار کا ہے زباں پر اس کی نغمہ یار کا
زندگی کی اس کو خواہش ہے کہاں جو ہے زخمی ابروئے خمدار کا

دل کے پردوں میں چھپا ہے دل پتہ پاتا نہیں آنکھ کی پتلی میں رہتا ہے نظر آتا نہیں

اخگر

نواب شمشیر بہادر جنرل فوج و رئیس اعظم ریاست اجے گڈھ واقع بندیل کھنڈ، شاگرد جناب مولوی حسین علی صاحب شورش لکھنوی و میر ذاکر حسین یاس لکھنوی و احسان شاہجہانپوری ولادت قریب ۱۸۶۸ء، آپ "فسانۂ اخگر" اور "شعلۂ ہمن" کے مصنف ہوئے ہیں؛

کبھی جاتے تھے نالے آسماں تک نہیں آتے ہیں اب دل سے زباں تک
لگی ہے دل جگر میں آگ اخگر بجھائیں گے اسے آنسو کہاں تک

بے سوزِ جگر جوشِ فغاں ہو نہیں سکتا
جب تک نہ جلے آگ دھواں ہو نہیں سکتا

ہمارا خون پیو آکر کمی خلش میں کرو
یہ ہر قدم پہ ہے کانٹوں سے قول چھپالونگا

شمعِ محفل تو اگر ہے میں ہوں پروانہ ترا
بزم کی رونق ہے تجھ سے مجھ سے شانِ اہلِ درد

اترایئے نہ آپ زیادہ پہن کے پھول
کیا ہونگے دل کے داغوں سے بڑھکر چمن کے پھول

کچھ اس انداز سے وہ ابرو کو خم دیتے ہیں
سینکڑوں اپنا گلا کاٹ کے دم دیتے ہیں

زلفیں بکھراتے ہو کیوں چاند سے رخ پر شبِ وصل
کہیں گھبرا اُٹھو نہ تم رات کے بڑھ جانے سے

مزہ ہو جائے میخانہ میں اخگر
جو دس بیس اور آجائیں ہمیں سے

اخگر

منشی شیوراج بہادر کائستھ باشندہ لکھنؤ۔ آپ کہنہ مشق شاعر تھے، فارسی کلام بھی کہتے تھے۔ آخری ایام میں نابینا ہو گئے تھے۔ سنہ ۱۹۳۲ء سے کچھ بیشتر عالم ضعیفی میں وفات کی۔

مجھ سے رہتا نہ کشیدہ کبھی دلبر اپنا
ہائے برگشتہ نہ ہوتا جو مقدر اپنا

دل جگر دونوں کے ٹکڑے کئے تو نے ظالم
اس طرح کوئی مٹاتا ہے بھلا گھر اپنا

اس نے ملنے کو جو لکھا ہے جواب خط میں
رقص کرتا ہوا آتا ہے کبوتر اپنا

دل یہ کہتا ہے کہ خورشید چھپا بدلی میں
مُنہ چھپاتا ہے جو آنچل میں وہ دلبر اپنا

مشک پیدا ہو حلب میں اگر آئینہ پر
ڈال دے عکس تری زلف معنبر اپنا

گردشِ وقت کے شکوے جو لکھے ہیں خط میں
پھیر کھاتا ہوا جاتا ہے کبوتر اپنا

اخگر

منشی برجھودیال کائستھ خلف منشی جوالا پرشاد، قوم کائستھ سریباستو، باشندہ لکھنؤ مقیم کانپور۔ شاگرد جناب حکیم ناطق لکھنوی۔ ولادت سنہ ۱۸۹۰ء، آپ کے کلام میں زیادہ تر تصوّف کا رنگ ہوتا ہے۔

دیکھنے والے اگر چشم حقیقت باز ہے
دیکھ لے ہر ایک ذرہ جلوہ گاہِ ناز ہے

آمد و رفتِ نفس بھی معرفت کا راز ہے
سازِ ہستی نغمۂ توحید کا آغاز ہے

دل کے نغمے منتشر ہیں غم کے آنسو خشک ہیں — سازِ ہستی کو زمانے کی ہوا ناساز ہے

اپنی اپنی راہ سے ہے سب کو منزل کی تلاش — کوئی ہندو ہو گیا کوئی مسلماں ہو گیا
کیسا سجدہ کس کا در ہے فرض کس پر بندگی — کیا خبر اس کو جو محوِ دیدِ جاناں ہو گیا

دل کے آئینہ میں جو وہ جوہرِ یکتائی ہے — دیکھنے والا خود اپنا ہی تماشائی ہے
سجدہ گاہِ حرم و دیر کی تخصیص ہے کیوں — بھول جا سب کو اگر شوقِ جبیں سائی ہے

کیسے کیسے رفیق تھے اپنے — وہ تو کیا ان کی یاد بھی نہ رہی
بجھ گئی وہ شمع بھی کس وقت — گور پر جب کہ چاندنی نہ رہی

اخگر

دیوان ٹیک چند۔ باشندہ دہلی، آپ شہزادہ مرزا خرم بخت بہادر ابن صاحب عالم مرزا جہاندار شاہ گورمانی ولیعہد شاہ عالم ثانی مقیم بنارس کی سرکار میں دیوان تھے

کون کہتا ہے کہ ہم نے مے پرستی چھوڑ دی — رات دن پیتے ہیں مے پر مے کی مستی چھوڑ دی
دو جہاں دینے میں ملتا تھا ہمیں دیدارِ یار — ایسی شے نایاب بھی ہے مفت سستی چھوڑ دی

اخلاص

مہراج سکھ رام داس برہمچاری باشندہ لکھنؤ۔ ولادت ۱۸۱۰ء۔ اردو اور فارسی کلام کے صاحب دواوین ہوئے ہیں، ۱۸۸۰ء میں وفات کی،

دنیائے بے ثبات میں آسودگی کہاں — کھٹکا یہی ہے ہم کو کہ شام و سحر گئے
کہتے ہیں ہم سے آہ یہ سب خفتگانِ خاک — اک دن چلو گے تم بھی اُدھر ہم جدھر گئے

بڑھتی دولت گر عطا تائیدِ ربانی کرے — بوریائے فقر کو تختِ سلیمانی کرے
کم نہ سمجھو سیلِ اشکِ عاشقِ رنجور کو — بڑھتے بڑھتے ہو سمندر گر یہ طغیانی کرے

آذر

لالہ لچھمی نرائن خلف لالہ ہرسکھ رائے ، قوم کائستھ باشندہ ٹونک شاگرد جناب مولوی سعید احمد صاحب آسد و جناب دیبی پرشاد بشاش اجمیری ؛

زلف پیچاں کا ہوا ہے مجھے سودا جب سے
ایک بھی تار گریباں مری گردن میں نہیں

ہے محبت میں عبث ہندو مسلماں کا خیال
عیش میں رہتا نہیں ہے دین و ایماں کا خیال

تری تیغ ابرو کے ایما سے ظالم
موئے نیمجاں نوجواں کیسے کیسے

کہیں بیٹھ جائے نہ بنیادِ گردوں
کہ اشکوں سے طوفاں اٹھا چاہتا ہے

نامۂ شوق ایک دفتر ہے
ہوش اڑ جائے گا کبوتر کا

کمر ان کی نظر نہیں آتی
کچھ عدم کی خبر نہیں آتی

آذر

پنڈت جوالا پرشاد پارمو کشمیری خلف پنڈت بشن چند کشمیری. باشندہ لکھنؤ فن شعر میں اپنے بڑے بھائی گنگا پرشاد رند سے مشورہ لیتے تھے۔ فارسی کلام بھی کہتے تھے۔ آپ محکمہ پولیس میں مظفر نگر، شاہدرہ، اور متھرا میں متعین رہے ۱۸۶۵ء میں بعمر ۶۵ سال متھرا میں وفات کی ،

نہ ہمیں رنج کا کچھ غم نہ راحت کی خوشی
اس کا جی چاہے سو یہ گردشِ افلاک کرے

دن کہیں رات کہیں صبح کہیں شام کہیں
ایسے ہرجائی سے الفت کوئی کیا خاک کرے

دنیا میں غم عبودیت سے چھوٹے
عقبیٰ میں حسابِ معصیت سے چھوٹے

ہر چہار طرف کے مٹ گئے وہم و خیال
ہم عشق میں فکرِ شش جہت سے چھوٹے

شوق میں کھائے ہیں اک چہرۂ گلگوں کے گل
کیوں نہ رنگیں ہوں مرے پھر گلشنِ مضموں کے گل

آزاد

منشی رام سنگھ باشندہ دہلی۔ اپنے دور کے مسلّم الثبوت استاد تھے، آخری ایام

ہیں بصارت زائل ہو گئی تھی۔ صرف ایک ہی شعر دستیاب ہو سکا ہے۔

ان دنوں پیارے تری طرزِ تکلم اور ہے طورِ چشمک اور ہے وضعِ تبسم اور ہے

آزاد

بابو کالی چرن ۱۹۰۸ء میں حیات تھے

ہے بجا بد شکل دنیا میں کریں جتنا حجاب اچھی صورت تو نہیں صاحب چھپانے کیلئے
جب کہا میں نے کہ مرتا ہوں تو بولا وہ صنم ہم نے تم سے کب کہا تھا دل لگانے کے لئے

دامِ کاکل سے کیوں کیا آزاد اب کہاں جائے تیرا زار افسوس

آزاد

لالہ لچھمن پرشاد قوم دیش خلف بابو رادھا کشن دیش، باشندہ خسروپور ضلع پٹنہ شاگرد جناب فائق بریلوی و تمنا عظیم آبادی۔ ولادت ۱۸۹۶ء، آپ اعلیٰ گھرانے سے تعلق رکھتے تھے؛

لڑنا ہی تھا غضب مری ان کی نگاہ کا آغاز تھا وہی مرے حالِ تباہ کا
روشن تھے بختِ غیر، مگر زلفِ یار کو کچھ رنگ بھا گیا مرے بختِ سیاہ کا
عاشق کے سر پہ بھی نہ یہ لائے کوئی بلا ملتا ہے رنگ زلف سے ابرِ سیاہ کا
جنگل کی راہ میں جو بگولہ کوئی اٹھا گم کردہ راہ سمجھے اسے خضرِ راہ کا
ہوگا چراغ سینۂ تاریک کے لئے چمکے گا اس میں کوئی شرارہ جو آہ کا
صف بستہ فوج کا صفِ مژگاں پہ جب ہے شک سرمہ پہ کیوں گماں نہ ہو گردِ سیاہ کا

ہے کونسا چمن نہیں جس کی بہار تو وہ کون گل ہے جس میں ترا رنگ و بو نہ ہو

آزار

لالہ جوالا پرشاد۔ باشندہ فرخ آباد مقیم متھرا

منفعل کس لئے بیٹھے ہو دلبر کیا عداوت ہے اجی اک جام ہے صاحب مری خاطر سے پیا ہوتا

ہم مگر محروم قسمت کے سبب سے رہ گئے | اس پری کا وصل غیروں کو میسر ہو گیا

آرام

منشی رام پرشاد ملازم راج لچھمی پور۔ شاگرد جناب نوازش مونگیری

خود آئے ہیں دیکھنے کو اب عیسیٰ دوراں | کیا خوب کیا ہے مرے نالے نے اثر آج
دیکھی ہے تجلی جو کسی برق نگہ کی | قابو میں دل ہے نہ سنبھلتا ہے جگر آج

آرام

رائے بہادر شیو نرائن قوم کائستھ خلف منشی نند لال۔ باشندہ اکبر آباد (آگرہ) شاگرد جناب مرزا غالب دہلوی، ولادت ۱۸۳۳ء فارسی کلام بھی خوب کہتے تھے۔ ۱۸۹۸ء میں وفات کی۔

غضب ہے مدعی جو ہو وہی پھر مدعا ٹھیرے | جو اپنا دشمنِ دل ہو وہی دل کی دوا ٹھیرے
نہ ٹھیرے ناامیدی اسکے دل میں اور کیا ٹھیرے | کہ جس کا بعد مرنے کے حصولِ مدعا ٹھیرے
وہ چاہے جسقدر جور و جفا ہم پر کریں لیکن | ہمیں تسلیم لازم ہے کہ پابندِ وفا ٹھیرے
یہ دنیا اک سرا ہے اس کو آخر چھوڑ جانا ہے | اگر دو چار دن آکر یہاں ٹھیرے تو کیا ٹھیرے
قیام اپنا ہو اس محنت سرائے دہر میں کیونکر | جہاں آفت ہی آفت ہو وہاں آرام کیا ٹھیرے
آرام دل کا چین گیا اب سکوں گیا | ہم تو بلا میں پھنس گئے جب سے جنوں گیا

آرام

منشی پریم ناتھ رائے کھتری باشندہ دہلی، تیر اندازی اور خوشنویسی میں اچھا دخل رکھتے تھے۔ صاحب دیوان ہوئے ہیں

خون آنکھوں سے نکلتا ہی رہا | دل کا فوارہ اچھلتا ہی رہا
کون غمخواری کرے آرام کی | ایک مجنوں تھا سو چلتا ہی رہا

آرام

لالہ لکھن لال کائستھ باشندہ دہلی، شاگرد جناب تمنا۔ آپ سلیمان شکوہ کے دیوانخانہ میں متصدی تھے۔ فارسی زبان پر اچھا عبور رکھتے تھے ۱۸۵۸ء میں وفات کی۔

ہمدمو مجھ سے یہ کہتے ہو نہ تو یار سے مل
اسکو سمجھاؤ ذرا یہ کہ نہ اغیار سے مل

تری سلکِ درِ دنداں کی ایسی آبیاری ہے
کہ جس کے سامنے پانی درِ خوش آب بھرتے ہیں

سراپا اس میں قدرت ہے خدا کی
کہوں کیا چیز ہے انسانِ خاکی

آہ اپنی زبان پر آئی
یا بلا آسمان پر آئی

ارمان

راجہ جیسم جی متر نبیرہ راجہ پیتمبر متر باشندہ کلکتہ۔ شاگرد جناب حافظ اکرام احمد ضیغم کلکتوی، آپ کو اردو اور فارسی میں اچھی استعداد تھی، آپ جناب عبدالغفور نساخ کے ہمعصر تھے۔

رات بھر نالے کیا کرتا ہوں گریہ دن کو
پوچھتے کیا ہیں حقیقت مری اوقات کی بات

کام اپنا نہ کبھی تجھ سے مری جان نکلا
تن سے جاں نکلی مگر دل کا نہ ارمان نکلا

ارمان

پنڈت راج نرائن کشمیری باشندہ دہلی، ولادت ۱۸۷۶ء۔ شاگرد جناب داغ دہلوی، آپ نے ۱۸۹۶ء میں سہارنپور آکر اخبار "ظریف" اور رسالہ "تنویر سخن" کی ایڈیٹری کی۔ اس کے بعد ۱۸۹۷ء سے ۱۹۰۴ء تک پٹیالہ میں قیام کیا، اور پٹیالہ اخبار کی ایڈیٹری کرتے رہے، ۱۹۰۴ء میں آپ لاہور آگئے، اور یہاں اخبار "پنجاب سماچار" اور "راجپوت گزٹ" کے ایڈیٹر رہے،

تجھ سے شبِ غم حلق مرا تر نہیں ہوتا
یہ کام بھی آبِ دمِ خنجر نہیں ہوتا،

کب سیدھی سی ترچھی نظر انکی نہیں ہوتی
کب تیر مرے واسطے خنجر نہیں ہوتا،

اٹھتے ہوئے جوبن کی محبت نہیں جاتی
سینہ سے مرے دور یہ پتھر نہیں ہوتا،

انکار رہا حشر کے وعدہ پہ بھی تم کو
ملنے کا کوئی روز مقرر نہیں ہوتا،

کیا لکھوں ماجرائے غم اس فتنہ گر کو میں
دل میں ہے خط میں چیر کے رکھدوں جگر کو میں

خود ہی پہونچ گیا ہوں وہاں بہرِ التجا
طرزِ بیاں بتاتا ہوا نامہ بر کو میں

تیرِ نگاہِ یار کے دونوں شہید ہیں — اب دل کی یوں خبر کہ سنبھالوں جگر کو میں
کل بھی نہ تجھ سے ہوگا وفا وعدۂ وصال — لو آج ہی سناتا ہوں کل کی خبر کو میں

شوخیٔ مضموں کا حصہ داغؔ سے ہے مجھ کو ملا — شاعری مضطرؔ سے ہے میراث میں پائی ہوئی

آسانؔ

لالہ سہج رام باشندہ الہ آباد

موئے کے بعد تا بہ حشر آنکھیں مری جو وا رہیں — مجھکو تو کچھ خبر نہیں کس کا یہ انتظار تھا

اسدؔ

منشی گردھاری لال کائستھ ولد منشی دیا رام باشندہ ہڑیہ ضلع اناؤ۔ آپ لکھنؤ کلکٹری میں اہلمد تھے ۱۸۶۶ء میں سداما چرتر کو "منظومۂ فرخ" کے نام سے اردو میں منظوم کیا۔ "منظومۂ فرخ" کے چند اشعار

کہ رہتا تھا سداما اک برہمن — برنگِ گل جہاں میں پاکدامن
گلستانِ قناعت کا تھا وہ گل — بہارِ گلشنِ صبر و توکل
سراپا شکلِ سوزن تھا وہ عریاں — تعلق سے جہاں کے پاک داماں
یہاں تک پیرہن تھا سبکسار — کہ رکھتا تھا فقط اک تارِ زنار

آشفتہؔ

پنڈت امرناتھ کشمیری، باشندہ دہلی، شاگرد جناب خدا بخش خاں تنویرؔ دہلوی آپ کو امیر الشعراء کا لقب عطا تھا، صوبہ پنجاب میں عہدۂ منصفی پر مامور تھے ۱۸۸۵ء میں وفات کی۔

تن پہ جب پنجۂ وحشت نے نہ چھوڑا اک تار — تو دیا دشتِ جنوں نے مجھے داماں اپنا
درماں نہیں مریضِ محبت کا اے طبیب — اچھے نہ حشر تک کبھی ہوں گے دوا سے ہم
مرہمِ داغِ جگر تیر کا پیکاں سمجھا — زیست کو موت میں اور موت کو درماں سمجھا
کوئے جاناں دو قدم ہے ناتوانی دل نہ چھوڑ — گو قدم اٹھتا نہیں پر کچھ تو ہمت چاہیے

الجھا ہے بے طرح یہ دل کاکل شکن میں ہائے — دام بہ دام خم بہ خم حلقہ بہ حلقہ مو بہ مو

ان دنوں تم جو ہو آشفتہ پریشاں خاطر — کس پہ ہوش اپنے کھوئے ہیں کہاں دل آیا

آشفتہ بزم یار میں ساقی بنا ہے غیر — کیونکر نہ یوں کہ کرتی ہے ٹکڑے جگر شراب

کی ہوگی اس نے بادہ کشی بزم غیر میں — تلخی رہی جو میری زباں پر تمام رات

دل میں آشفتہ ہے بتوں کا خیال — لب پہ باتیں ہیں پارسائی کی

آشفتہ

گلاب سنگھ کھتری، باشندہ دہلی۔ آپ بنّو[ع] نامی ایک زن خانگی کے عشق میں مبتلا ہوگئے تھے۔ کچھ دنوں تو دونوں کی عیش میں گذری، مگر زمانہ کے انقلاب نے دونوں کو ایک دوسرے سے جدا کر دیا، بے بس ہوکر آشفتہ نے خنجر آبدار سے اپنا گلا کاٹ کر خودکشی کر لی۔ یہ واقعہ قریب ۱۸۳۵ء کا ہے۔ آشفتہ کے مندرجہ ذیل اشعار خودکشی کے ارادہ کی تصدیق کرتے ہیں۔

پوچھتے کیا ہو کہ شب آشفتہ کیونکر مر گیا — اس میں کیا باقی رہا تھا بندہ پرور مر گیا

ع بنّو نام اور تخلص کی ایک شاعرہ تھی وہ بھی آشفتہ کی اس جدائی کے صدمہ کو برداشت نہ کر سکی اور چھ ماہ بعارضہ دق مبتلا ہو کر آشفتہ سے جا ملی اور مندرجہ ذیل اشعار بطور یادگار اپنے پیچھے چھوڑ گئی

چھوڑ کر مجکو کہاں لے بتِ گمراہ چلا — تو چلا کیا کہ دل بھی ترے ہمراہ چلا

چھٹ گیا غم سے مرا کشتۂ ابرو مر کر — اک چھری میرے گلے پر بھی مری آہ چلا

نہ موت آتی ہے نہ زیست کا یارا مجکو — ہائے آشفتہ ترے مرنے نے مارا مجکو

کیا ہوئی ہائے فغاں کی ترے شر انگیزی — لے چلے تجکو تو تو نے نہ پکارا مجکو

موت پر بس نہیں چلتا ہے کروں کیا ورنہ — تو نہیں ہے تو نہیں زیست کا یارا مجکو

اب کسے چین کہاں عشق کدھر بستر خواب — نہیں مخمل بھی کم از بستر خارا مجکو

ہے غضب وہ تو مرے اور جیوں میں بنّو — موت آجائے تو ہو عمر دوبارا مجکو

جان دی عاشق نے تیرے شب کو اک نالے کے ساتھ
آدمی تھا آخرش صدمہ اٹھا کر مر گیا
ہے جدائی میں زبس آشفتہ جینے سے یہ تنگ
سُن ہی لو گے اک نہ اک دن پھوڑ کر سر مر گیا

نہ سوئے ہم شب وعدہ سحر تک
نہ آیا تو ہی ظالم پر نہ آیا
اسی غم نے رلایا ہم کو عمر بھر
کہ تجکو بولنا ہنس کر نہ آیا

ہائے یہ غیروں سے کہنا اس کا رک رک کر کہ اب
مجکو مت چھیڑو کہیں آشفتہ یاں آجائیگا
زلفوں سے بھی زیادہ کیا رخ نے دل پہ جور
کافر جو تھے سو تھے پہ مسلماں کو کیا کریں

اک نہ آنے سے تیرے اے ظالم
شکوے سو سو زباں پہ آتے ہیں
دم کا مہماں ہے اور آشفتہ
بے خبر تجکو کچھ خبر بھی ہے

آشنا

منشی گور سہائے خلف دیوان کشن دیال قوم کائستھ سریواستو، باشندہ لکھنؤ شاگرد جناب منشی مینڈو لال زار لکھنوی، ولادت ۱۸۳۴ء فارسی میں اچھی دستگاہ رکھتے تھے۔ کرشن بھگتی میں کافی کلام کہا ہے۔ ۱۹۱۴ء میں وفات کی۔

ادر دیوانہ بنا دینی ہیں تانیں انکی
یاد جب شیام کی آتی ہے مدھر گانے کی
گوپیاں کہتی ہیں جسمت سے نہ بر جوان کو
بالکوں کی تو ہے عادت ہی مچل جانے کی

ان کو لینے گوپیاں جانے کو ہیں
آج سنتے ہیں کہ ہر آنے کو ہیں
ہر بھجن میں جن کا من لگتا نہیں
یہ سمجھ لو کچھ وہ دکھ پانے کو ہیں

کہیں کیا ہر کی مایا ہے کہاں تک
نظر آئی وہیں دیکھا جہاں تک
ہے مانع کون ہر آئیں تو یاں تک
رہیں دل میں جگہ پائیں جہاں تک

آشنا

منشی منّالال کھتری، محمد شاہ کا زمانہ پایا تھا۔ طبقہ اول کے شعرا میں آپ کا شمار ہوتا تھا۔ فارسی کلام بھی کہتے تھے۔ صرف ایک ہی شعر دستیاب ہو سکا ہے:

تری برگشتہ مژگاں جب سے میں دیکھیں ہیں اے ظالم ۔۔۔ وہی آن اب تلک جی میں مرے ہر دم کھٹکتی ہے

آشوب

رائے بہادر ماسٹر پیارے لال باشندہ دہلی۔ ولادت ۱۸۳۸ء۔ شاگرد جناب عبدالکریم صاحب سوز (خلف حضرت صہبائی) آپ غالب کے عزیزوں میں تھے، بہت سی کتابوں کے مصنف ہوئے ہیں۔ ۱۹۰۷ء تک حیات تھے۔

غزل ہم قافیہ

گر شیخ پاک دامن طالب نہ ہوریا کا ۔۔۔ رندوں کی محفلوں میں اس کا اڑے نہ خاکہ
مجنوں کو ہم نے اپنے مانندِ خاک پایا ۔۔۔ گویا کہ وہ ہماری تصویر کا ہے خاکہ
پتھر پہ شکل شیریں فرہاد نے بنائی ۔۔۔ اور ہم نے اپنے دل پہ کھینچا ہے تیرا خاکہ
اپنا تو سر جھکے ہے دونوں طرف کہ اسکی ۔۔۔ تصویر بتکدہ میں اور ہے حرم میں خاکہ
آشوبِ خستہ جاں کو پھر ہے طلب وہیں کی ۔۔۔ کل ہی تو اڑ چکا ہے اس کی گلی میں خاکہ

زاہد جو چھولے دامنِ رندانِ بادہ کش ۔۔۔ تو چاہیے کہ مے سے اسے شست و شو کریں

اصغر

منشی مہابیر پرشاد محافظ عدالت بھوپال

سودا ہوا ہے جب سے مجھے زلفِ یار کا ۔۔۔ بدلا ہوا ہے رنگ دلِ بیقرار کا
عرضِ حالِ دلِ بیتاب کو شکوہ سمجھے ۔۔۔ مدعا صاف تھا پر کیا کریں الٹا سمجھے
مکرر فاتحہ کو آئیگا وہ شعلہ رو اصغر ۔۔۔ نہیں بیوجہ بجھنا شمع کا ہے اپنے مدفن پر

اظہر

منشی جگناتھ پرشاد، خلف منشی گردھاری لال۔ باشندہ لاہور۔ شاگرد جناب

جواہر سنگھ جوہر۔ آپ چکر دتہ چھاونی میں اُوَرسیر کے عہدہ پر مامور تھے،

میرے سینہ میں رہو امیدواراں کی طرح
سر میں سودائے سر زلفِ حسیناں کی طرح

نطق سے میرے ہے طبعِ سامعین عاشق مزاج
شوخیاں مضموں میں ہیں نازِ حسیناں کی طرح

دلربا کہتا ہے نامہ نہ کبوتر لائے
جذبۂ شوق سے پیدا کرے خود پر کاغذ

چابکِ مرکبِ دلدار کے کیونکر ہوں رقم
ذرِّ مضموں سے اڑا جاتا ہے اکثر کاغذ

اعزاز

ٹھاکر رامیشر بخش سنگھ تعلقدار سمیسا پر سری ضلع سیتا پور اودھ، ولادت ۱۸۶۸ء
زبان صاف اور بندشِ الفاظ اچھی ہے۔

ساقی نے دیا جام مئے بے خبری کا
اب ہوش ہے شیشہ کا نہ شیشہ کی پری کا

ہر ظلم رسیدہ ہے ترے جور سے راضی
شکوہ نہیں کرتا کوئی بیداد گری کا

زندگی بھر نہ یہ دیدۂ گریاں ٹھہرا
کشتی عمر ڈبوئی تو یہ طوفاں ٹھہرا

خنجر کا نہ بسمل ہوں نہ ہوں تیغِ جفا کا
انداز کا مقتول ہوں کشتہ ہوں ادا کا

زخم کاری لگا تو چوم لیا
قبضہ خنجر کا ہاتھ قاتل کا

کوئی کر سکا نہ دل اپنا لہو،
مرا ساتھ برگ حنا نے دیا

تھا مقدر میں کہ قاتل کا
ہم بگڑتے تو بانکپن بنتا

آفتاب

جناب انوپ چند صاحب باشندہ پانی پت شاگرد مولانا سلیم صاحب ولادت ۱۹۰۰ء سے کچھ پیشتر، وفات ۱۹۷۰ء۔ آپ وطن پرست شاعر تھے، آپ کے شعری مجموعے کلامِ آفتاب، خیالاتِ آفتاب، زخمِ وطن، آفتابِ وطن، جوشِ وطن جذباتِ وطن اور حبِّ وطن کے نام سے شائع ہو چکے ہیں، آپ کافی تعداد میں شاگرد اپنی یادگار چھوڑ گئے ہیں،

فسانے عشقِ مجازی کے سن چکے ہو بہت
وطن کی قوم کی پُر درد داستاں بھی سنو

وہ وقت کاش آنکھوں سے آفتاب دیکھیں ۔ جب آستاں وطن کا اونچا فلک سے پائیں
آفتاب آپکے اشعار نہ ہوں کیوں مقبول ۔ دردِ دل چپکے سے سینہ کو دکھا رکھا ہے
وہ سخن بھی کیا سخن ہے وہ غزل بھی کیا غزل ۔ ہوں نہ پنہاں جس میں سوزِ قلب کی چنگاریاں

بر وفات مہاتما گاندھی

وطن ہوا تھا اہنسا کے نور سے پُر نور ۔ اندھیرا تھا جو غلامی کا ہو گیا کافور
کرشمہ صدق و صفا کا دکھایا گاندھی نے ۔ کہ قیدِ غیر سے بھارت چھڑایا گاندھی نے
پہاڑ ٹوٹ پڑا غم کا قلب انساں پر ۔ کہ ایک تیرِ الم چل گیا دل وجاں پر

نظم کشمیر کا ایک بند

خود سروں کا سر کچلنے کیلئے کشمیر ہے ۔ اس سے وابستہ ہمارے ملک کی تقدیر ہے
جنتِ کشمیر بھارت ورش کی جاگیر ہے ۔ ہند ہے کشمیر کا اور ہند کا کشمیر ہے
دل میں یہ ٹھانے ہوئے ہر اک جوان دیر ہے

آفریں

لالہ بہاری لال ساہوکار۔ باشندہ فرخ آباد شاگرد جناب صفیر

اک بلائے آسمانی داستانِ زلف ہے ۔ اک قیامت ہے کہانی یار کی رفتار کی
میرے گھر میں آج آیا ہے جو وہ رشکِ قمر ۔ چاندنی پھیلی ہوئی ہے جلوۂ رخسار کی

خود گلا کاٹ کے جانباز ہیں مرنیوالے ۔ اور ہوں گے وہ کوئی مرنے سے ڈرنیوالے
صبح سے آج پریشان ہے کیوں دل اپنا ۔ کس پریزاد کے ہیں بال بکھرنے والے

حیلے سے عیادت کے کسی روز چلے آؤ ۔ بیمار کو کیا دیکھنے جاتا نہیں کوئی

افسر

راجہ پرمانند سنگھ بہادر رئیس ولد راجہ میلانند سنگھ۔ باشندہ بھاگلپور ولادت ۱۸۵۴ء-آپ اردو، فارسی، بنگلہ اور انگریزی زبانوں پر کامل دستگاہ رکھتے تھے

چاہنے والوں کی ہوتی نہیں چاہت برباد
شمع جل کر ہوئی پروانہ کی صورت برباد
قدرداں ہم ہیں ہمیں آکے سُنگھاؤ صاحب
مفت کیوں کرتے ہو تم زلف کی نکہت برباد

دل میں حسرت نہ رہے آج اگر تم چاہو
لب پہ لب سینہ پہ سینہ ہو بسرِ وصل کی رات
جو آرزوئیں دل میں تھیں سب خاک ہو گئیں
تیغِ اجل نے کاٹ دیئے دست و پائے عرض

افسر

منشی سلیک چند خلف منشی سوامی دیال باشندہ سہسا پور ضلع سیتاپور پیشہ معلمی عہدِ شباب میں ۱۹۲۸ء میں وفات کی۔

قصۂ زیست چکاتی ہے کہ خود ہوتی ہے ختم
دیکھیں کرتی ہے سلوک اب شبِ ہجراں کیونکر
نزع میں دیکھ کے بے چین مجھے وہ بولے
قبر میں سوئیگا یہ صاحبِ ارماں کیونکر

تجھ سا جو بے نیاز کوئی نازنیں نہیں
مجھ سا نیازمند بھی عاشق کہیں نہیں
کبھی تو پوچھتے بربادیوں کی کیفیت
کبھی تو چاہنے والوں کی آبرو کرتے

افضل

رائے شنکر پرشاد کائستھ۔ باشندہ حیدرآباد دکن، سررشتہ دار توشہ خانہ حضور نظام دکن۔ آپ "واسوخت افضل" کے مصنف ہیں۔ ۱۹۱۶ء میں انتقال کیا۔

جس طرف میں دیکھتا ہوں یار کی تنویر ہے
آنکھ کے پردے پہ بھی اس حور کی تصویر ہے
نقاب اس بت کے چہرے پر پڑی ہے
قیامت آڑ میں جس کے کھڑی ہے

افق

منشی دوارکا پرشاد، قوم کائستھ خلف منشی پورن چند باشندہ لکھنؤ۔ شاگرد جناب منشی شنکر دیال فرحت۔ آپ منشی رام سہائے تمنا اور منشی ماتا پرشاد نیساں کے برادر خورد تھے، اور منشی بشیشور پرشاد منور آپ کے فرزند تھے۔ بہت سی کتابوں کے مصنف ہوئے ہیں، آپ کی ولادت ۱۸۶۴ء ہے اور وفات ۱۹۱۳ء ہے۔

دم میں پھر جائے جو وہ چشم عنایت کیسی ایک نقطہ سے جو زحمت وہ رحمت کیسی
ہوس حور میں بے کار ہے اللہ کی یاد عاشقی جس سے ہو پیدا وہ عبادت کیسی
شیخ تم حور پہ ہم اپنے صنم پر قربان خود نصیحت ہو تو اوروں کو نصیحت کیسی
اشک پینے کو دیئے یار نے غم کھانیکو کی ہے اس شوخ نے عشاق کی دعوت کیسی
دل بیتاب کو ہے شعلۂ عارض پہ قرار دنگ ہوں آپ پہ سیماب کو راحت کیسی
عمر کیوں زہد میں اے شیخ گنوائیں عشاق حور دنیا میں جو مل جائے تو جنت کیسی
یہ ہی کہتا ہے جو اشعار آفق سنتا ہے پائی ہے اس نے خدا جانے طبیعت کیسی

جہاں گلزار میں تم چنتے ہو بکھرے ہوئے تنکے کبھی میرا بھی واں اے ہمصفیر و آشیانہ تھا
طیور باغ کیوں صیاد تیرے دام میں پھنستے وہیں تقدیر لے آئی جہاں کا آب و دانہ تھا

عاشق بے ساز و ساماں سے نہ تم اے مہرباں رشتۂ الفت کو توڑ عہد و پیماں کی طرح
ساتھ غیروں کے نہایا جس گھڑی وہ بحر حسن پھٹ گیا دریا کا دل عاشق کے داماں کی طرح

اقبال

منشی کرپا دیال ولد منشی ارجن سنگھ وکیل، باشندہ کانپور، آپ بشن دیال ثابت کے برادر خورد تھے، سنہ ۱۹۲۰ء میں راہی ملک عدم ہوئے

مجھ گنہگار کو بخشے تو ہے رحمت تیری تیرا احسان ترا لطف عنایت تیری
یہ تمنا ہے نہ ہو کوئی تمنا دل کو اور اگر ہو بھی تو ہو دل کو محبت تیری

کعبہ سے کام ہے نہ گلستاں سے کچھ غرض ہے آرزو یہ مجکو ترا آستاں ملے

اکبر

منشی رام دین قوم گجراتی خلف بھگوان دین۔ مندرجہ ذیل تاریخ جنگ روم و روس آپ نے نکالی ہے:

ترکوں پہ اب ہے وقت تنگ روس سے | بیڈھب بنی ہے جان و دلِ پرعنا د پر
آئی ندا یہ غیب سے اکبر برائے سال | ہے انتقام قہر کا قوم جہاد پر

۱۲۹۴ ہجری

اکبری

دیوان پنڈت امرناتھ صاحب مدن خلف راجہ دینا ناتھ صاحب راجہ کلا نور، آپ سرکار مہاراجہ رنجیت سنگھ شیر پنجاب و مہاراجہ دلیپ سنگھ اور بعدازاں سرکار انگریزی میں عہدہ ہائے جلیلہ پر ممتاز رہے، آپ کے بزرگوں کا وطن دہلی تھا مگر آپ نے لاہور میں نشو نما پائی۔ ولادت ۱۸۲۲ء ہے آپ زیادہ تر فارسی کلام کہتے تھے۔ ۱۸۶۷ء میں وفات کی

مردانِ خدا خواہشِ دنیا نہیں کرتے | آزاد رہ و رسم کی پروا نہیں کرتے
کیوں ہم کو دکھاتے نہیں تم دستِ حنائی | ہم خون کا کچھ آپ پہ دعویٰ نہیں کرتے

انساں کو حق نے نور کا مظہر بنا دیا | اک مشتِ خاک تھا جسے جوہر بنا دیا
خونِ جگر سے ہم نے کیا دل کو لالہ زار | داغِ جنوں سے دل کو مشجر بنا دیا

یادِ وحدت میں تعلق کا جو پردہ اٹھا | صاف ہستی کا ہمیں آپ ہی دھوکا اٹھا
کون ہے وہ جو ترا طالبِ دیدار نہیں | کون اس چشمِ سیہ مست کا بیمار نہیں
زاہد نہ کر یہ اپنی عبادت کا کچھ گھمنڈ | شیطان کی ایک دم میں خدا سے بگڑ گئی

آگاہ

پنڈت جوالا ناتھ خلف پنڈت داتارام۔ باشندہ کلکتہ۔ آپ فارسی کلام بھی کہتے تھے۔

جان جاتی ہے تڑپتا ہوں پڑا | دیکھئے کیا ہو تماشا کیا ہے
تیرا دیدار میسر ہووے | اس سوا اور تمنا کیا ہے

اُلفت

منشی شیو نرائن مختار قوم ورما، ساکن بھیل پور، ۱۹۰۵ء میں حیات تھے

بن بن کے عبث آئینہ تم دیکھ رہے ہو ... ہم مرتے ہیں جس پر وہ ادا اور ہی کچھ ہے
ڈرتے ہیں کہ تم کھینچ نہ لو ہاتھ ستم سے ... کیا تم سے کہیں لطفِ جفا اور ہی کچھ ہے

جی سے ہم جائیں انھیں پروا نہیں ... ہے یہ کیا گر غمزۂ بیجا نہیں
خواب میں بھی رہتے ہو تم دور دور ... اس قدر کھنچنا تمھیں زیبا نہیں

اُلفت

منشی آنند رام۔ باشندہ عظیم آباد ۱۸۷۸ء میں حیات تھے۔

آباد یہ میکش رہیں ساقی کا بھلا ہو ... پھر قلقلِ مینا کی بلند آج صدا ہو
پھر زخمِ کہن دل کا مرے آج ہرا ہو ... قاتل دمِ شمشیر دمِ بادِ صبا ہو

بیعت مجھے بھی مشربِ پیرِ مغاں سے ہے ... ساقی ادھر بھی دورِ کرم کی نگاہ ہو
دل پیشکش ہے نذر ہے یہ جانِ زارِ بھی ... لکھدیں مگر حضور مچلکا نباہ کا،

اُلفت

راجہ الفت رائے قوم کایستھ باشندہ لکھنؤ، آپ شاہی زمانہ میں فوج کے بخشی تھے، مرثیہ گوئی میں مشہور عالم تھے، اور فارسی میں اچھے انشا پرداز تھے، صاحب دیوان ہوئے ہیں،

نقطوں کی پیروی نہیں کرتے ہیں عقلمند ... جب غور سے حیات کو دیکھو حباب ہے
غفلت میں کس مزے سے گذرتی ہے زندگی ... جو کمسنی میں عیش ملا تھا وہ خواب ہے

اُلفت

لالہ منگل سین کایستھ باشندہ عظیم آباد، شاگرد جناب جرأت لکھنوی۔ ایک ہی شعر مل سکا ہے،

ہر قدم پر یاں تلک آنے میں سو سو ناز ہے	کیونکہ گھر جانے لگے شام و سحر دو چار کے

الفتی

راجہ پیارے لال کائستھ خلف رائے سکھن جی۔ باشندہ عظیم آباد۔ کئی سال تک اکبر شاہ ثانی کے یہاں میر منشی رہے۔ صرف ایک ہی شعر دستیاب ہو سکا ہے

خاکساری سے مثالِ نقشِ پا	جس جگہ بیٹھے وہیں کے ہو رہے

امانت

لالہ امانت رائے باشندہ دہلی

تشریف یاں نہ لاؤ پر نامہ بر تو بھیجو	مت لو خبر ہماری اپنی خبر تو بھیجو

امن

بابو گوپی ناتھ قوم کائستھ خلف بابو جہا دیو پرشاد دعاصی، باشندہ لکھنؤ، ولادت ۱۸۹۹ء شاگرد جناب عزیز لکھنوی و پروفیسر جناب بجیاناتھ صاحب وگار، آپ غازی آباد میں مختار رہ چکے ہیں اور تیج اخبار دہلی کے ایڈیٹر بھی کانگرس کے سرگرم کارکن رہے ہیں۔ کئی مرتبہ تحریک آزادی کے سلسلہ میں سزائے قید پا چکے ہیں، ہنوز بقیدِ حیات ہیں،

ایک وہ دن تھے نہ تھے کم جب کسی کامل سے ہم	آج کیا باعث نظر آتے ہیں ناقابل سے ہم
موجِ طوفاں خیز گرداب بلا انجام ہے	المدد اے ناخدا ہیں دور ابھی ساحل سے ہم
کچھ نگاہوں کا بدلنا تھا کہ اٹھکر چل دیئے	آشنا تھے کس قدر رنگِ رخِ محفل سے ہم
یا الٰہی راہِ الفت میں یہ کیسا پھیر ہے	سامنے منزل ہے پھر بھی دور ہیں منزل سے ہم

جو پیش آئی کبھی انتشار کی صورت	اسی سے ہوئی ہے پیدا قرار کی صورت
کھٹک رہے ہیں یہاں گل بھی خار کی صورت	دکھائی دیتے ہیں اغیار یار کی صورت
جو دورِ حال کو سمجھے رہینِ مستقبل	خزاں میں دیکھ رہے ہیں بہار کی صورت
نظر فریب مناظر سے ہوشیار اے امن	نہیں ہے ان میں کوئی اعتبار کی صورت

ساقیِ روزِ ازل نے کر دیا مستِ الست — بادۂ انگور سے مطلق مزا ملتا نہیں
آفریں صنّاعِ عالم یہ تری صنّاعیاں — ایک نقشہ سے جہاں میں دوسرا ملتا نہیں
نالے کرنے کے لئے بھی چاہئے اک ہمصفیر — اس لئے چپ ہوں کہ کوئی ہمنوا ملتا نہیں

امیر

منشی جوالا شنکر قوم کائستھ ولد منشی گنگا دت باشندہ بریلی، آپ نامی شاعر ہوئے ہیں ۱۸۷۱ء میں آپ نے کتھا ست نارائن کو" دافع عذاب" کے نام سے اردو میں منظوم کیا ہے،

زباں پہ ست نارائن کا ہے نام — کہ جس سے جان کو تن میں ہے آرام
اسی کی ہر طرف جلوہ گری ہے — کہیں زہرہ کہیں پر مشتری ہے
جمال اس کا تماشہ رو برو ہے — چمن میں گل ہے گل میں رنگ و بو ہے
جدا ہے سب سے لیکن ہے ہر اک جا — دوئی سے دور ہے یکتا ہے یکتا
بیاں کیا کر سکے یہ پیکرِ خاک — بجز اس کے کہ وہ ہے ایزدِ پاک

انتظار

منشی پورن چند ولد منشی سورج بخش بخشی قوم کائستھ، باشندہ قصبہ خیرآباد ضلع سیتاپور، شاگرد جناب کھنولال تائب، آپ میونسپلٹی خیرآباد میں اہلمد تھے، تصنیفات میں" دیوان انتظار" چشمۂ انتظار" قصہ طوطا مینا" اور ناگر سبھا" وغیرہ ہیں، ۱۹۲۹ء میں بعمر ساٹھ سال وفات کی

پلٹا نہ کوئی جتنے وہاں نامہ بر گئے — کیا جانے مثلِ بادِ صبا وہ کدھر گئے
بسمل کیا کسی کو ہوا نیچاں کوئی — کیا کیا وہ کام ایک اشارے میں کر گئے

اشعار از طوطا مینا

پلا ساقیا جام کوثر مجھے — مسرت ہو دل کو سراسر مجھے
پلا دے مئے نظم مجکو ابھی — کروں بحرِ موزوں میں غوطہ زنی
کہ ہو بارور میرا نخلِ امید — مناجات لکھوں بطرزِ جدید

سیہ کار ہوں اور گنہ گار ہوں — معافی کا تجھ سے طلبگار ہوں
کروں کس سے جا کر میں یہ التجا — نہیں دوسرا کوئی تیرے سوا

انجم

پنڈت لال بہادر ولد پنڈت رام نرائن باشندہ دہلی۔ شاگرد جناب دوارکا پرشاد حلم بریلوی، پیشہ محرری، ولادت قریب ۱۸۸۷ء

اظہارِ تمنّا پران کی یہ ہدایت ہے — آئندہ کبھی دیکھو ایسی نہ خطا کرنا
کتنا ہی ستائے تو کتنا ہی جلائے تو — انجم کو ترے حق میں ہر وقت دعا کرنا

اچھے ہوتے ہیں بھلا عشق کے بیمار کہیں — جیتے جی جاتا ہے یہ روگ یہ آزار کہیں
بگڑی بن جائے مری مشکلیں آساں ہو جائیں — رحم فرمائے جو مجھ پر وہ جفاکار کہیں

اندرجیت

اندرجیت شرما خلف پنڈت ہیئت رام سنگھ، باشندہ کھوکر دھر ضلع میرٹھ شاگرد جناب ندرت میرٹھی ولادت ۱۸۹۳ء آپ کا کلام مختلف صوبوں کے مدارس میں کورس کی کتابوں میں پڑھایا جاتا ہے۔

معلوم یہ ہوتا ہے بس فرق جزو وکل میں — قطرہ کی مجھے تہہ میں دریا نظر آتا ہے
مجنوں کی نگاہوں سے تو دیکھ تو اے غافل — یعنی کہ ہر اک ذرہ لیلیٰ نظر آتا ہے
ہستی کے سفینہ کو ساحل ہے کہاں حاصل — دریائے فنا میں یہ ڈوبا نظر آتا ہے
سینہ میں تڑپتا ہے ارماں ترے ملنے کا — لیکن اسے کب کوئی رستا نظر آتا ہے

اظہارِ غم کا بعد کو سودا کرے کوئی — پہلے اثر کی راہ تو پیدا کرے کوئی
پرواز کا تو بعد میں ہوتا ہے امتحاں — در تو قفس کا پہلے ذرا وا کرے کوئی
وکھل گیا معمۂ حیات و ممات کا — اک انقلاب زیست میں پیدا کرے کوئی

اہلِ جنت کو مبارک ہوں فرشتوں کے خیال — اہل دنیا کو فقط چاہیئے انساں ہونا

اندرمن

لالہ اندرمن قوم ویش مہاجن، باشندہ مرادآباد شاگرد جناب منشی ٹیک چند بہار
آپ کو مذہبی علوم پر کافی عبور حاصل تھا، اور مذہبی مباحثوں میں بڑی شہرت رکھتے
تھے آپ کی تصنیفات میں تحفۂ اسلام، ابطال المخاصمین، حملۂ ہند، صولت ہند
صمصامِ ہند، عمادِ ہند، پاداشِ اسلام، اصولِ دینِ احمد، اصولِ دینِ ہنود وغیرہ
ہیں، قریب ۱۸۸۰ء میں وفات کی

نہ ہرگز خاکساروں سے ہو بدظن
کہ ہوئے خاک سے آئینہ روشن

یہ باعث خاک کے ہیں باغ و بستاں
بدولت خاک کے ہیں کاخ وایواں

عیاں ہو خاک سے لعلِ بدخشاں
ہو ظاہر خاک سے یاقوت و رماں

سپردِ خاک ہوتے ہیں خزائن
اسی میں دفن رہتے ہیں دفائن

طفیلِ خاک ہے روئیدگی سب
بدولت اس کے ہیں چشمے لبالب

تو خود ہی خاک ہے اے خاک برسر
غرور اتنا نہ مشتِ خاک کر

غرض ہے خاک ہی سے سب جزو و کل
سمجھ ہر شے اسی سے بے تأمل

آنند

پنڈت پیارے لال ولد پنڈت گیندارام باشندہ کھنہ ضلع لدھیانہ، شاگرد
جناب درگا سہائے سرور جہاں آبادی، ولادت ۱۸۸۰ء

سرورِ بادۂ ہستی کے رنگ دیکھ چکے
عروسِ مرگ کا اب انتظار دیکھیں گے

نسیم لے کے نہ آئی پیامِ آزادی
اسیرِ کنجِ قفس کیا بہار دیکھیں گے

رہے گا یونہی الٹ پھیر اس زمانہ کا
چڑھاؤ دیکھیں گے صدہا اتار دیکھیں گے

انور

پنڈت بشمبر ناتھ ولد پنڈت کیشو ناتھ باشندہ لکھنؤ، شاگرد جناب آغا حسین مرزا عشق
و جناب معصوم علی طوبیٰ۔

جس ذرہ پر وہ لطف و کرم کی نظر کرے
حاصل وہ کیوں نہ رتبۂ شمس و قمر کرے

میری طرف سے رہتا ہے برہم مزاجِ یار
حیرت ہے ایک دن تو وہ سیدھی نظر کرے

مجھ پر جو کچھ گذرتی ہے روشن ہے یار پر
خود حال آئینہ ہے کوئی کیا خبر کرے

دیکھے جو باغ میں عرق آلودہ روئے یار
شبنم گلوں کو آبِ خجالت سے تر کرے

انور یہی دعا ہے شبِ انتظار میں
پُر نور میرے گھر کو وہ رشکِ قمر کرے

زلفوں کی یاد نے کیا یہ ناتواں مجھے
تارِ نفس بھی اب تو ہے بارِ گراں مجھے

نسبت ازل سے عاشق و معشوق کو ملی
وہ بے دہن ہوئے تو کیا بے زباں مجھے

مدت سے غمگسار یہی ہمدم ہیں دوست ہیں
کہ بھولتے نہیں نالہ و آہ و فغاں مجھے

اوباش

منشی چھنّو لال۔ باشندہ دہلی، ریختی گو شاعر ہوئے ہیں،

کچھ میری طرف سے اسے سوکن نے سکھایا
غصّہ میں بھرا بیٹھا تھا اور چیں بہ جبیں تھا

اوباش تری چال کو پہچان گئے ہم
تو رات جو گھر نہیں آیا تو وہیں تھا

اوج

منشی نانک چند کائستھ خلف منشی شیو نرائن باشندہ بریلی، ولادت ۱۸۵۶ء
آپ کے خاندان کے افراد سرکار برطانیہ میں اچھے عہدوں پر ممتاز تھے۔

قتل وہ کر کے تڑپنے کا تماشائی ہے
میں وہ بسمل ہوں کہ قاتل مرا شیدائی ہے

کچھ بتاؤ تو یہ کیوں آتی ہے پیہم ہچکی
کیا کسی بھولے ہوئے کی تمہیں یاد آئی ہے

نگہہ شوق کے قابو میں ٹھہرتا ہی نہیں
کس قدر شوخ ترا جلوۂ رعنائی ہے

تیری بدی پہ آؤں تو چکر میں ڈال دوں
تو چیز کیا ہے چرخ ترا انقلاب کیا

ہلچل پڑی ہے حشر کے آثار ہیں عیاں
اس حسن خود نما سے اٹھا ہے نقاب کیا

دشنام کے لئے تو نہ تھی التجائے وصل
میرا سوال کیا ہے تمہارا جواب کیا

آہ

لالہ رام کشن باشندہ لکھنؤ شاگرد جناب منشی جے نرائن اختر لکھنوی، ۱۹۰۷ء سے چند سال بیشتر عالم شباب میں وفات کی۔

نباہ الفت کا ان دو نازکوں میں سخت مشکل ہے
اُدھر نازک مزاج یار اِدھر نازک مرا دل ہے
وہ کہتاہے کہ توڑونگا میں کہتا ہوں نہ توڑ اسکو
وہ کہتا ہے کھلونا ہے میں کہتا ہوں مرا دل ہے
ہمارے وصل کا وعدہ پڑا ہے سخت مشکل میں
جوانی کہتی ہے آساں حیا کہتی ہے مشکل ہے

دل مرا لیکر ادائے یار بولی ناز سے
بے وفا تھا کھو گیا جاتا رہا جانے بھی دو
سانس بسمل میں بھی تو باقی نہیں کیا فکر ہے
دم اگر تلوار کا جاتا رہا جانے بھی دو

ایجاد

منشی رچھن لال باشندہ گوالیار۔ آپ کا کلام اکثر رسالہ "مانسرور" لاہور میں شائع ہوتا رہتا تھا،

ازل کی صبح ہی سے مجکو خوف شام ہجراں تھا
کہ دست کاتب قدرت دم تحریر لرزاں تھا
ہوا افشائے راز عشق کیونکر مجکو حیرت ہے
نہاں سینہ میں دل تھا اور دل میں تیرا ارماں تھا

مفصل کیا کہوں اے شیخ راز دہر کیا دیکھا
تجھے تو بت نظر آیا مگر میں نے خدا دیکھا
تصور اپنے موجد کا فقط ایجاد رکھتا ہوں
کیا رخ جانب کعبہ نہ میں نے بتکدا دیکھا

دنیا میں ہے تیری زندگانی کبتک
رہتا ہے قیام دہر فانی کب تک
معلوم نہیں کہ کب نکل جائے دم
غافل یہ خمار و سرگرانی کب تک

عین ہستی ہے فنا ہونا وطن کیواسطے
شمع کا جلنا ہے موزون انجمن کیواسطے
نور رحمت برق کے پردہ میں پنہاں دیکھکر
توڑتا ہوں آج توبہ ابر باراں دیکھکر

ایمن

پنڈت جگموہن کشن ورکشمیری ولد پنڈت اقبال کشن ورکشمیری باشندہ سیالکوٹ (پاکستان) مقیم گوالیار، ولادت ۱۸۹۶ء ، آپ کے والد ریاست جموں و کشمیر میں ڈپٹی اکاؤنٹینٹ جنرل کے عہدہ پر مامور تھے ، اور آپ کے بڑے بھائی پنڈت مہاراج کشن ور ریاست میں گورنر جنرل کے عہدہ پر ممتاز تھے آپ بھی ریاست میں ملازم رہے اور دوران ملازمت متعدد ممالک کی سیر کی ،

دے ذوقِ جستجو جو مجھے تو نظر بھی دے — پرواز دے مجھے تو مجھے بال و پر بھی دے
مشتاق ہوں میں تیرے ہی جلوۂ جمال کا — ذوق نظر دیا ہے تو تابِ نظر بھی دے
رنگینیٔ جمال حقیقت ہے یہ جہاں — اس سے زیادہ اُس کی تو کوئی خبر بھی دے

دل میں تمہارا جلوہ ہے جو میں نشے میں ہوں — اب ہست و بود ہو کہ نہ ہو میں نشے میں ہوں
مستِ جمالِ قلب ہوں کیا طور سے مجھے — باتیں کلیم سے ہی کرو میں نشے میں ہوں
ایمن ہے میرے ہوش کا طبقہ خودی سے دور — باتیں ہیں میری ہوش کی گو میں نشے میں ہوں

کمالِ عاشقی کا اضطراب پر مدار ہے — یہ کم نہیں شرف کہ دل مرا بھی بیقرار ہے
طلسمِ عشق ہے مرا کہ ہے یہ خود کرم ترا — حریم قلب میں مرے جو حسن جلوہ بار ہے

ایمن

پنڈت سروپ نرائن ریہ کشمیری ولد پنڈت بشن نرائن کشمیری رئیس امرتسر مولد دہلی۔ پیشہ تجارت ولادت ۱۸۷۵ء آپ نے جنگ آزادی میں کافی حصہ لیا اور جیل بھی گئے۔

خود فراموشی ہے مجکو منظور — داستانِ غمِ ایام نہ پوچھ
بجلیاں دوڑ گئیں رگ رگ میں — جلوۂ حسنِ لبِ بام نہ پوچھ
کون بیٹھا تھا حریم دل میں — راز کی بات سرِ عام نہ پوچھ

اک بجھی ہوئی ہے چنگاری　　حسرتِ عاشقِ ناکام نہ پوچھ
کام کر جاتی ہے جب ملتی ہے　　آنکھ کا آنکھ سے پیام نہ پوچھ

جذبِ خاموش کا اثر دیکھو　　آہ سے کیا دعا کا کام لیا
اہلِ دل نے علاجِ دل کے لئے　　دردِ دل سے دوا کا کام لیا

(ب)

باغ

منشی جگناتھ زمیندار، باشندہ دانہ پور

دیکھے جو شکل میرے بتِ لاجواب کی　　آنکھیں کھلیں نہ حشر تلک آفتاب کی
وہ روٹھ کر چلے گئے مجھ سے شبِ وصال　　بستی اجڑ گئی دلِ خانہ خراب کی

باقی

راجہ گردھاری پرشاد کاستھ خلف راجہ نرہری پرشاد، باشندہ حیدرآباد ولادت ۱۸۲۵ء۔ شاگرد جناب عاشق دفیض حیدرآبادی، آپ قریب تیس کتب کے مصنف ہوئے ہیں، دیوان "بقائے باقی" کے نام سے شائع ہو چکا ہے، ۱۸۹۵ء میں وفات کی،

محبت میں ہوئے رسوائے عالم　　جہاں ہنستا ہے روتے ہیں جہاں ہم
مقام اپنا ہے باقی بے مقامی　　مکاں رکھتے نہیں جز لامکاں ہم

آہِ سوزاں ہو اگر شعلہ فگن پانی میں　　آگ کی طرح سے پیدا ہو جلن پانی میں
کیا آپ ہی عالم میں ہیں شمشیر بزن اے واہ　　ہر وقت یہ ابرو کا چڑھانا نہیں اچھا
گریباں چاک ہے جو گل نظر آتا ہے گلشن میں　　ذرا سوچو تو کیا تاثیر ہے بلبل کے شیون میں
کیا قدر تمہاری کوئی باقی کرے افسوس　　تم تو اچھے ہو ولیکن یہ زمانہ نہیں اچھا

ایک گل میں بھی نہیں بوئے وفا باقی | اِن دنوں گلشنِ عالم کی ہوا بدلی ہے
دریا سے موج، موج سے دریا الگ نہیں | ہم سے جدا نہیں ہے خدا، اور خدا سے ہم

بالغ

لالہ ہری ہربنس رائے کایستھ ساکن گلاوُٹھی ضلع بلند شہر، پیشہ وکالت فارسی زبان پر اچھی دستگاہ رکھتے تھے،

کیوں نہیں کرتے ہو خارج غیر سے بولادہ شوخ | نام بالغ کا مری فہرست میں داخل نہیں

بانکے

ڈاکٹر بانکے لال قوم ویش اگروال ولد لالہ رامچند باشندہ امروہہ ضلع مراد آباد ولادت ۱۸۷۲ء شاگرد جناب مولوی جواد حسین شمیم امروہی۔ آپ ضلع گورکھپور اور الہ آباد کے سرکاری اسپتالوں میں ڈاکٹر رہے ہیں ریٹائرڈ ہونے کے بعد دہرہ دون میں اپنا مطب کھول لیا تھا

شب وعدہ چلے آتے تمنا کچھ تو بر آتی | مشرف ان کے قدموں سے مرے گھر کی زمیں ہوتی
بگڑ جاتے ہیں نقشے وصل کے کھنچکر شب فرقت | دلِ بانکے میں تصویرِ تصور کب نہیں ہوتی

بخشی

منشی بخشی رام ولد رائے اندرجیت قوم کایستھ باشندہ لکھنؤ ساکن قدیم قصبہ دریا آباد ضلع بارہ بنکی، آپ مطبع نول کشور میں ایجنٹ تھے، بعدازاں اسٹار پریس کانپور کے مینیجر مقرر ہوگئے۔ فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں کلام کہتے تھے "سدا ماچرتر" بہ زبان فارسی اور دیوان "ریاض بیخزان" آپ سے یادگار ہیں ۱۹۱۸ء میں بعمر ۴۷ سال وفات کی،

وہ یارِ گلعذار ہمارا کہاں نہیں | آتا ہے ہر نگاہ میں وہ جانِ جاں نہیں
لیجاؤں کس طرف دلِ مضطر اٹھا کے میں | وہ کونسی زمیں ہے جہاں آسماں نہیں
نیرنگیِ جہاں میں بجز ذاتِ کبریا | بخشی سمجھ تو کوئی کسی کا یہاں نہیں

ملیں وہ غیر سے ہمکو بغیر ان کے نہ چین سمجھ میں کچھ نہیں آتا ہے معاملہ کیا ہے
پہونچادے اس گلی میں مجھے تو ہی جذبِ شوق رہبر کوئی نہیں ہے دلِ بے قرار کا

بخشی

منشی سورج بخش ولد منشی پیارے لال قوم کائستھ باشندہ قصبہ خیرآباد ضلع سیتاپور، ولادت ۱۸۵۳ء۔ تصنیفات میں مثنوی بخشی، مہاراج نامہ، طلسم نامہ، حیات نامہ، پہیلی نامہ، عیدی نامہ، انجم نامہ وغیرہ ہیں، ۱۹۱۸ء میں وفات کی،

ہمیشہ عیش و عشرت کا رہا طالب زمانے میں نہ وہ زیرِ فلک نکلا نہ یہ زیرِ زمیں نکلی
چشم میں دل میں جان میں ہے تو ہر جگہ ہر مکان میں ہے تو

برق

لالہ شیو سہائے باشندہ میرٹھ۔ شاگرد جناب محی الدین عشق و مبتلا ۱۸۸۶ء میں وفات کی،

اس کے کوچہ میں مجھے جانے دو طپشِ دل ذرا بجھانے دو
اس کی چوٹی پہ ہاتھ کیوں ڈالا برقِ ناداں کو مار کھانے دو

برق

بابو جوالا پرشاد باشندہ قصبہ محمدی ضلع کھیری ولادت ۱۸۶۳ء آپ لکھنؤ میں ڈسٹرکٹ جج رہ چکے ہیں، اور متعدد کتب کے مصنف ہوئے ہیں ۱۹۱۱ء میں وفات کی،

خنجر کو لاگ ہم سے ہے اور ہم کو یار سے کس کو گلے سے دیکھئے آخر لگائے کون
مجھکو ادب کا پاس ہے ان کو غرورِ حسن جائے تو جائے کون جو آئے تو آئے کون
وہ تو برس رہے ہیں غضب میں بھرے ہوئے اے برق تیرے دل کی لگی کو بجھائے کون

دنیا میں ظہورِ صبح ہوا گلشن پر کیا جوبن ہے خورشید کا غنچہ کھلنے لگا اللہ کی قدرت روشن ہے

پیارے پیارے مرغ چمن شاخوں پر بیٹھے گاتے ہیں
چلتی ہے نسیم روح فزا جھونکے اٹھلاتے آتے ہیں
باغوں میں ہزاروں پھول کھلے کیا بھینی بھینی خوشبو ہے
مستی میں شجر ہیں جھوم رہے اک وجد کا عالم ہر سو ہے

برق

منشی مہاراج بہادر کایستھ خلف منشی ہرنرائن صاحب حسرت باشندہ دہلی شاگرد جناب داغ و آغا شاعر دہلوی، ولادت ۱۸۸۴ء آپ پوسٹ آفس دہلی کے سپرنٹنڈینٹ رہ چکے ہیں ۱۹۳۶ء میں وفات کی۔

دل جو صورت گر معنیٰ کا صنم خانہ بنے
آنکھ جس شے پہ پڑے جلوۂ جانانہ بنے
اتنے ہی ہوگئے ہم منزلِ جاناں کے قریب
جس قدر رسم و رہِ دہر سے بیگانہ بنے
نادرِ یار پہ پہنچتا ہے وہ خود رفتۂ شوق
اپنی ہستی سے جو اس راہ میں بیگانہ بنے
ظرفِ مے ٹوٹ کے بھی ہونے نہ پائے بیکار
ہو شکستہ کوئی شیشہ تو وہ پیمانہ بنے
سعیِ ناکام سے میں ہاتھ اٹھاؤں گا نہ برق
میری بگڑی ہوئی تقدیر بنے یا نہ بنے

نظم بچہ کی مسکراہٹ

خندۂ گل میں یہ رنگینی کہاں
یہ لطافت یہ شیرینی کہاں
اس صباحت پر یہ غمگینی کہاں
اس میں ہے جائے سخن چینی کہاں

ختم ہے اس لعل لب پر واہ وا
یہ گلابی مسکراہٹ کی ادا

ہلکی ہلکی تیرے ہونٹوں پر ہنسی
خندۂ ناز آفریں کی شان ہے
حسن ان کا زندگی کی جان ہے
تجھ سے ردکش ہوں یہ کب امکان ہے

ختم ہے اس لعل لب پر واہ وا
یہ گلابی مسکراہٹ کی ادا

برق

منشی شیام سندر لال ولد منشی کشن پرشاد قوم کایستھ باشندہ سیتاپور شاگرد جناب مولوی محمد عبدالباسط صاحب قیس و سید ریاض احمد صاحب

ریاض خیرآبادی، ولادت ۱۸۵۳ء آپ زمیندار خاندان سے تعلق رکھتے تھے پیشتر آپ سیتاپور میں قانونگو رہے بعدازاں وکالت کا امتحان پاس کیا، اور سیتاپور میں وکالت کی، آپ "بہار سخن" کے مصنف ہیں،

آمد پیری

رخ سے رنگِ شباب جاتا ہے ۔۔۔ آنکھ کھلتی ہے خواب جاتا ہے
ولولہ مٹ گیا جوانی کا ۔۔۔ لطفِ چنگ و رباب جاتا ہے
دل سے مٹنے لگا ہے عشقِ بتاں ۔۔۔ رات دن کا عذاب جاتا ہے
صبح پیری نے کر دیا بیدار ۔۔۔ ہائے اب لطفِ خواب جاتا ہے
خودنمائی کی خودنمائی کیا ۔۔۔ بات کہتے حباب جاتا ہے

یہ آرزو تھی کہ ہم ترک آرزو کرتے ۔۔۔ نہ جاتے دیر نہ کعبہ میں جستجو کرتے
پلاتے حضرتِ واعظ ہمیں جو کوثر کی ۔۔۔ تو رخ کبھی نہ سوئے ساغر و سبو کرتے

پیار سے زلف کی لیتا ہے بلائیں شانہ ۔۔۔ چومنے آپ کے قدموں کو حنا آتی ہے

برہمن

رائے پنڈت چندربھان خلف پنڈت دھرم داس، پیدائش کے متعلق کسی نے لاہور لکھا ہے اور کسی نے آگرہ۔ ان کے بزرگوں کا پیشہ سنسکرت کی کتھائی تھا اسی باعث پنڈت کہلاتے تھے ان کے والد سنسکرت اور فارسی کے بہت بڑے عالم تھے، اسی باعث سلطنت مغلیہ کی ملازمت میں داخل ہوگئے اور ایرانی عالموں کی طرح اپنی قابلیت کا سکہ بٹھایا، پنڈت چندربھان بھی سنسکرت اور فارسی کے عالم جیّد تھے، ان کی رسائی بھی شاہجہاں کے دربار تک ہوگئی اور ملازمانِ اہلِ قلم میں منسلک ہوگئے، شہزادہ داراشکوہ برہمن کی شاعری اور علم سے بیحد متاثر ہوا، اور اپنے والد شاہجہاں سے اسکو مانگ لیا، اور میر منشی

کے عہدہ پر ممتاز کر دیا، بعد ازاں برہمن پھر شاہجہاں کے دربار میں وزیر ہو گئے، شہزادہ داراشکوہ کے قتل کا صدمہ انھیں اس قدر شاق گذرا کہ وہ شاہی ملازمت چھوڑ کر بنارس چلے گئے اور زندگی کا بقیہ حصہ وہیں عبادت اور زہد میں صرف کیا، ۱۶۶۶ء میں بعمر ۹۱ سال وفات پائی۔

خدا نے کس شہر اندر، ہمن کو لائے ڈالا ہے
نہ دلبر ہے نہ ساقی ہے نہ شیشہ ہے نہ پیالا ہے
پیا کے ناؤ کی سمرن کیا چاہوں کروں کس سین
نہ تسبی ہے نہ سمرن ہے نہ کنٹھی ہے نہ مالا ہے
برہمن واسطے اشنان کے پھرتا ہے بگیاں بیں
نہ گنگا ہے نہ جمنا ہے نہ ندی ہے نہ نالا ہے

برباں

پنڈت گنیشی لال

غیر کے پہلو صنم آٹھوں پہر چونسٹھ گھڑی
ہائے قسمت یہ ستم آٹھوں پہر چونسٹھ گھڑی
شاد اور خنداں پھرے ہیں روز و شب میرے عدو
میں پھروں با چشم نم آٹھوں پہر چونسٹھ گھڑی

برباں

حکیم رگھبر سہائے کائستھ ولد منشی ہر سہائے، باشندہ جہاں آباد ضلع پیلی بھیت ولادت ۱۸۶۶ء شاگرد جناب مولانا کرامت علی بہار و محمد مرتضیٰ صاحب بیاں دیزانی میرٹھی، پیشہ حکمت، بابو رام بہادر جو یا آپ کے خاص شاگردوں میں تھے

یہ کیسا ناز ہے اے بلبلو فصلِ گلستاں پر
ذرا ڈالو نظر پھولوں کے اوراق پریشاں پر
اسیرانِ جفا، لکھا ہے یہ دیوارِ زنداں پر
کہ آزادی رواں رہتی ہے ہر خونِ رگِ جاں پر
یہ شاید وحشیِ شوریدہ سر کا خیر مقدم ہے
بگولے آ رہے ہیں اٹھ کے دامانِ بیاباں پر

پھینک آئے ہو جو دل کو میرے راہگذار میں
کیا تم نے اتارا یہ اتارا ہے نظر کا
اے گریہ ذرا دیکھ کے تو اشک بہانا
ٹکڑا کہیں آنکھوں سے نہ بہہ جائے جگر کا

مصروفِ ذوق و شوق کبھی کا شباب تھا
تارِ نقاب تارِ نظر کا جواب تھا

بالائے سر تھا چرخ تو زیرِ قدم زمیں　　مرکز تھا میں محیط ہر اک انقلاب تھا

وہ زمانہ اور تھا جب آسماں چکر میں تھا　　اب تو ساکت آسماں ہے اور زمیں چکر میں ہے
معلوم نہیں کون ہوں کہاں ہوں　　عالم ہے یہ اپنی بے خودی کا

بزم

پنڈت امبکا پرشاد خلف پنڈت گوردیال صاحب وکیل باشندہ لکھنؤ، شاگرد جناب قدر بلگرامی، آپ کچھ روز جبلپور میں پروفیسر رہے ۱۸۸۷ء میں جوبلی ہائی اسکول لکھنؤ کے سیکنڈ ماسٹر رہے پھر پولس کورٹ انسپکٹر مقرر ہوئے ۱۹۳۲ء سے چند سال پیشتر وفات کی :

ساری دنیا ہے غریب الوطنوں کا مسکن　　ہائے کوئی کس سے پوچھے یہ وطن کس کا ہے
دل میں عاشق کے اتر جائے جو نشتر بنکر　　ایسا ناصح کے سوا اور سخن کس کا ہے

بزم

بابو شیام بہادر کائستھ ولد منشی کالکا پرشاد، باشندہ بریلی، شاگرد جناب منشی کنور بہادر فصیح لکھنوی، ولادت ۱۸۷۸ء - آپ سہارنپور گورنمنٹ اسکول میں ماسٹر رہ چکے ہیں، فارسی زبان پر اچھی دسترس رکھتے تھے

ہم فقیروں سے خفا ہو کے کوئی کیا لیگا　　ایک گھر بند ہوا دوسرا گھر دیکھ لیا
جس طرف جاتے ہو انگشت نما ہوتے ہو　　تم نے اغیار کی صحبت کا اثر دیکھ لیا

تہِ خنجر تڑپتا رہ گیا میں نیم جاں ہو کر　　نکالی دشمنی کس دن کی تو نے مہرباں ہو کر
چلو دستِ جنوں کی آرزو تو ہو گئی پوری　　بلا سے اڑ گئے جیبِ گریباں دھجیاں ہو کر

بزم

بابو شیاما چرن ولد منشی دیبی پرشاد باشندہ بریلی قوم کائستھ، شاگرد جناب عٰلم بریلوی، ولادت ۱۸۸۷ء، شروع میں آپ نے اسکول میں ماسٹری کی

پھر ۱۹۱۲ء میں مختار کاری کا امتحان پاس کیا، اور بریلی میں مختاری کرتے رہے

آہ و فغاں میں ہجر کی شب کچھ اثر نہیں   کیسی یہ مبتدا ہے نکلتی خبر نہیں
کمبخت دردِ دل ہی قیامت کا درد ہے   کوئی علاج اسکے لئے کارگر نہیں

ناز کس پر کیجئے کیا اعتبارِ زندگی   چند روزہ ہے زمانے میں بہارِ زندگی
جس کو کہتے ہیں جوانی بزمِ کیف زیست ہے   جس کو کہتے ہیں بڑھاپا ہے خمارِ زندگی

ترکِ مے نوشی سے واعظ کب ہمیں انکار ہے   کیا کریں مجبور ہو جاتے ہیں ساغر دیکھکر
بے پئے ہم میکشوں کو سوجھتا ہی کچھ نہیں   روشنی آنکھوں میں آجاتی ہے ساغر دیکھکر

قیامت کی ادائیں لیکے اس بت کا شباب آیا   جفا بن کر حیا آئی ستم بن کر حجاب آیا
چشمِ پرنم ان سے سب کہدیگی حالِ دردِ دل   آنکھوں آنکھوں ہی میں ساری گفتگو ہو جائیگی
ترقی کوشش و محنت ہی سے دنیا میں ہوتی ہے   تنزل انکا لازم ہے جو ہمت ہار بیٹھے ہیں

بسمل

پنڈت موتی لال کشمیری باشندہ دہلی۔ انگریزی اور فارسی زبان کے عالم تھے، آپ لیفٹیننٹ گورنر پنجاب کے دفتر میں میر منشی رہے۔ اس کے بعد اکسٹرا اسسٹینٹ کمشنر درجہ اول مقرر ہوئے، انیسویں صدی میں ۶۲ سال کی عمر میں انتقال کیا،

ابرِ رحمت کے مزے آتے ہیں میخواروں کو   حق نے یہ مرتبے بخشے ہیں گنہ گاروں کو
دیکھ، گرنے میں نہ مستوں کو پکڑ او ساقی   سجدۂ شکر میں جانے دے گنہ گاروں کو

دنیا میں نہیں تیرے سوا کوئی حسیں اور   وہ اور ہیں اور تیری ادائے نمکیں اور
وہ بکھرے ہوئے بال ہی زلفوں کی بلا ہیں   اور اس پہ یہ طرّہ کہ ہیں چیں بر جبیں اور

چمن میں سرو کہتے ہیں تمہارے سایۂ قد کو ❊ فلک پر چاند رکھا نام عکسِ روئے تاباں کا
بسمل تری نگاہ کا دم میں شہید ہے ❊ اب تو نقاب رخ سے الٹ وقتِ دید ہے

بسمل

پنڈت سندر لال سررشتہ دار پرمٹ کانپور خلف بخشی ٹیکا رام وطن کشمیر مقیم لکھنؤ، شاگرد جناب ناسخ لکھنوی

یہ نہیں ناقوس اے طفلِ برہمن ہاتھ میں ❊ کر رہا ہے مرغِ دل اپنا یہ شیون ہاتھ میں
گوری گوری انگلیاں یوں شب کو آتی ہیں نظر ❊ شمعیں ہیں کافور کی گویا کہ روشن ہاتھ میں
آئینہ سے بھی کہیں شفاف تیرا ہاتھ ہے ❊ آرسی پہنے ہے کیوں اے شوخِ پرفن ہاتھ میں
ہے یقیں واللہ اے بسمل پھڑک کر جی اٹھوں ❊ ہاتھ آجائے جوان کا بعدِ مردن ہاتھ میں

دانتوں کے نیچے دبائی انگلیاں اغیار نے ❊ میں جو چٹکانے لگا اس سیمبر کی انگلیاں

بسمل

منشی سکھدیو پرشاد قوم کائستھ ولد منشی بشیشر دیال، باشندہ الہ آباد، ولادت ۱۸۹۹ء شاگرد جناب نوح ناروی "جذباتِ بسمل" کے نام سے آپکا دیوان شائع ہوچکا ہے

آنکھیں ہوں تو کوئی دیکھے رازِ ہستی ❊ دل ہو تو سنے نغمۂ سازِ ہستی
کرتے ہیں وضو آبِ فنا سے بسمل ❊ ہوتی ہے ادا آج نمازِ ہستی

ہر موج ہے اک پردۂ سازِ ہستی ❊ کھلنے کو حبابوں سے ہے رازِ ہستی
کوشش نہ ابھرنے کی کرو بسمل ❊ غرقابِ فنا ہوگا جہازِ ہستی

نظم "جمنا" کے دو بند

پوچھے رادھا سے کوئی قدرِ حقیقت تیری ❊ کرشن سے جا کے پوچھے کوئی خوبی قدرت تیری
ساری دنیا میں ہے پھیلی ہوئی عظمت تیری ❊ اس کو جنت ملی کی جس نے بھی خدمت تیری
اپنا ہمرتبہ جو پایا تجھے گنگا جی نے

اپنے پہلو میں بٹھایا تجھے گنگا جی نے

باعث ناز ہے بے شبہہ ہمالا کے لئے | سبب فخر و شرف گوکل و متھرا کے لئے
خاص اک نصیحت حق وادی و صحرا کے لئے | مختصر یہ کہ بڑی چیز ہے دنیا کیلئے

دل کی سربستہ کلی فرط خوشی سے کھل جائے
اس کو امرت ملے جس کو ترا پانی مل جائے

پھولوں کے متعلق چند شعر

گلزار میں آیا موسم گل اللہ رے جوانی پھولوں کی
اب پھول کے بلبل کہتی ہے پھولوں سے کہانی پھولوں کی
گلشن میں نہ کیونکر دل بہلے وہ سنتے ہیں میں سناتا ہوں
پھولوں سے فسانہ بلبل کا بلبل سے کہانی پھولوں کی
بلبل کے مقدر سے بیشک تقدیر اسی کی اچھی ہے
چل پھر کے صبا ہی چومتی ہے کیا کیا پیشانی پھولوں کی

لاکھ چھپائے تو کیا چھپ نہ سکیگا رازِ عشق | بول اٹھیگا خود بخود چھیڑے بغیر سازِ عشق
فیصلہ دیکھیں کیا کرے حشر میں کارسازِ عشق | اک طرف ہے نازِ حسن اک طرف نیازِ عشق
حسن کی سب کرامتیں پیش نظر ہوں خود بخود | کعبۂ دل میں ہم پڑھیں دل سے اگر نمازِ عشق

بسمل

شہید رام پرشاد قوم برہمن ولد پنڈت مرلی دھر باشندہ شاہجہاں پور ولادت ۱۸۹۷ء۔ آپ نے ۹ اگست ۱۹۲۵ء کو اپنے ساتھیوں کی مدد سے کاکوری ریلوے اسٹیشن پر ریل گاڑی سے سرکاری خزانہ لوٹا تھا۔ اسی جرم کی پاداش میں آپ کو ۱۹ دسمبر ۱۹۲۷ء کو پھانسی پر لٹکا دیا گیا تھا۔ آپ ایک سچے وطن پرست اور انقلابی نوجوان شاعر تھے۔

سرفروشی کی تمنا اب ہمارے دل میں ہے | دیکھنا ہے زور کتنا بازوئے قاتل میں ہے

رہرو راہِ محبت رہ نہ جانا راہ میں
لذتِ صحرانوردی دوریِ منزل میں ہے
وقت آنے دے بتا دیں گے تجھے اے آسماں
ہم ابھی سے کیا بتائیں کیا ہمارے دل میں ہے
آج مقتل میں یہ قاتل کہہ رہا ہے بار بار
اب بھلا شوقِ شہادت بھی کسی کے دل میں ہے
اے شہیدِ ملک و ملت ہم ترے اوپر نثار
اب تری ہمت کا چرچا غیر کی محفل میں ہے
اب نہ اگلے ولولے ہیں اور نہ ارمانوں کی بھیڑ
ایک مٹ جانے کی حسرت اب دلِ بسمل میں ہے

مندرجہ ذیل نظم آپ نے پھانسی سے قبل جیل میں کہی تھی،

حیف ہم جس پہ کہ تیار تھے مر جانے کو
یک بیک ہم سے چھڑایا اسی کاشانے کو
آسماں کیا یہی باقی تھا ستم ڈھانے کو
لا کے غربت میں جو رکھا ہمیں تڑپانے کو
کیا کوئی اور بہانہ نہ تھا تڑپانے کو

پھر نہ گلشن میں ہمیں لائیگا صیاد کبھی
کیا سنے گا تو ہماری کوئی فریاد کبھی
یاد آئیگا کسے یہ دلِ ناشاد کبھی
ہم بھی اس باغ میں تھے قید سے آزاد کبھی
اب تو کاہے کو ملے گی یہ ہوا کھانے کو

دل فدا کرتے ہیں قربان جگر کرتے ہیں
پاس جو کچھ ہے وہ ماتا کی نظر کرتے ہیں
خانہ ویران کہاں دیکھئے گھر کرتے ہیں
خوش رہو اہلِ وطن ہم تو سفر کرتے ہیں
جا کے آباد کریں گے کسی ویرانے کو

دیکھئے کب یہ اسیرانِ مصیبت چھوٹیں
مادرِ ہند کے اب بھاگ کھلیں یا پھوٹیں
دیش سیوک سبھی اب جیل میں مونجیں کوٹیں
ہم یہاں عیش سے دن رات بہاریں لوٹیں
کیوں نہ ترجیح دیں اس جینے پہ مر جانے کو

کوئی ماتا کی امیدوں پہ نہ ڈالے پانی
زندگی بھر کو ہمیں بھیج کے کالے پانی
منہ میں جلاد ہوئے جاتے ہیں چھالے پانی
آبِ خنجر کا پلا کر کے دعا لے پانی
بھرنے کیوں جائیں ہم اس عمر کے پیمانے کو

ہم بھی آرام اٹھا سکتے تھے گھر پہ رہ کر
ہمکو بھی پالا تھا ماں باپ نے دکھ سہہ سہہ کر
وقتِ رخصت انھیں اتنا بھی نہ آئے کہکر
گود میں آنسو جو ٹپکیں کبھی رخ سے بہہ کر

طفل ان کو ہی سمجھ لینا جی بہلانے کو

دیش سیوا ہی کا بہتا ہے لہو نس نس میں
اب تو کھا بیٹھے ہیں چتوڑ کے گڈھ کی قسمیں
سرفروشی کی ادا ہوتی ہیں یوں ہی رسمیں
بھائی خنجر سے گلے ملتے ہیں آپس میں
بہنیں تیار چتاؤں پہ ہیں جل جانے کو

نوجوانو جو طبیعت میں تمہاری کھٹکے
یاد کر لینا کبھی ہم کو بھی بھولے بھٹکے
آپ کے عضوِ بدن ہو دیں جدا کٹ کٹ کے
اور سر چاک ہو ماتا کا کلیجہ پھٹ کے
پر نہ ماتھے پہ شکن آئے قسم کھانے کو

اپنی قسمت میں ازل ہی سے ستم رکھا تھا
رنج رکھا تھا محن رکھا تھا غم رکھا تھا
کس کو پرواہ تھی اور کس میں یہ دم رکھا تھا
ہم نے جب وادیِ غربت میں قدم رکھا تھا
دور تک یادِ وطن آئی تھی سمجھانے کو

اپنا کچھ غم نہیں پر یہ خیال آتا ہے
مادرِ ہند پہ کب تک یہ زوال آتا ہے
ہر دیال آتا ہے یورپ سے نہ پال آتا ہے
قوم اپنی پہ تو رہ رہ کے ملال آتا ہے
منتظر رہتے ہیں ہم خاک میں مل جانے کو

میکدہ کس کا ہے یہ جام و سبو کس کا ہے
وار کس کا ہے مری جاں یہ گلو کس کا ہے
جو بہے قوم کی خاطر وہ لہو کس کا ہے
آسماں صاف بتا دے تو عدو کس کا ہے
کیوں نئے رنگ بدلتا ہے یہ تڑپانے کو

دردمندوں سے مصیبت کی نہ حالت پوچھو
مرنے والوں سے ذرا لطفِ شہادت پوچھو
چشمِ مشتاق سے کچھ دید کی حسرت پوچھو
کشتۂ ناز سے ٹھوکر کی قیامت پوچھو
سوز کہتے ہیں کسے پوچھو تو پروانے کو

بات تو جب ہے کہ اس بات کو دل میں ٹھانیں
دیش کے واسطے قربان کریں سب جانیں
لاکھ سمجھائے کوئی ایک نہ اس کی مانیں
کہتا ہے خون سے مت اپنا گریباں سانیں
ناصحا آگ لگے تیرے اس سمجھانے کو

نہ میسر ہوا راحت میں کبھی میل ہمیں
جان پہ کھیل کے آیا نہ کوئی کھیل ہمیں

ایک دن کو بھی نہ منظور ہوئی بیٹھ ہمیں یاد آئیگا بہت لکھنؤ کا جیل ہمیں
لوگ تو بھول ہی جائیں گے اس افسانے کو

نوجوانو یہی موقعہ ہے اٹھو کھُل کھیلو خدمت قوم میں جو آئے بلا وہ جھیلو
دیش کے صدقے میں ماتا کو جوانی دے لو پھر ملیں گی نہ یہ ماتا کی بلائیں لے لو
دیکھیں کون آتا ہے ارشاد بجا لانے کو

بسمل

منشی کالندی پرشاد کائستھ سریواستو باشندہ بنارس ۱۸۶۶ء میں آپ نے کلکتہ یونیورسٹی سے بی۔اے کا امتحان پاس کیا ۱۸۸۶ء سے ۱۸۸۹ء تک کائستھ پاٹھ شالا الٰہ آباد کے ہیڈ ماسٹر رہے، ۱۸۹۳ء سے ۱۹۳۰ء تک الٰہ آباد ہائی کورٹ میں وکالت کی

تراثم مرکزِ دل میں چھپا رازِ نہاں ہو کر امنڈ آئے نہ آنکھوں سے کہیں بحر رواں ہو کر
یہ دردِ دل نہ نکلے گا کبھی آہ و فغاں ہو کر میں جیتا ہوں ترے غم میں ستمگر بے زباں ہو کر
رخِ انور تھا پردے میں نہ تھا کچھ شور و غل پیدا یہ جھگڑا سارا پھیلایا کہو کس نے عیاں ہو کر
کہاں دیکھیں وہ اب مجھ سے چھپ کر بھاگے جاتے ہیں دھواں آہوں کا میری چھا گیا ہے آسماں ہو کر

لئے پھرتے ہیں ہر دم نقدِ دل اپنی ہتھیلی پر ہو بازارِ محبت میں نہ کیوں کر اعتبار اپنا
مئے وحدت پیا ہے پھر رہا ہوں مست و دیوانہ وطن ہو یا بیاباں اب تو ہے ہر جا دیار اپنا

بسمل

منشی لال چند باشندہ میدہ منڈی پیشاور، شاگرد جناب تاج الشعراء منشی بیلی رام شاطر امرتسری،

دل کے آئینہ میں ہوں اپنا جواب طور پر موسیٰ کی حیرانی ہوں میں
زیر فرماں ہیں مرے جن و بشر پرتوِ نقشِ سلیمانی ہوں میں
اپنی ہستی سے ہوں مطلق بے خبر آہ وقفِ کارِ نادانی ہوں میں

عہ ضمانت

اس طرح چھائی میری تربت پہ | بیکسی سائبان ہے گویا
اپنی حسرت کے ساتھ مر مٹنا | مرنے والے کی شان ہے گویا

بسمل

لالہ بانکے لال خلف ساہو بالک رام قوم ویش زمیندار و رئیس باشندہ امروہہ ضلع مراد آباد، ولادت ۱۸۹۳ء، شاگرد جناب اسرار الحق صاحب شوق امروہی،

لئے پھرتا ہوں سر شوقِ شہادت میں ہتھیلی پر | تمنا ہے کہ جوہر آج دیکھوں تیغ قاتل کا
قدم رکھنا سمجھ کر کوچۂ الفت میں تو اے دل | ابھی تو نام ہی تو نے لیا ہے پہلی منزل کا
خبر اپنی نہ تھی مجکو خبر میں دل کی کیا رکھتا | پتہ پوچھو نگاہِ ناز سے کھوئے ہوئے دل کا

اب کام کیا رہا انھیں شرم و حجاب سے | سو شوخیاں نگاہ میں آئیں شباب سے
اک عرضِ وصل نے کیا دونوں کو شرمسار | نادم کوئی سوال سے کوئی جواب سے

کچھ ایسا بھروسہ ہے مجھے اسکے کرم پر | اقرار کیئے جاتا ہوں ہر ایک خطا پر
وہ کونسا عقدہ ہے جو وا ہو نہیں سکتا | ہمت کرے انسان تو کیا ہو نہیں سکتا
اللہ ری ضعیفی اللہ ری نقاہت | مجکو قضا نے ڈھونڈا بستر کے ہر شکن میں

بشاش

منشی دیبی پرشاد کائستھ خلف منشی نتھن لال بہجت متوطن قدیم بھوپال، ولادت ۱۸۴۷ء و سمت ۱۹۰۴ بکرمی، آپ نے اجمیر میں جہاں آپ کے والد نے سکونت اختیار کی تھی تعلیم حاصل کی۔ فن شاعری اپنے والد ماجد جناب بہجت سے سیکھا، پیشہ ملازمت تصنیفات میں افسانۂ خرد امروز، گلدستۂ ادب، خواب راجستھان، سوانح عمری نوشیرواں بادشاہ، تاریخ ترک ہند۔ تاریخ میواڑ، تاریخ مارواڑ، احکام شیروانی ہندو شعراء کا تذکرہ وغیرہ آپ سے یادگار ہیں، نظم اور نثر دونوں میں کمال رکھتے تھے۔

جوشِ وحشت میں جو میں جاتا ہوں صحرا کیطرف
ہر بگولہ پئے تعظیم اٹھا کرتا ہے
میں وفا کرتا ہوں گر یار جفا کرتا ہے
جس کا جو کام ہے وہ اپنا کیا کرتا ہے

ہم نے دیکھا جو ان کی آنکھوں کو
نرگسِ نیم خواب ہیں دونوں
وصل میں فکر ہے جدائی کا
وصل و فرقت عذاب ہیں دونوں

دہن غنچہ ہے، نرگس چشم، رخ گل ہے، خط ریحاں
ترا نظارہ کیا کم باغ سے اے رشکِ بستاں ہے
لکھتا ہوں جو میں وصف تری جلوہ گری کا
ہے خامہ کی رفتار میں انداز پری کا
کب ہے شفق یہ وقتِ سحر آسمان پر
آتش لگی ہوئی ہے تمہارے جلال کی
سیر ہو کر دیکھنے پائے نہ روئے یار ہم
جل گئے لائے نہ تابِ گرمیِ دیدار ہم
یہ بھی ہے غنیمت کہ سرِ محفلِ اغیار
وہ دیکھ مجھے لیتے ہیں دزدیدہ نظر سے
عشق میں پایا ہم نے کیا بشاش
جان کھو بیٹھے جی کھپا بیٹھے

بصیر

پنڈت بشمبر ناتھ ولد پنڈت بشیشر ناتھ کشمیری باشندہ دہلی، شاگرد مرزا یوسف علیخاں عزیز۔

نہیں کاکل کشادہ ہے پریرو تیرے عارض پر
پرستاں کو نہ اڑ جائے کہ اس نے پر نکالے ہیں
قیامت کیا کرے برپا خدا جانے جوانی میں
ابھی سے ڈھنگ اس بت کے زمانے سے نرالے ہیں

سنتے ہیں ہار جیت وکیلوں کے ہاتھ ہے
سونپا مقدمہ ہم نے بھی ناز و ادا کے ہاتھ

بلیغ

منشی جوالا پرشاد، شاگرد جناب نسیم دہلوی

کیسے کہتے ہیں تقوی کس کو استغفار کہتے ہیں
اونڈیلو مے پیو ساغر کہ دورِ عیش رخصت ہے
کہوں کیا میں کہ ذکر بوئے گل سے سرگرانی ہے
یہ ادنیٰ اس پری رخسار کا طرزِ نزاکت ہے

بندرابن

منشی بندرابن عرف سرکار بہادر قوم کھتری آپ ضلع آگرہ میں انسپکٹر ڈاکخانہ جات تھے

کیجیو صبر، نہیں بات یہ گھبرانے کی　　اب ضرورت ہے بڑی قلب کو سمجھانیکی
تلخیِ صبر کو زنہار نہ کڑوا سمجھو　　جبکہ امید تمہیں شیریں سے پھل کھانیکی

بنسی دھر

لالہ بنسی دھر ولد لالہ ایشری پرشاد باشندہ اجمیر

قلم ہو سوکھ کر کانٹا سیاہی کوئلہ جل کر　　اگر لکھوں میں کچھ احوال اپنے سوزِ ہجراں کا

بہادر

بابو پورن بہادر سنگھ، باشندہ اکبر آباد (آگرہ) خلف بابو فتح بہادر سنگھ، شاگرد جناب مرزا حاتم علی مہر

ہم تڑپتے ہیں مرغِ بسمل سے　　پھل یہ پایا ہے تیغ قاتل سے
ایک دن بھی جدا نہیں ہوتا　　کیا محبت ہے درد کو دل سے
جب وہ بے پردہ بام پر آئے　　چاند کترا گیا مقابل سے
اپنے ہوں گے کبھی نہ بت اے دل　　درگذر اس خیالِ باطل سے
اے بہادر نہ چھوڑیو میداں　　نہ اٹھے لاش کوئے قاتل سے

بہادر

راجہ بینی پرشاد، آپ بہار کے راجوں میں تھے

سیاہی ہو کی گئی دل کی آرزو بھی گئی　　ہمارے جامۂ کہنہ سے مے کی بو بھی گئی

بہار

منشی للتا پرشاد کائستھ ولد منشی شنکر پرشاد شاگرد جناب کھنولال تائب ولادت ۱۸۶۳ء آپ کورٹ آف وارڈس لکھنؤ میں اہلمد تھے، "گلزارِ بہار" و "ذخیرۂ رسوم" کے مصنف ہیں،

الجھن میں جاں پڑی ہے برائے دل　　زلفِ دوتا کے پیچ میں یہ پھنس نہ جائے دل

ٹانکے نہ ٹوٹ جائیں نہ خندہ نما ہوں زخم
نکلے نہ تیر دل سے نہ ہم کو ہنسائے دل

دونوں تڑپ رہے ہیں شب غم جدا جدا
تسکین ہے جگر کو نہ دل کو قرار ہے
سینہ میں اس طرح ہے مرا دل بجھا ہوا
گویا کہ اک مزار کے اندر مزار ہے

سرمہ کی آنکھ میں تحریر پھر رہی ہے
یا بہر قتل عاشق شمشیر پھر رہی ہے
مقدر کو ہم اپنے رو رہے ہیں
شکایت کیا جفائے آسماں کی

بہار

لالہ ٹیک چند باشندہ دہلی۔ مصنف لغت "بہار عجم" و دیگر تصنیفات، شاگرد جناب خان آرزو۔ ولادت ۱۶۸۴ء ہمعصر جناب میر و سودا، فارسی کلام زیادہ کہتے تھے۔ ۱۷۵۴ء میں وفات کی۔

وہی اک ریسماں ہے جس کو ہم تم تار کہتے ہیں
کہیں تسبیح کا رشتہ کہیں زنار کہتے ہیں
اگر جلوہ نہیں ہے کفر کا اسلام میں ظاہر
سلیمانی کے خط کو دیکھ کیوں زنار کہتے ہیں

اگر مارا پڑا دل ہاتھ سے غمزے کے کیا غم ہے
سپاہی کی یہی معراج ہے رن بیچ سر دیوے
تکلف برطرف خسرو کو کیا فرہاد سے نسبت
کرے وہ سلطنت وہ عشق میں شیریں کے سر دیوے

کوئی کس سا تھا ایسی فصل گل میں دل کو بہلاوے
نہ ساقی ہے نہ ساغر ہے نہ مطرب ہے نہ ہمدم ہے
سانولے سب ایک سے ہیں ظلم کرنے میں بہار
کم نہیں کچھ دل کے لیجانے میں کاکل چشم سے
تڑپتا ہے پڑا جیوں نیم بسمل خاک و خوں میں دل
عقوبت ہے جو کچھ اس صید پر صیاد کیا جانے
دل ہمارا لیکے کیوں انکار کرتے ہو سجن
کس سے یہ سیکھے ہو صاحب تم مکر جانے کی طرح
کہتے ہیں عندلیب گرفتار مجھ کو دیکھ
امید جیونے کی نہیں اس بہار بیچ
گیا ہے عشق کی راہ پا برہنہ بہار
تمام دشت ہے پر خار دیکھئے کیا ہو

بہار

منشی بانکے بہاری لال خلف منشی چھیلے رام قوم کائستھ باشندہ دہلی، وطن آبائی اٹاوہ۔ آپ کلکٹری کچہری اودھ کے انگریزی دفتر میں کلرک تھے۔ رامائن کو اردو زبان میں منظوم کیا ہے،

راجہ رام چندر جی کا اجودھیا میں آنا

سبھوں نے خرس میموں شاہ کے ساتھ — ہوے حیرت میں دیکھ کے جاہ کے ساتھ
عجب صورت ہے ان کی ہیں کہاں کے — ہوے کیوں ہمنشیں شاہِ جہاں کے
کہا سب نے کسی پر کیا نہاں ہے — جو بن میں ماجرا گذرا عیاں ہے
اڑا سیتا کو راون لے گیا تھا — حصارِ زر میں پوشیدہ کیا تھا
قریب کوہ پنپا پور ہے ایک — وہیں کے خرس میموں ہیں یہ سب نیک
ہے جانبِ راست جو سگریو عالی — اسی کی فوج نے لنکا فتح کی
سوے چپ خرس راجا ہے قوی تن — مشیر رام تھا وہ بن میں پُر فن
بصد شاں ہے جو پیشِ رام میموں — ہنومان نام قوت میں ہے افزوں
جو پھاندا سندھ لنکا کو جلایا — وہی جا کر خبر سیتا کی لایا
شمالی کوہ کو لایا اٹھا کر — سجیون دی لکھمن کو اس نے لاکر
لکھمن اور رام نے دل میں جگہ دی — ہے اس کا مرتبہ خدمت سے عالی

بہار

منشی کالکا پرشاد خلف منشی بہاری لال باشندہ فرخ آباد، شاگرد جناب میاں صفدر

ایذا شبِ فرقت میں ہوئی اے قمر ایسی — خالق نہ دکھائے مجھے بارِ دگر ایسی
رکھدیگا قلم ہاتھ سے چیں مان کے مانی — ہرگز نہ کھچے گی کبھی پتلی کمر ایسی
وہ میرے گھر آئیں تو کہوں حالِ دل اپنا — تقدیر سے نکلے کوئی صورت اگر ایسی
للہ بہار اس غیرتِ دہ گل سے — ہو وصل دعا کیجئے وقتِ سحر ایسی

بہجت

منشی نتھن لال ولد منشی کشن چند۔ باشندہ قصبہ سرد پنج ریاست ٹونک ولادت ۱۸۱۹ء وطن قدیم بھوپال۔ آپ حافظ عبدالکریم خانصاحب کی سرکار میں پیش کار تھے۔ بعدازاں درگاہ خواجہ معین الدین چشتی اجمیری کے نائب متولی مقرر ہوگئے۔ سب قوم کے لڑکوں کو صبح کے وقت پڑھایا کرتے تھے۔ صاحب تلامذۂ کثیرہ ہوئے ہیں، سیف الدین خاں سیف، فیض محمد خاں فیض، شیخ حیات اللہ انصاری اور لالہ مولچند آپ کے خاص شاگردوں میں شمار کئے جاتے تھے ۱۸۹۶ء میں وفات کی

اس قدر ضعف سے لاغر ہیں ہوا ہوں بہجت — پھرتا ہے آبلہ پا لئے سر پہ ہم کو
تیغِ قاتل نے کیا دم میں سبکدوش ہمیں — ورنہ اک بارِ گراں تن پہ تھا یہ سر ہم کو

شوخ آتا نظر نہیں آتا — غم یہ جاتا نظر نہیں آتا
نقشِ پا کی طرح کوئی مجکو — اب اٹھاتا نظر نہیں آتا

حق کہا منصور نے تو بھی چڑھا یا دار پر — اس لئے رہتے ہیں بہجت واقفِ اسرار چپ
کیا نقطۂ موہوم ہے یا اس کا دہاں ہے — افسوس کہ حل ہم سے یہ عقدہ نہیں ہوتا
چشم تر تونے مجھے تو خوب ہی رسوا کیا — عشق میں رکھتا تھا اک پردہ نشیں کا کیا کیا
تلاشِ دل میں جاتا ہے یہ لے چشم — نہ روک اس قاصدِ اشکِ رواں کو

بھرت

لالہ بھرت لال باشندہ متھرا

اگر یادِ خدا میں صرف اپنے وقت کو کرتا — زمانے میں بھرت لال اپنا حاصل مدعا کرتا

بیتاب

منشی رام چندر باشندہ دہلی۔ مقیم لاہور، شاگرد جناب آغ دہلوی

وادیِ الفت میں ہے دل رہنما — کیا ہوں جو لیئے مدد رہبر سے ہم

بیتاب

بابو سکھدیو پرشاد ولد بابو شیام سندر لال برق، باشندہ سیتاپور۔ ولادت ۱۹۰۰ء شاگرد جناب شباب سیتاپوری

حسب طبیعت آپکی درد آشنا ہو جائیگی | دل میں پیدا خود بخود خوئے وفا ہو جائیگی
کیا تعجب وہ نقاب رخ الٹ دیتے ابھی | ڈر رہے ہیں یہ کہ برگشتہ حیا ہو جائیگی
ہو گیا ہے ان دنوں سودائے تقویٰ شیخ کو | ابر آجائے تو نیت کیا سے کیا ہو جائیگی

دیکھا وہ اضطراب دل بے قرار میں | منھ برق نے چھپا لیا ابر بہار میں
رک رک کے نبض چلتی ہے تھم تھم کے سانس بھی | یوں دم نکل رہا ہے ترے انتظار میں

موسم گل ہے گھٹا چھائی ہے مے پینے دے | ناصحا کونسا موقعہ ہے یہ سمجھانے کا
چادر اشک رواں شمع نے رد کر ڈالی | بے کفن لاشہ نظر آیا جو پروانے کا

چاہیئے اس کے لئے تار نگاہ بلبل | ورنہ پھر ہوگا رفو گل کا گریباں کیونکر
دل پامال کو ہم ڈھونڈ لیتے | نشاں ملتے جو تیرے نقش پا کے

بیتاب

منشی کشن نرائن کھتری باشندہ بنارس آپ مہاراجہ نیپال مقیم بنارس کی سرکار میں مختار تھے۔ قریب ۱۹۰۰ء میں وفات کی،

بکھرے بالوں میں ہے یوں ماتھے پر افشاں کی چمک | جیسے بدلی میں ہو نقشہ کرمک شبتاب کا
پتلیاں آنکھوں کی کب خائف ہوں بحر اشک سے | مردم آبی کو کچھ خطرہ نہیں سیلاب کا
آبرو بیتاب کب پائیں وہ جو بے علم ہیں | مرتبہ ہوتا نہیں کچھ گو ہر بے آب کا

مجھ زار سے وہ کہتا ہے ہنس ہنس کے دم نزع | گل ہونا بھی اچھا ہے چراغ سحری کا

عاشقِ معنی کبھی ہوتے نہیں ظاہر پرست
شیخ جاتا ہے حرم کیوں کعبۂ دل چھوڑ کر
صحبتِ پیراں جوانو فیض سے خالی نہیں
یہ کماں کا زور ہے جو دیکھتے ہو تیر میں
مغتنم جان صحبتِ احباب
یہ بھی اک اتفاقِ ہستی ہے

بیتاب

منشی سیوک رائے شاگرد جناب محمد بقا

محبت کی بھی ہوتی ہیں یہی کیا ہمنشیں راہیں
کہ خوباں یوں نہیں کہ دیں ہم انکو اس طرح چاہیں
ادھر نالہ کیا وہ ہوا ادھر مضطر چلا آیا
عجب دن تھے کہ جن روزوں میں رکھتی تھیں اثر آہیں

بیتاب

لالہ شنکر لال کائستھ ولد لالہ ایشری پرشاد باشندہ سکندر آباد ضلع بلند شہر آپ منصفی اجمیر میں سررشتہ دار تھے، پھر وکالت کا امتحان پاس کیا اور وہیں وکالت شروع کر دی

اپنا شیدا تو ہی خود حور شمائل ہوگا
آئینہ جب ترے چہرے کے مقابل ہوگا
نشترِ نوکِ مژہ سے اسے رکھنا محفوظ
آبلہ جس کو سمجھتے ہو مرا دل ہوگا
حسرتیں دل میں بھری ہیں مرے بھاری بھاری
سنگدل تختۂ تابوت مرا سل ہوگا
بند محرم کے جو دن رات کھلے رہتے ہیں
بند اسمیں کسی عاشق کا مگر دل ہوگا
ہم کہے دیتے ہیں بیتاب تو رکھ یاد اسے
عشق کر کے بجز افسوس نہ حاصل ہوگا

سوگ کیا، مرے مرنے کی خوشی ہے انکو
رت جگے کرتے ہیں وہ بزمِ عزا کے بدلے
خاکِ درِ جاناں سے اسے کیسے شرف دیں
سونا ہی بنانے کی ہے اکسیر میں تاثیر
یوں بت تو خدائی کا سبھی کرتے ہیں دعویٰ
بت بت ہی ہے آخر کو خدا اور ہی کچھ ہے
یارب ایسا بھی کوئی دن ہو
ہم روٹھیں اور منائے کوئی

بیجان

منشی سیوک سنگھ رمال باشندہ دہلی

آسماں گر پڑے ٹوٹ کے ٹکڑے ہو کر　　جب کہیں آہ ہماری میں اثر ہوویگا

بیخود

لالہ نرائن داس باشندہ دہلی شاگرد جناب میر دردؔ

مئے گلگوں کو چشم کم سے تو مت دیکھ اے زاہد　　بنایا ہے یہ اعجاز مغاں نے آب و آتش کا

بیدار

راجہ ہرکشن سنگھ بہادر جاگیردار کشن کوٹ ضلع گورداسپور رئیس و باشندہ امرت سر، ولادت ۱۸۵۸ء شاگرد حضرت داغؔ دہلوی

بزم سے دشمنوں کو اٹھوا دو　　کیا یہ کرتے ہیں بے حیا بیٹھے
بات بیدار سے نہ کی ظالم　　تیری محفل میں کوئی کیا بیٹھے

جاں بلب ہو گئے اب کون سنبھالے دل کو　　چیر کر پھینکتے ہیں ناز سے پالے دل کو
عاشق کا حال پوچھ نہ بازار حسن میں　　دل بیچ کر بھی تیرا خریدار ہی رہا
عشق کیا چیز ہے خدا جانے　　دل کی سوزش کباب کی سی ہے

بیدل

پنڈت کشن نرائن کول کشمیری ولد پنڈت شیو نرائن کول باشندہ دہلی، شاگرد جناب امرناتھ ساحرؔ ولادت ۱۸۹۵ء آپ مظفر نگر میں وکالت کرتے تھے،

دیکھا ہے جب سے جلوۂ رخسار یار کو　　ہے خیر باد گل کو چمن کو بہار کو
احساس درد کیا ہو ترے جاں نثار کو　　گلچین سمجھ چکا ہے جو ہر نوک خار کو

قبر میں جا کر سکون قلب حاصل ہو گیا　　ختم اب افسانۂ بیتابیِ دل ہو گیا
کس سے پوچھیں حال ہم دیدِ جمال حسن کا　　جس نے دیکھا تجھ کو وہ خود تجھ میں شامل ہو گیا

سہرا

نئی ادا نئے انداز کا بنا سہرا　　تو طرہ دار ہے نوشہ تو ہا ادا سہرا

شمیم عیش سے نوشہ ہے بزم عطر آگیں
مشامِ تازہ کن خلق ہے ترا سہرا

یہ پھول غنچۂ ارمان ہیں محبت کے
نسیم شوق سے کھل کر بنے ترا سہرا

شعلۂ مہر بھلا ابر سے رُکے کیسے
ضیائے رخ جو چھنی نور ہوگیا سہرا

کسی حسین کے دیدار کی گھڑی آئی
خوشی سے پھول کے نوشہ کے سر چڑھا سہرا

فرشتے چرخ بریں پر ہیں محوِ دیدِ جمال
نہ دیکھا تھا کبھی اس آن بان کا سہرا

دعائیں دیتا ہوا وقتِ سعد آیا ہے
بلائیں لینے کو نوشہ کی آگیا سہرا

عروجِ حسن جو پھولوں کو لے اڑا بیدل
فلک پہ بھیس بدل کہکشاں بنا سہرا

بیصبر

لالہ بالمکند کائستھ باشندہ سکندر آباد ولد لالہ کانجی مل، شاگرد جناب مرزا غالب و منشی ہرگوپال تفتہ۔ ولادت ۱۸۲۰ء۔ آپ زیادہ تر فارسی کلام کہتے تھے۔ ۱۸۹۰ء میں وفات کی۔

مدعا ہے گر تو یہ ہے عاشقِ دل گیر کا
اشک میں ہو نا اثر کا آہ میں تاثیر کا

بیخو دانِ عشق کو کیا حاجتِ ترکِ لباس
تن سے پیراہن جدا ہوتا نہیں تصویر کا

خانۂ دل سے ہزاروں مل گئے گھر خاک میں
قصد منعم کو ہے دولت خانہ کی تعمیر کا

آدمی کی کٹتی ہے بیصبر کس سختی سے عمر
پیر ہونا طفل کا آنا ہے جوئے شیر کا

عیاں جب اپنا فروغِ جمال تو نے کیا
تمام کردیا مہ کو کمال تو نے کیا

کرکے مجکو قتل وہ مغرور بولا غیر سے
تھا بہت اس کو بھی اپنی سخت جانی پر گھمنڈ

غیر کو دیکھنا بچشمِ عتاب
دیکھنے کا بہانہ تو دیکھو

بیغم

منشی مہتاب رائے باشندہ ٹھونکا ضلع پرتاب گڈھ

خاک میں عاشق کی کیا تاثیر دی اللہ نے
گور کا ہر نخل تر ہے عشقِ بیجاں کی طرح

بلبل سنبل، چشم نرگس، سرو قد، لب مثلِ گل
گلشنِ حسنِ صنم ہے باغِ رضواں کی طرح

بیفکر

لالہ موہن سروپ شاگرد جناب ہری ہربنس رائے باآلغ

کیوں بیٹھے ہو بیفکر سنا ہے کہ نہیں
تدبیر میں ہے وہ بتِ بے پیر ہماری

بیہوش

منشی گوردیال صاحب مختار عدالت فوجداری باشندہ لکھنؤ

رنج و دردِ ہجر میں از بس کہ لاغر ہو گئے
دست و پا عاشق کے آخر تارِ بستر ہو گئے
روتے روتے دیدۂ عاشق میں نم باقی نہیں
اس قدر سوکھے ہیں یہ ڈھیلے کہ کنکر ہو گئے

یا الٰہی راہِ کوئے یار کس سے پوچھئے
خضر جو ایک راہبر تھا آپ ہی آوارہ ہے
خاموش اہلِ بزم ہوئے شکل دیکھ کر
سب صورتوں کو تم نے ہیولیٰ بنا دیا

(پ)

پرچم

بابو جگنا تھ پرشاد کائستھ۔ باشندہ گورکھپور۔ شاگرد جناب وسیم خیرآبادی

باغِ جناں کے پھول بھی مجکو نہیں پسند
کانٹے مجھے عزیز ہیں بس کوئے یار کے
سکے رواں تھے نام کے جن کے وہ مٹ گئے
حرفِ غلط تھے سب صفحۂ روزگار کے

کیونکر وہاں گذر ہو کسی جاں نثار کا
بیٹھا رقیب بن کے ہے دربان یار کا
دامن کشاں ادھر سے وہ گذرے عدو کے ساتھ
گل ہو گیا چراغ ہمارے مزار کا
جاتے ہو دامِ زلف لئے ناز سے کہاں
ہے قصد کس کے طائرِ دل کے شکار کا

ملاتے ہیں اسے کیوں خاک میں جس دل میں رہتے ہیں
ذرا سوچیں گھر اپنا آپ کیوں برباد کرتے ہیں
چلنا سمندِ چرخ کا دشوار کر دیا
یارب سوار ہو کے ہمارے غبار رنے

پروانہ

کنور جسونت سنگھ رئیس عرف کاکاجی قوم کائستھ خلف راجہ بینی بہادر باشندہ لکھنؤ۔ شاگرد جناب سرب سُکھ دیوانہ۔ فارسی کلام بھی کہتے تھے، ۱۸۵۱ء میں وفات کی،

رات چپکے سے پی ہے تم نے شراب — رنگ چہرے کا ارغوانی ہے
کون مدفون ہے چمن میں صبا — جس کی تربت پہ گلفشانی ہے

سدا ہے جام مے شرمندہ چشم مست سے تیری — صراحی بھی خجل ہے اس تری تصویر گردن سے
صادق نہ سمجھ اس کو محبت میں ہے کاذب — جو صبح نمط چاک گریبان نہیں ہے
کیا کیجئے ہمدم کہ اسے دیکھ کے ہم تو — ہر چند سنبھلے رہے پر دل کو غش آیا
آئینہ ساں ہے صاحب جوہر کو زنگ غم — اس دور میں کہ عیب و ہنر دونوں ایک ہیں
نسیم آہ نے شاید کسی کی کی تاثیر — شگفتگی سی ترے غنچہ دہاں کو ہے
کہتی ہے عندلیب چمن میں پکار کے — اپنے بھی دن پھریں جو پھریں دن بہار کے
پھسلتا ہے پائے نگہ اس پہ ہر دم — ترے رخ کی جب ہم صفا دیکھتے ہیں

پروین

لالہ انگد رائے نائب محافظ دفتر۔ خلف لالہ پرمیشری داس، باشندہ فرخ آباد۔ شاگرد جناب کلب حسین خاں نادر۔

تیرے وصال کی نہ کبھی آرزو کریں — کیوں داغدار دل کو ہم اے لالہ رو کریں
دل کیوں جلائیں جان کو کیوں کھوئیں بے سبب — تجھکو کبھی نہ پیار ہم اے شعلہ رو کریں
زائد فراق ایک مہینہ سے ہو گیا — دل داغدار کیوں نہ ہم اے ماہرو کریں
کعبہ میں دیر میں حرم و خانقاہ میں — تم کو تلاش کیوں نہ بتو چار سو کریں
پروانہ شمع کا نہ ہو پھر شیفتہ کبھی — مجلس میں جلوہ آکے جو یہ شمع رو کریں
تب مشک و عنبر اس کے ہوں ہمسر جہان میں — پیدا مثال گیسوئے خوشبو جو بو کریں

تاریکی چھائے خلق میں اندھیر ہو عیاں ‌ پردہ میں رخ کبھی جو یہ شعلہ رو کریں
پروین یقین ہے خلق میں اندھیر ہو تمام ‌ رخ کو تہ نقاب جو خورشید رو کریں

پریشاں

پنڈت منو لال باشندہ دہلی، شاگرد حضرت شاہ نصیر دہلوی

خوبوں کی ادا کب کوئی ناز سے خالی ہے ‌ ہر بات پہ جھڑکی ہے ہر بات پہ گالی ہے
ہم آئیں تو اٹھ جاؤ غیر آئے تو آ بیٹھو ‌ یہ وضع نئی جاناں کیا تم نے نکالی ہے

پنڈت

پنڈت دیا رام کشمیری خلف پنڈت روپ چند باشندہ دہلی، آپ فرخ آباد میں نواب عماد کی جاگیر کے مینجر تھے۔ فارسی شاعری میں مولانا غلام علی آزاد بلگرامی سے مشورہ لیتے تھے، آپ کی اردو شاعری نے شاہ عالم ثانی کے دور میں عروج پایا تھا

سن سن کے ہمارے آہ و نالے ‌ نالاں ہیں پاس رہنے والے
دیکھا ہے جب سے لالہ رخسار ‌ جینے کے پڑے ہیں ہم کو لالے
ہم پردہ نگاہ ڈالے پنڈت ‌ اس بت کے خدا یہ دل ہیں ڈالے

اس نے اب تک ادھر گذر نہ کیا ‌ آہ نے آہ کچھ اثر نہ کیا
خانۂ دل خراب تو نے کیا ‌ اے صنم کچھ خدا کا ڈر نہ کیا

پورن

منشی پورن سنگھ قوم کائستھ باشندہ دہلی، شاگرد جناب سعادت یار خاں رنگین سنسکرت اور طب میں اچھا دخل رکھتے تھے، قریب ۱۸۶۵ء میں انتقال کیا،

ہم نام رہائی سے بیزار ہیں اے ہمدم ‌ دل چاہ زنخداں میں ہے جب سے اسیر اپنا
شمشیر تو وہ ابرو اس دل پہ چلا بیٹھے ‌ چھوڑا نہ نگہ ظالم تو بھی کبھی تیر اپنا
اس رہ میں رواداری لازم ہے سدا پورن ‌ سامان سفر رکھے تیار فقیر اپنا

تیِ پیچ و خمِ کاکل میں مت جائیو دل شب کو اس راہ میں تو چل کے ہووے نہ خجل شب کو

پوکر داس

منشی پوکر داس باشندہ بریلی۔ آپ نے کتاب "گیان گیتا" تصنیف کی ہے، اور "کریما" کو تضمین کیا ہے، سعدیؒ کے کریما کے ہر شعر پر تین تین شعر اپنے چسپاں کیے ہیں؛

غضب ہے کہ انسان دنیا میں آ پریشاں گناہوں سے اپنے ہوا
وگرنہ یہ تھا اشرف الانبیاء نہ ہوتا نظر سے خدا کی جدا
مگر اس نے جو چاہا ویسا ہوا تو سعدی کا یہ شعر پڑھ بر ملا
کریما بہ بخشائے بر حالِ ما کہ ہستم اسیرِ کمندِ ہوا

پیاری

لالہ رادھے لال باشندہ متھرا

لگا جب دھیان پیاری کا تو ہاتف غیب کہتا ہے بجز آہِ رسا کے کون اپنا رہنما ہوتا

پیر

پنڈت مہاراج سنگھ خوشنویس باشندہ متھرا مقیم دہلی

رات دن کا ہے ترا مشغلہ آرائشِ زلف اس سے کیا تجھ کو کہ ہے حال پریشاں میرا
میں وہ خاکسترِ افسردہ ہوں جو صبح کہ پیر داغِ خورشید ہے یک اخگرِ سوزاں میرا

قبر پر فریادیوں کی اپنے تو ہرگز نہ جا تیرا پیچھا کب چھٹا، اس خاکِ دامن گیر سے

پیکر

ماسٹر رام سروپ زمیندار خلف لالہ بھگوان دیال قوم کائستھ باشندہ قصبہ بسوان ضلع سیتاپور، شاگرد جناب حکیم محمد افتخار علی جگر بسوانی، ولادت ۱۸۹۸ء وفات ۱۹۰۶ء

ازل کے روز سے تو لے جنونِ فتنہ ساماں تھا مگر تجھ سے بھی پہلے چاک چاک اپنا گریباں تھا
سرِ شام آپ نکلے تھے جہاں اٹکھیلیاں کرتے وہ گھر تھے مرنے والوں کے وہی گورِ غریباں تھا

خاک میں ہم بھی ملیں اور یہ دل بھی مل جائے
تیری حسرت نہ رہے گردشِ دوراں کوئی
منھ دکھانے کے بھی قابل نہ رہیں گے اے دل
تشنہ لب پھر گیا قاتل کا جو پیکاں کوئی

ہم دل جلے جو پانی میں اترے برائے غسل
دریا کے منھ پہ پڑ گئے چھالے حباب کے
سرخی ہے شوخ عارضِ گلگوں کی کس قدر
رنگ اور ہو چلے ہیں تمہارے نقاب کے

روتے روتے ہوئی زباں خاموش
دل کو یوں شامِ غم قرار آیا
تو مرے دل میں ہے چھپا اے دوست
چار سو میں تجھے پکار آیا
تیری الفت میں زیست دو بھر تھی
جی اٹھا جو سوِ مزار آیا

(ت)

تاب

پنڈت مہتاب رائے۔ وطن کشمیر مقیم دہلی، آپ انیسویں صدی کے آغاز میں حیات تھے۔

خو ہوتی ہمیشہ سے تمہاری اگر ایسی
تو کا ہیکو بنتی مری اے فتنہ گر ایسی
یا تنگ نہ کر ناصح ناداں مجھے اتنا
یا چل کے دکھا دے دہن ایسا کمر ایسی

قافلہ میں آج کیا شورِ فغان و آہ ہے
ناقۂ لیلیٰ کے شاید قیس بھی ہمراہ ہے

تاباں

پنڈت مہتاب رائے باشندہ دہلی۔ بارہ سال کی عمر تھی جس وقت آپ نے میر درد کے مشاعرہ میں غزل پڑھی تھی جس کا مطلع یہ تھا۔

شعلہ بھڑک اٹھا مرے اس دل کے داغ سے
آخر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

جس پر اساتذہ نے کافی داد دی۔ اس وقت آپ گلے میں ہنسلی پہنے ہوئے تھے

ایک شاعر نے طنزیہ کہا "پنڈت جی کوئی شعر آپ نے اپنے طوقِ گلو کی شان میں بھی کہا ہے" جواب دیا "نہیں" مگر اب کہے دیتا ہوں، چند لمحوں کے بعد مندرجہ ذیل شعر پڑھا

اسیری عشق کو منظور تھی میری لڑکپن میں ۔۔۔ پہنایا طوق منّت کے بہانے میری گردن میں

اہلِ محفل بول اٹھے خدا تمہارا محافظ ہے۔ معلوم ہوا کہ چند روز بعد یہ لڑکا جل کر مرگیا تھا۔

تاثیر

لالہ کنہیّا لال خلف لالہ کہل کشن۔ باشندہ فرخ آباد۔ شاگرد جناب اسمٰعیل حسین منیرؔ آپ ایام غدر میں حیات تھے۔

خنجر سے دل کے سینکڑوں ٹکڑے جو کر دیئے ۔۔۔ میرا کلیجہ بڑھ گیا اے گل ہزار ہاتھ
ہاتھوں کو ناچ میں جو مکرّر اٹھائیے ۔۔۔ دریائے حسن آپ کا بڑھ جائے چار ہاتھ
کھجلائے ان کی پشت مرے سامنے رقیب ۔۔۔ اللہ خشک ہو صفتِ پشتِ خار ہاتھ
تاثیرؔ کوئی دامنِ قاتل نہ چھو سکا ۔۔۔ دوڑائے بسملوں نے عبث بار بار ہاتھ

تاثیر

منشی بانکے لال عرف بکّو لال قوم کائستھ خلف منشی چھنگی لال باشندہ لکھنؤ، شاگرد جناب منشی دینا ناتھ عرف حسین بخش واجبؔ لکھنوی ولادت ۱۸۶۲ء

لکھتا ہوں وصف ابروئے خمدارِ یار کا ۔۔۔ جوہر دکھا رہی ہے زباں ذوالفقار کا
کیونکر نہ بلبلوں کے اڑیں ہوش باغ میں ۔۔۔ آئی خزاں، ہَوا ہُوا موسم بہار کا

تارا

منشی تارا چند باشندہ لاہور شاگرد جناب رفیقؔ

آرزوئیں دلِ آزردہ کی یارب برآئیں ۔۔۔ گوشِ دل دے اسے یارائے تکلم مجھکو
ملک الموت بھی آئی تو نہ پائے گی مجھے ۔۔۔ لاغری نے مری اتنا کیا گم مجھکو

تائب

منشی کھنّو لال سرفرازی یافتہ حضور دکن ولد منشی جھاؤ لال صاحب قوم کائستھ

باشندہ لکھنؤ شاگرد جناب منشی شیو پرشاد وہبی ولادت ۱۸۶۵ء آپ کا ہندی کلام بھی قابل تحسین ہے۔

کھول کر بال جو وہ گیسوؤں والا نکلا
کوئی مجنوں کوئی مفتوں کوئی شیدا نکلا
قیس نے دشت میں دیکھا جو بگولا اٹھتے
دوڑ کر کہنے لگا ناقۂ لیلیٰ نکلا

چلتا ہے کہکشاں کا عصا لیکے ہاتھ میں
اب ناتواں بہت فلک پیر ہو گیا
ایام زیست کٹتے ہیں انساں کے کیا ہی جلد
کودک ہوا، جواں ہوا، پیر ہو گیا

یہاں عشق تصور ہر گھڑی ہے
کسی کی سامنے صورت کھڑی ہے
دیا وحشت میں بھی اقبال نے ساتھ
کہ زنجیرِ جنوں پاؤں پڑی ہے

مرا دردِ دل کیا بیاں ہو رہا ہے
جو ہر سمت شورِ فغاں ہو رہا ہے
یہ نکلا نہیں مہرِ صبحِ شبِ غم
مرا داغِ پنہاں عیاں ہو رہا ہے

رباعی

گناہوں پہ نظر جاتی ہے توبہ توبہ
جسم کیا روح بھی تھراتی ہے توبہ توبہ
مجھ سا تائب بھی گنہگار نہ ہوگا نہ ہوا
توبہ کرتے ہوئے شرم آتی ہے توبہ توبہ

مبتسم

منشی سورج بلی قوم کائستھ باشندہ لکھنؤ۔ شاگرد جناب خیراتی لال شگفتہ ولادت قریب ۱۸۷۰ء۔ آپ شگفتہ صاحب کے بھتیجے تھے اور منشی نول کشور کے مطبع میں کتابت کا کام کرتے تھے۔

ہم تو کیا ہیں نذرِ دل آ آ کے دیں گے سینکڑوں
آپ تو کچھ دل کے لینے کا ہنر پیدا کریں
کیا لگا ئیں یارِ بے پروا سے اپنے دل کو ہم
فائدہ کیا جانِ شیریں کا ضرر پیدا کریں

تجلّی

کنور شنکر دت صاحب دو بے بہادر برادر راجہ جونپور، ولادت قریب ۱۸۷۵ء
شاگرد جناب وسیمؔ خیرآبادی

مصحفِ رخ پہ لٹکتا ہے وہ گیسوئے سیاہ — بوسے قرآن کے لیتا ہے وہ ہندو ہو کر
کھیلتی ہیں تری آنکھیں دلِ عاشق کا شکار — صید شیروں کو یہ کرلیتی ہیں آہو ہو کر
لبِ ہر زخم سے نکلی یہ صدا بسم اللہ — دل میں بیٹھا جو ترا تیر ترازو ہو کر

تصویر ہے گھٹا مری چشمِ پُرآب کی — بجلی ہے ایک موج مرے اضطراب کی
وہ مستِ ناز ہاتھ سے اپنے جو مے پلائے — پھر کس کو سوجھتی ہے عذاب وثواب کی

تجلّی

منشی للے جی کالستھ باشندہ لکھنؤ، شاگرد منشی مینڈو لال زارؔ آپ ۱۸۷۴ء
تک بقید حیات تھے

نرگس اس غیرتِ گل کے تو نظر کر گیسو — سنبلِ باغِ جناں سے بھی ہیں بڑھکر گیسو
بے نمک ان کے نہ ہونیسے ہے روئے مہتاب — سچ اگر کہیئے تو ہیں حسن کا زیور گیسو
جان بچنے کی نہیں ہیں وہ بلا کے کالے — چھونا مشاطہ ذرا سوچ سمجھ کر گیسو

مرجائیے کچھ کھاکے یہی دل سے لگی ہے — کیوں آنکھ مری اس بتِ غافل سے لگی ہے
مختار ہے چاہے وہ مجھے دیکھے نہ دیکھے — آنکھ اپنی تو اسی رونقِ محفل سے لگی ہے
صورت اسے دکھلا دے ذرا سنتی ہے لیلیٰ — مجنوں کی نظر پردۂ محمل سے لگی ہے
لے آئے گی اک روز اسے میری طرف کو — شمشیرِ قضا قبضۂ قاتل سے لگی ہے
موسیٰ کو نظر آیا تھا جس دشت میں جلوہ — لو اپنی تجلّی اسی منزل سے لگی ہے

تسکین

پنڈت گنگا داس کشمیری

ناصح یہ نصیحت اب تم کرتے ہو کیا بیٹھے
جو ہو وے سو ہو بہتر دل اس سے لگا بیٹھے
عقل و خرد و طاقت اور صبر و شکیبائی
جب سامنے وہ آیا ہم سب یہ لٹا بیٹھے
کیا غم ہے ہمیں تسکیں آفاتِ زمانہ سے
اب ہم شہِ مرداں کے داماں تلے آ بیٹھے

تسلّی

لالہ ٹیکارام کائستھ ولد بخشی گوپال رائے برادرِ خورد جناب بھولا ناتھ بخشی وزیر الملک، وطن اٹاوہ مقیم لکھنؤ، ریختہ گوئی میں مصحفی سے اور فارسی کلام میں مرزا فاخر مکین سے اصلاح لیتے تھے۔ ۱۸۶۳ء میں انتقال کیا۔

کیا منھ جو چڑھے کوئی اترے تیر کے منھ پر
برہم تھے گلا رکھ دیا شمشیر کے منھ پر
گو دل میں خفا ہے تو پر اس بات کو ناداں
کہہ بیٹھیو مت عاشقِ دلگیر کے منھ پر

دیکھے سماں جو اس مژہ اشکبار کا
ہو جائے شق جگر رگِ ابرِ بہار کا
آنکھیں سحر تلک مری در سے لگی رہیں
کیا پوچھتے ہو حال شبِ انتظار کا

بھاگتا ہے مرے تصوّر سے
کس قدر بدگمان ہے کافر
دن پھرے پھر مگر تسلّی کے
ان دنوں مہربان ہے کافر

اب بھی اس نیمجان میں کچھ ہے
فائدہ امتحان میں کچھ ہے

تسلیم

منشی رام سہائے کائستھ باشندہ بدایوں، شاگرد جناب مرزا حاتم علی مہر، آپ بدایوں میں ڈپٹی کلکٹر رہ چکے ہیں، دو دیوان "نغمۂ مراد" و "نغمۂ آرزو" طبع ہو چکے ہیں، ۱۹۳۰ء سے پیشتر بعالمِ ضعیفی انتقال کیا۔

وہ عندلیب ہوں گلشن سے جب بہار گئی
زمانہ آیا قفس سے مری رہائی کا
جوشِ وحشت میں یہ خاک اڑائی تسلیم
بادِ صرصر کے سر و دوش پہ صحرا دیکھا

ہر روز تو میں یہ نہیں کہتا کہ آیئے
فرصت نہیں ہے آنے کی بھی گاہ گاہ کیا

طالبِ حق نہیں پابند کبھی مذہب کے
شیخ سمجھے جسے تسلیم برہمن نکلا

رہے گی حضرتِ واعظ کی آبرو کب تک
چھپے رہیں گے بغل میں خم و سبو کب تک

ہاتھ رکھ کر مرے سینے پہ وہ فرماتے ہیں
سچ بتا دے ہمیں اب دردِ جگر ہے کہ نہیں

طورِ موسیٰ کی حقیقت نہیں کس پر روشن
جلوۂ یار سے رہتے ہیں بجا ہوش کہیں

ایسے ہم عشق میں ہیں محو، خبر یہ بھی نہیں
عیش کہتے ہیں کسے اور مصیبت کیا ہے

حالِ دل سن کے مرا کہتے ہیں کس ناز سے وہ
اپنی عادت ہے کہ جو ذکر سنا بھول گئے

آپس میں جھگڑتے ہیں عبث شیخ و برہمن
کعبہ نہ کسی کا ہے نہ بتخانہ کسی کا

چشمِ تر حال پہ ہیں تیرے کہاں تک روؤں
طفلِ اشک ایک بھی آغوش میں پلنے نہ دیا

کج روی نے فلکِ پیر کی اے وائے نصیب
کوئی ارمان مرے دل کا نکلنے نہ دیا

تسلیم

منشی بال گوبند قوم بھاٹ ولد منشی فقیرے رام، باشندہ اُناؤ شاگرد جناب رحمت الدولہ حکیم لکھنوی، آپ میونسپل بورڈ اناؤ کے ممبر رہ چکے ہیں، ۱۹۱۷ء میں وفات کی۔

خطا میری سراسر ہے نہیں تیری خطا مطلق
نہ دیتا دل اگر تجھ کو تو تو برباد کیا کرتا

محبت میں تری اس نے نہ کیا کیا سختیاں جھیلیں
نہ دیتا جان اے شیریں تو پھر فرہاد کیا کرتا

مثالِ نقشِ پا بے حس تھا فرطِ ناتوانی سے
مرے پاؤں میں بیڑی ڈال کر جلاد کیا کرتا

خواب میں یار کو پاس اپنے بلانا چاہا
اپنی سوئی ہوئی قسمت کو جگانا چاہا

رعبِ دلدار نے اظہار کا موقعہ نہ دیا
اپنی تکلیف کا گر حال سنانا چاہا

سمجھ میں کچھ نہیں آتا الٰہی ماجرا کیا ہے
پلٹ کر پھر نہ آیا جو گیا دنیا کی محفل سے

دوست پر ہم نے اگر کچھ مہربانی کی تو کیا
لطف تو تب ہے کہ دشمن پہ کوئی احسان کرے

تسلیم

لالہ دیبی پرشاد قوم ویش خلف لالہ مادھورام جوہر رئیس باشندہ فرخ آباد، شاگرد جناب اسمٰعیل حسین منیر

بیمارِ محبت کو شفا ہو نہیں سکتی — اچھا یہ مرض ہے کہ دوا ہو نہیں سکتی
فریاد سے کیا فائدہ ہنگامِ مصیبت — کہ آہ ضعیفی میں عصا ہو نہیں سکتی
آزردہ ہیں وہ ناحق تدبیر کریں کیا — دل میں جو گرہ پڑ گئی وا ہو نہیں سکتی
کیا فائدہ ہر دم ہوسِ وصلِ بتاں سے — قسمت سے کوئی چیز سوا ہو نہیں سکتی
سو طرح گل داغِ محبت کو چھپائیں — پوشیدہ مگر بوئے وفا ہو نہیں سکتی
تم نازنیں اوروں کو اڑا دو تو بجا ہے — پریوں سے یہ شوخی یہ ادا ہو نہیں سکتی
تیرِ نگہِ یار سے کیوں دل کو بچائیں — تسلیم سے ہرگز یہ خطا ہو نہیں سکتی

تصوّر

کنور فتح بہادر رئیس و تعلقدار کوڑا جہان آباد ضلع فتحپور ہنسوا، آپ عالی جناب رائے لال بہادر صاحب کے پوتے تھے، ان کے مورثِ اعلیٰ شاہانِ اودھ کے یہاں مناصب جلیلہ پر ممتاز تھے اور معتقدر تھے، عین عالم شباب میں یعنی بیس سال کی عمر میں ۱۸۹۷ء میں وفات کی۔

فدا ہونے لگی تو بہ ہر اک میکش کے ارماں پر — گھٹا بن کر چلا ہے ابرِ رحمت پھر گلستاں پر
بجھائی شمع اف اف کرکے اور چلتے ہوئے سیدھے — تاسف کرنے یوں آتے ہیں وہ گورِ غریباں پر
نظر میں پھرنے لگتی ہے مری تاروں بھری راتیں — لٹیں جب کھل کے آپڑتی ہیں اس کافری افشاں پر
کہیں پھر بن سنور کر جاؤگے معلوم ہوتا ہے — قسم ہے بدگماں ہوتے ہیں ہم اس ساز و ساماں پر
رسیلے پن کہاں سرشار ہے بیخود ہے وحشی ہے — تری آنکھوں نے جادو کر دیا چشمِ غزالاں پر

قضا آئی اور پھر گئی ہاتھ مل کر — سنبھالا مجھے دردِ دل نے سنبھل کر
نہ پوچھو کوئی خیر قسمت ہماری — ہمیں خاک ہونا ہے اک روز جل کر

میں صورت کو دیکھا کیا دل ندارد — ستم ڈھا گیا مجھ پہ وہ چال چل کے

نقشہ

منشی ہرگوپال۔ باشندہ سکندرآباد، شاگرد رشید جناب مرزا غالب دہلوی ولادت ۱۷۹۷ء، آپ صاحب دواوین ہوئے ہیں، فارسی کلام کہتے تھے، اردو زبان میں صرف مندرجہ ذیل ایک ہی قطعہ غالب صاحب کی وفات پر کہا تھا۔

غالب وہ شخص تھا ہمہ داں جس کے فیض سے — ہم سے ہزار ہیچمداں نامور ہوئے
فیض و کمال و صدق و صفا اور حسن و عشق — چھ لفظ اس کے مرنے سے بے سر و پا ہوئے

تقدیر

بابو بندیشری پرشاد کائستھ خلف منشی شیو رتن لال باشندہ قدیم لکھنؤ مقیم گونڈہ ولادت ۱۸۸۵ء پیشہ وکالت، شاعری میں کسی کے شاگرد نہیں تھے

آمدِ جوشِ جوانی ابتدائے ناز ہے — اب بہارِ حسن کا کچھ اور ہی انداز ہے
ہر گلِ گلزارِ ہستی پیکرِ صد راز ہے — ذرہ ذرہ دولتِ اسرار سے ممتاز ہے
چپ رہے ہم پھر بھی حالِ دل نہ پوشیدہ رہا — خامشی گویا زبانِ حال کی آواز ہے
جستجوئے یار میں اب وہ مزے آنے لگے — جن پہ اے تقدیر ناکامی کو اپنی ناز ہے

زندگی کو ہم خمارِ نشۂ ہستی کہیں — یا یہ سمجھیں ایک دورِ ساغرِ مے نوش ہے
کر دیا اک عمر کے حصہ کو دم بھر میں تمام — اور کہتے ہیں نگاہِ ناز تو خاموش ہے

وصل کی شب گذر گئی دم میں — رات کیا رات بھر نہیں ہوتی
جلوۂ ناز دیکھنے والی — ایسی ویسی نظر نہیں ہوتی

تلا

لالہ تلارام باشندہ لال کرتی میرٹھ

غبار آلودہ بالوں نے تمہارے اے ستم افزا — ملایا خاک میں ہم کو پڑے ہیں بے نشاں ہو کر

کیا تھا وعدہ آنے کا پراب انکار کی ٹھیری　　شرارت ہے عدو کی جو ہوا انکار ہاں ہوکر
تو چپ رہنا زباں سے اپنی کہنا کچھ نہ اے قاصد　　کہیں گے حال میرا حرف نامے کے زباں ہو کر

تمکین

پنڈت بخت مل فرزند و شاگرد جناب پنڈت لچھمی رام فدا باشندہ دہلی ۱۸۴۸ء میں حیات تھے۔

نہ ہو لخت جگر گر سد راہ اشک آنکھوں میں　　تو ڈوبیں طائران سدرہ تا منقار پانی میں
مشتاق قدمبوسی ہے ہر خار بیاباں کا　　لائی ہے دلا تیری شوریدہ سری رنگ
جب سے کافر کٹیلی نظر آئی آنکھیں　　ہم نے ہر گز نہ کسی بت سے ملائی آنکھیں

تمنّا

منشی رام سہائے خلف منشی پورن چند باشندہ لکھنؤ، ولادت ۱۸۵۴ء آپکے پردادا منشی اودے راج مطلع اور دادا منشی ایشری پرشاد شعاعی فارسی کے مستند شاعر تھے۔ آپ اپنے کلام پر زیادہ تر اصلاح اپنے ماما شنکر دیال فرحت سے لیا کرتے تھے، آپ نے قریب دو سو کتابیں تصنیف کی ہیں جن میں زیادہ تر مذہبی کتابیں ہیں، ۱۹۳۲ء میں راہی ملک عدم ہوئے۔

رامائن کے چند بند

اس طرف خالی جو میداں ہوا راون آیا　　دان لینے کے لئے بن کے برہمن آیا
جانکی سمجھی نہ ہر گز کہ یہ رہزن آیا　　تھیں تو عورت ہی نہ جانا کوئی بدظن آیا
خط تھا محدود حفاظت کو وہ اندر رہی رہیں
کہا راون نے دیا جاتا ہے یوں دان کہیں

جانکی جی نے دیا حد سے نکل کر جب دان　　بن گیا اہل وفا بس وہیں شیطان
جانکی جی کو اٹھا لے گیا فوراً نادان　　اب تو فرقت کا نظر آ گیا پورا سامان
رام و لچھمن جو پھرے دشت سے گھر خالی تھا
جانکی جی تھیں نہاں کیسۂ زر خالی تھا

اس جدائی کا اب احوال قلم کیا لکھے ۔ تا آلِ کلفت و اندوہ و الم کیا لکھے
کلکِ پُر درد یہ کیفیتِ غم کیا لکھے ۔ حالِ بینابیِ اربابِ حشم کیا لکھے
خلق کو واقعۂ جانکاہ یہ سمجھاتا ہے
کہ جو قسمت میں لکھا ہے وہی پیش آتا ہے

غزل

بتوں سے ہم دل لگا چکے ہیں سب ان کی سختی اٹھا چکے ہیں
ہم آپ خود کو مٹا چکے ہیں کہ سِل پہ شیشہ گرا چکے ہیں

خمارِ دیرینہ جوش پر ہے پلا دے مے ساقیا کدھر ہے
ہماری بھی کچھ تجھے خبر ہے کہ ہم بھی محفل میں آ چکے ہیں

وہ جانِ جاں ہیں تو ہم ہیں بیجاں وہ شاہِ خوباں ہم ان پہ قرباں
اگر لیے ہیں وہ تیغِ برّاں تو ہم بھی گردن جھکا چکے ہیں

عجیب دنیا کا حال دیکھا کمال ہی کو زوال دیکھا
اُن ہی کو اب پُر ملال دیکھا جو لطفِ راحت اٹھا چکے ہیں

جو عشق بازی میں ہم ہیں یکتا وہ حسن میں فرد ہیں تمنّا
انھوں نے ہم کو بھی آزمایا ہم ان کو بھی آزما چکے ہیں

تمنّا

منشی چھیدی لال ؔشندہ کاکوری ولادت قریب ۱۸۶۸ء شاگرد جناب طاؔہر فرخ آبادی

کٹ گیا سروِ چمن جب قدِ جاناں دیکھا ۔ جل گیا مہرِ فلک جب رخِ تاباں دیکھا
پھنس گیا دامِ مصیبت میں نہ کہنا مانا ۔ عشقِ گیسو کا ثمر اے دلِ ناداں دیکھا
بول اٹھی قبر کہ کس طرح سمائی ہوگی ۔ ساتھ میرے جو ہجومِ غم و حرماں دیکھا

دف جو آج ہی وعدہ کرو تو کیا ہو جائے ۔ یہ کوئی فرض ہے محشر ہی جب بپا ہو جائے
وہ کہتے ہیں کہ ہمیں دل ملے کوئی ایسا ۔ کہ جس کو پیسیں تو پستے ہی وہ حنا ہو جائے

مٹے ہوؤں کو مٹا رہا ہے تو اے گردوں
ستم نیا کوئی دشمن کی جان پر نہ کیا

کہاں سے آئی ہے اشکوں میں خون کی سرخی
ہوئی نہیں جو تمنائے دل لہو میری

یہ سرکشی کا نتیجہ تھا باغِ عالم میں
خدا نے سرو کو دنیا میں باثمر نہ کیا

چھپا کے مجھ سے یہ باتیں الگ الگ کرنا
ملیں کلیم تو ہو ان سے گفتگو میری

تمنّا

منشی متولال کائستھ ولد منشی مہیش نرائن باشندہ کانپور مقیم سندیلہ ضلع ہردوئی شاگرد جناب ظہور الحسن لکھنوی۔ صاحب دیوان ہوئے ہیں، ۱۹۳۰ء میں وفات کی

دیکھو جو آکے داغ دلِ داغدار کے
سب بھول جائیں تم کو تماشے بہار کے

کوشش کے آگے دو ہی قدم کوئے یار ہے
اے دل نہ بیٹھنا کہیں ہمت کو ہار کے

تصور میں وہ بت پیشِ نظر ہے
کسی کی رو برو صورت کھڑی ہے

منا ہم نے لیا روٹھے ہوئے کو
یہی اک بات ہم سے بن پڑی ہے

کب تک یہ رہیگا جور ظالم
آخر کوئی حد بھی ہے ستم کی

پوچھو اس شوخِ بے وفا سے
کیوں رسمِ وفا بڑھا کے کم کی

تمیز

منشی کالی رائے ولد منشی دیبی پرشاد باشندہ فتح گڈھ، شاگرد جناب کلب حسین خاں نادر۔

آمد یہ آج باغ میں کس گلبدن کی ہے
جو دوح باغ باغ نسیمِ چمن کی ہے

مشتاقِ دیدِ خالِ زنخدانِ یار ہیں
ہم کو تلاش یوسفِ چاہِ ذقن کی ہے

انگلی سے جب اشارہ کیا بول اٹھا وہ بت
کنجی ہمارے ہاتھ میں قفلِ دہن کی ہے

مر جاؤں گا اگر نہ دکھائیں گے آپ منھ
پردہ مجھے حضور کا چادر کفن کی ہے

اچھے وہ ہیں جو مر کے تری خاکِ راہ ہوں
مٹی خراب طالبِ گور و کفن کی ہے

جلوے سے تیرے دیدۂ یعقوب میں ہے نور
یوسف کو بوئے عزیز ترے پیرہن کی ہے
رخسارِ یار ہے گلِ گلزار اے تمیز
زلفِ دراز موجِ نسیمِ چمن کی ہے

توقیر

لالہ ہرنرائن داس ولد لالہ پھولچند، باشندہ فرخ آباد، شاگرد جناب اسمٰعیل حسین منیر

آئینہ سے بھی ہے دو چند صفا ہاتھوں میں
منھ نظر آتا ہے اے ماہ لقا ہاتھوں میں
سلطنت ملتی ہے چھوتا ہے جسے وہ مہر حسن
طائرِ رنگِ حنا ہے کہ ہما ہاتھوں میں
سونا چھلوں کا گلا جاتا ہے اے شعلہ مزاج
گرمیاں اور دکھاتی ہے حنا ہاتھوں میں
غش ہوا جس نے تری مہندی کی رنگت دیکھی
شعلۂ طور بنا رنگِ حنا ہاتھوں میں
عرقِ چہرۂ دلدار کو پوچھا توقیر
ہم نے عطرِ گلِ فردوس ملا ہاتھوں میں

(ث)

ثابت

منشی بشن دیال کایستھ ولد منشی ارجن سنگھ، باشندہ کانپور، پیشہ وکالت شاعری میں کسی کے شاگرد نہیں تھے، آپ "بزم محبت" کے مصنف ہیں۔ ۱۸۸۶ء میں انتقال کیا۔

گردوں پہ شورِ رعد نہیں ابرِ تر کے ساتھ
نالے یہ عاشقوں کے ہیں دردِ جگر کے ساتھ
دکھلا دو پتلیوں کا تماشہ دکھا کے آنکھ
طفلانِ اشک بھی ہیں مری چشمِ تر کے ساتھ

نیچی نظروں میں تو ہوتی ہے قیامت برپا
یا الٰہی جو اٹھائیں گے نظر کیا ہوگا
نالۂ عاشقِ محزوں سے یہ آتی ہے صدا
درد ہی گر نہیں تو رکھ کے جگر کیا ہوگا

نہیں اغیار سے کچھ مجھکو حسد
آشنا ہے وہ ستمگر کس کا

میرے گھر تم نہیں آتے نہ سہی — دلِ پُر درد میں ہے گھر کس کا
دام کاکل ہے پریشان بہت — پھنس گیا ہے دلِ مضطر کس کا

ثابت

منشی رادھیکا پرشاد، باشندہ لکھنؤ شاگرد حضرت نواب عاشور علیخاں

دیکھیں کب بعد سفِ دل چاہِ ذقن سے نکلے — رسیوں سے تو کئی ہاتھ ہیں بڑھ کر گیسو
خاک اڑائی ہے کہو کس کی عزاداری میں — گرد آلود جو ہیں اے مرے دلبر گیسو
کس کو سودائی بناؤ گے بتاؤ تو سہی — اے صنم آج سنوارے ہیں یہ کس پر گیسو
شاہِ خوبی کی ہے سر تاج تری صورت و شکل — اس پہ طرّہ ہے مرے یار ترا ھسر گیسو

ثاقب

لالہ جانکی پرشاد

آبرو چاہے تو کر پہلے قناعت حاصل — لب جو ہو بند صدف کا تو گہر پیدا ہو

ثاقب

عالی جناب مہاراجہ جے گوپال سنگھ رئیس اعظم باشندہ سندیلہ ضلع ہردوئی قوم کائستھ۔ آپ سلطان عالم واجد علی شاہ کے فرمانروائے اودھ کے مصاحب خاص تھے۔ فارسی زبان کے عالم تھے۔ ۱۸۹۰ء میں وفات کی،

عشق میں جز بیخودی عاشق کو کیا حاصل ہوا — پوچھتا ہے ان سے رہ رہ کر مرا دل کیا ہوا
حق تو یہ ہے دین و دنیا کی نہیں پرواہ کچھ — ان بتوں کے عشق میں دل اپنا مائل کیا ہوا

جو رنج دیتے ہیں اللہ ان کو خوش رکھے — ہم اپنے منہ سے کسی کی کریں برائی کیا
نتیجہ جس کا عداوت ہو وہ محبت کیا — جو آشنا کرے غم سے وہ آشنائی کیا

ثاقب

پروفیسر کنہیا لال ایم۔ اے۔ آر۔ اے۔ ایس، باشندہ امرتسر۔ آپ نیچرل مضامین خوب قلمبند کرتے تھے۔

فضا خاموش ہے عالم سراپا محو مستی ہے
جہاں میں ذرے ذرے سے مے عشرت برستی ہے

صدائے خامشی سے گونجتی ہے سبزہ زاروں میں
ہوا محبوس ہے گویا چمن کے رازداروں میں

فلک پر ہو چلی ہے چاند کی رفتار بھی ہلکی
کوئی روشن جبیں ہے رخ سے پردے کو اٹھاتی ہے

ثمر

لالہ متھرا پرشاد کائستھ باشندہ لکھنؤ ۔ شاگرد جناب منشی خیراتی لال شگفتہ

پیرو عارف کامل کو خدا ملتا ہے
جادۂ راہ سے منزل کا پتا ملتا ہے

جس قدر صاف ہے مجھ سے کوئی میں ہوں صاف
آئینہ سے دل پر نور مرا ملتا ہے

ثمر

منشی اودھ بہاری لال کائستھ خلف کنور چندی سہائے نہال باشندہ لکھنؤ شاگرد جناب خواجہ عزیز الدین عزیز لکھنوی ولادت ۱۸۵۶ء پیشہ معلمی ۔ ۱۹۲۱ء میں آپ کے فرزند کا انتقال ہو گیا تھا، جس سے آپ کو گہرا صدمہ پہنچا،

ہوتے کبھی بندش میں نہیں اہل صفا بند
کوزے میں نہ دریا ہو نہ مٹھی میں ہوا بند

اللہ کھلا رکھتا ہے ہر دم درِ ایجاب
رکھتا ہے ثمر کس لئے تو دستِ دعا بند

طمع کے بندوں میں ہوں میں داخل ہوس کی طے کر رہا ہوں منزل
مگر جو دیکھا بغور کامل تو ہے یہ رستہ فضول و باطل
وہاں سے آیا جو اس جہاں میں خدا کو لایا نہ کچھ گماں میں
پڑا ہے اس بحر بیکراں میں پتہ نہ پایا کہاں ہے ساحل
عجب ہے قدرت کا کارخانہ نہیں فرشتوں نے جسکو جانا
ثمر جو سمجھا کہ میں ہوں دانا تو وہ ہے سب سے زیادہ جاہل

رہ رہ کے دیکھتا ہے تر چھی نظر سے ہم کو
خنجر لگا رہا ہے قاتل سنبھل سنبھل کر

وہ شہ حسن ہیں عشاق ہیں ناچیز فقیر
اس سبب سے انھیں بھاتی نہیں سنگت ہنگی

کیوں نہ ہو مجھکو جستجو تیری
دل میں رہتی ہے آرزو تیری

"سہرا" چند اشعار

آج متھرا کے کنہیا کے ہے سر پر سہرا | منزلت اس سے کہاں پائیگا بڑھکر سہرا
حسن میں یوسفِ ثانی ہے ہمارا نوشہ | بر قعۂ چہرۂ انور ہے مقرر سہرا
واسطے نذر کے خورشیدِ فلک لے آیا | طشتِ زرّیں ہیں شعاعوں کا منوّر سہرا
قرصِ خورشید سے ہے عقدِ ثریا روشن | یا کہ ہے چہرۂ نوشہ سے منوّر سہرا
پھول کی طرح سماتا نہیں جامے میں ثمر | جوشِ عشرت سے لکھے پھر نہ وہ کیونکر سہرا

قطعہ تاریخ بر وفات منشی شنکر دیال صاحب فرحت، جس کے ہر مصرعہ سے مختلف قسم کے سن کا مادّہ بلا تعمیہ و تخرجہ نکلتا ہے، درج ذیل ہے،

ہیں غمناک مرغانِ باغِ چمن | ہوا خشک کیا گلشنِ شاعری
سنہ ۱۸۱۰ ترکی | سنہ ۱۹۴۴ بکرمی
گیا دہر سے فرحتِ نامور | اٹھا لکھنؤ سے فنِ شاعری
سنہ ۱۲۹۵ فصلی | سنہ ۱۳۰۵ ہجری
رہے خلد میں جا شگفتہ دوام | وہ آتش زدہ خرمنِ شاعری
سنہ ۱۸۰۰ ساکھا | سنہ ۲۱۹۹ رومی
ثمر کیوں نہ ماتم میں بیتاب ہو | کٹی آہ اب گردنِ شاعری
سنہ ۱۸۸۸ عیسوی | سنہ ۱۲۹۴ بنگلہ

ثمر

بابو پریم شنکر قوم کائستھ ولد منشی نرائن داس منصرم عدالت دیوانی باشندہ بریلی ولادت سنہ ۱۸۹۹ء شاگرد جناب بہاری لال جو یا سنہ ۱۹۲۰ء میں قومی تحریک شروع ہونے پر ملازمت سے استعفا دیکر قومی خدمات میں مصروف ہو گئے تھے، اور کئی مرتبہ جیل میں بھی گئے ہیں،

دل کی لگی بجھانے کا ساماں نہیں رہا | آنکھوں میں جوشِ گریۂ طوفاں نہیں رہا

دل بھی گیا جگر بھی گیا جان بھی گئی | پھر بھی ہے ناز عشق میں نقصاں نہیں رہا
کس سے کہیں سنائیں کسے حالِ دل قمرؔ | ہم بیکسوں کا کوئی بھی پرساں نہیں رہا

ناز ہے غمزہ ہے شوخی ہے حیا موجود ہے | مختصر یہ ہے کہ سامانِ قضا موجود ہے
زیست کے پردے میں سنتے ہیں فسانہ موت کا | اے قمرؔ اس ابتدا میں انتہا موجود ہے

بہارِ گل نے کس کو باغ میں خلعت نہیں بخشا | مگر ہم ہیں کہ دامن کا لیے اک تار بیٹھے ہیں

بہ فیضِ حضرتِ گاندھی ہوئی توقیر کھدر کی | کھلی آنکھیں وطن کی جاگ اٹھی تقدیر کھدر کی
تشدد کر نہیں سکتا ہے اس کو مستردہر گز | پسندِ خاص ہے تحریکِ عالم گیر کھدر کی
پہونچ ہی جائیں گے ہم منزلِ مقصود پر اک دن | چراغِ جادۂ سوراج ہے تنویر کھدر کی
وطن کا درد ہو تو کچھ کرد پر چار چرخے کا | قمرؔ تم اپنے دل میں کھینچ لو تصویر کھدر کی

(ج)

جابر

بابو جگل کشور وکیل خلف منشی مادھو چرن کائستھ باشندہ گیا، شاگرد جناب حشرؔ سنہ ۱۹۱۰ء میں بعمر چالیس سال وفات کی،

نہیں پرہیز لازم خاک سے انسان کو ہرگز | کہ آخر خاک میں ملنا ہے اسکو جو بنا گل سے
لڑا دینا آپس میں ہے کارِ دنیا | جو سر ہے کسی کا تو پتھر کسی کا

جام

منشی کنور سین باشندہ بدھولی شاگرد جناب مشرف الدین مسرورؔ

چڑھی ہے باد کی گھوڑی پہ گو موجِ ہوا لیکن | نہ دعویٰ کر سکے گلگوں سے تیری ہمنوائی کا

جانکی

منشی جانکی پرشاد باشندہ ملیح آباد، قوم کھتری ولادت ۱۸۲۰ء آپ کو سنسکرت اور فارسی زبان پر اچھا عبور حاصل تھا، ہندی زبان میں بھی شعر کہتے تھے، ۱۹۱۰ء میں حیات تھے،

زاہد تو کس گھمنڈ پہ کہتا ہے دمبدم ۔۔۔ معلوم ہوگا حشر میں پینا شراب کا
ہم بادہ نوش بحرِ محبت میں غرق ہیں ۔۔۔ دارِ فنا کو سمجھے ہیں عالم ہے خواب کا

جب میں جاتا ہوں رقیبونکو اٹھا دیتے ہیں ۔۔۔ بارِ منّت سے مرے سر کو جھکا دیتے ہیں

جھٹمل

منشی جھٹمل قوم کائستھ خلف منشی موتی لال باشندہ الہ آباد آپ محافظ دفتر کلکٹری بنارس تھے

ہوئے کیسے کیسے جواں مرد پیدا ۔۔۔ بنائے زمیں پر مکاں کیسے کیسے

جری

کنور ہری سنگھ چھتری چوہان خلف ٹھاکر نکھرام داس باشندہ لاہور شاگرد جناب شگن چند روشن پانی پتی، ولادت ۱۸۹۷ء آپ "راجپوت گزٹ" کے ایڈیٹر "دیش بندھو" اخبار کے مالک اور ایڈیٹر رہ چکے ہیں، آپ کی تصنیفات میں صورِ محشر جوشِ اخوت، سیلابِ تمنا، بھارت درش کی دیویوں کے کارنامے، آیاتِ کہن، قابلِ ذکر ہیں،

نہیں معلوم کیوں دل سوز ہے طرزِ بیاں میری ۔۔۔ کلیجا تھام کر سنتی ہے دنیا داستاں میری
تو خود انصاف کر کیونکر خطاوارِ تحمّل ہوں ۔۔۔ خدائی کے ستم اور ایک جانِ ناتواں میری
نہیں ذرّے یہ سب اجزا ہیں میرے جسمِ فانی کے ۔۔۔ فضا کے دشت میں تقسیم ہیں بربادیاں میری
یونہی تحلیل ہو جاؤں گا آخر تیری الفت میں ۔۔۔ گھلا دیگی کسی دن کاہشِ دردِ نہاں میری
بقائے ملک و ملت ہوں گے ثابت حوصلے میرے ۔۔۔ کریگا قدر اک دن اے جری ہندوستاں میری

جگر

منشی شیام موہن لال خلف رائے صاحب منشی کنہیالال باشندہ بریلی ولادت سنہ ۱۸۹۰ء شاگرد جناب عزیز لکھنوی و جلیل و شوکت میرٹھی، آپ کافی عرصہ تحصیلداری کے عہدہ پر مامور رہے

قطعات

جان ان پر نثار کرتا ہوں — مژدہ اے زندگی کہ مرتا ہوں
کیا کہوں زندگی کا حال کُل — جبر سہتا ہوں صبر کرتا ہوں

دل سے طاعت تری نہیں جاتی — ہم سے اب بندگی نہیں جاتی
ایسی کچھ بے دلی سی غالب ہے — کہ تری یاد بھی نہیں جاتی

مانا جنوں نے مجکو سبکدوش کر دیا — سر ہے تو سر کے ساتھ ہیں بارِ گراں کئی
کیا زندگی سے ہو کوئی عہدہ برا جگر — اک جانِ زار اور غمِ جانستاں کئی

ہمالہ سے دو باتیں

بھلا مجال کہاں مجھ سے بے زبانوں کی — کہ منھ سے بات کہوں کچھ فلک نشانوں کی
ترے وجود سے عالم پہ ہو گیا روشن — کہ خاکِ ہند میں رفعت ہے آسمانوں کی
وہ پھول ہیں ترے دامن میں سامنے جن کے — بہار گرد ہے دنیا کے گلستانوں کی
گپھاؤں سے تری نکلی تو سارے عالم میں — صدائیں گونج اٹھیں توحید کے ترانوں کی
بلندیوں سے تری وہ رواں ہوئے چشمے — حیات جن سے ہے دنیا کے باغبانوں کی
ہے مجاز میں بو نشۂ حقیقت ہے — وہ یادگار ہے تو عشق کے فسانوں کی
تری بلندیِ عز و وقار کے آگے — چلی نہ ایک ہوائی جہاز رانوں کی
وہ صور پھونک دے اپنے لبِ مبارک سے — کہ یاد تازہ ہو بھولے ہوئے فسانوں کی
اٹل ہوں جن کے ارادے خیال جن کے بلند — اٹھیں زمینِ وطن سے اب ایسے حوصلہ مند

جگر

منشی لونگ بہادر ایم. اے. وکیل قوم کائستھ باشندہ گورکھپور، شاگرد جناب وسیم بریلوی،

کیوں گنتے ہو زخموں کو کیوں آنکھ ہے ترکش پر — یہ تیر تمہارے تھے کیوں کوئی خطا ہوتا
اے تیرِ نظر کس کو اب ڈھونڈ رہا ہے تو — سینہ میں جو دل ہوتا کب تجھ سے چھپا ہوتا

کیا دلفریب حسن ہے چوٹی میں ھار کا — زیور ملا ہے شاخ کو صبحِ بہار کا
اے دردِ عشق دل کی تڑپ ہے حیاتِ دل — اچھا نہیں سکون دلِ بیقرار کا

دشمن کے گھر گیا میں کسی کو پکارنے — اچھا کیا سلوک دلِ بیقرار نے
کافر ترے خیال نے کیا غم غلط کیا — رکھا نہ تھا کہیں کا غمِ روزگار نے

مجھ سے جو سنا ہوتا افسانہ مرے غم کا — اشک آنکھوں میں بھر آتے دل تھام لیا ہوتا

جگل

منشی جگل کشور خلف دیوان تربھون لال، باشندہ بلدہ (بھوپال) خوش نویسی میں صاحبِ کمال تھے، اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے،

کچھ ہمیں نامِ خدا پروائے سیم و زر نہیں — خاکِ کوئے یار کیا اکسیر سے بہتر نہیں
وہ ذی بہشتی مرا ہم خانہ ہوا — فردوس بریں آج یہ کاشانہ ہوا

جگناتھ

منشی جگناتھ ولد منشی بشن پرشاد وکیل قوم کائستھ باشندہ قصبہ ٹکاری ضلع گیا آپ نے اپنا تخلص کوئی نہیں رکھا مقطع میں پورا نام لکھتے ہیں، آپ کی شاعری زیادہ تر مذہبی شاعری ہے، تصانیف میں کرشن ساگر، بال لیلا چترگپت پنسادلی کتھا ست نرائن منظوم ہیں،

سمرلے ست نارائن کو اے دل — مرادِ دل ہو جس سے حاصل
بظاہر گو نہاں، لیکن ہے ہر جا — اسی سے ہے یہ موجودات پیدا
فلک ہے ارض ہے شمس و قمر ہے — پری ہے دیو ہے جنّ و بشر ہے

جلیس

منشی رام سروپ شاگرد جناب صفیر فرخ آبادی

قتل ہو کر اے ستم آرا شہیدوں نے ترے — چادریں پائیں کفن کو زخم دامن دار کی
اے جنوں ملتی ہے کس کو کوئے دلبر کی غذا — سب بسر کرتے ہیں کھا کر ٹھوکریں دیوار کی

جوڑ رکھے ہیں باتوں میں جلیس ان سے یہ کہہ دو — چھیڑیں گے شبِ وصل میں ہم اور زیادہ

جنگ

منشی جنگ بہادر باشندہ میرٹھ. آپ کلکٹری کچہری بندوبست میں ناظر تھے، شاعری میں کسی کے شاگرد نہیں تھے، اخبار "انیسِ ہند" کے ایڈیٹر رہ چکے ہیں، آپ کی تصنیفات میں چمنستانِ دلچسپ، چمنستانِ معرفت، چمنستانِ صحت ہیں، ۱۹۰۷ء میں بعمر پچاس سال وفات کی،

خونِ ارماں کا شبِ وصل بھی کیا کیا نہ ہوا — دل مرا غنچۂ تصویر تھا گویا نہ ہوا
پاسِ الفت رہا مجنوں کو بیاباں میں بھی — آہوئے چشم کوئی آہوئے صحرا نہ ہوا

جگر میں گیا دل سے پیکاں نکل کر — اٹھا درد بھی ساتھ پہلو بدل کر
مرے ساتھ ہے انقلابِ زمانہ — بدل دو نگا دنیا کو کروٹ بدل کر

دل میں حسرت کا ہے خوں ڈھیر ہے ارمانوں کا — کیا برا حال ہوا ہے مرے مہمانوں کا
پڑی ہے اوس نالوں سے مرے بلبل کے شیون پر — گرا دو مسکرا کر برق تم پھولوں کے خرمن پر
سن کے آمد کی خبریاں بیخودی طاری ہوئی — ان کے آنے نے مرے جانے کا ساماں کر دیا

جنوں

منشی چندر پرکاش خلف منشی کالکا پرشاد، باشندہ لکھنؤ، شاگرد جناب عاشور علیخاں بہادر،

سامری سے بھی سوا کرتی ہیں جادو زلفیں
جان پر کھیل گئے دیکھ کے ہندو زلفیں

وصف میں شانے کے مانند جو الجھا دل ہے
خود بتا دیتی ہیں مضمون کا پہلو زلفیں

اے جنوں قتل کو تیرے ہی لئے مقتل میں
بنگئی ہیں رسن و تیغ دو ، ابرو زلفیں

جنوں

منشی مائی دیال خلف منشی تو ندرائے ملازم محکمۂ کلکٹری میرٹھ، شاگرد جناب عبدالصمد صاحب فوق

میں جو شاکی ہوا مقدر کا
پھر گیا مجھ سے دل ستمگر کا

بوسۂ لب خیال میں جو لیا
اڑ گیا رنگ روئے دلبر کا

کس صفائی سے ذبح کرتا ہے
دیکھیں جوہر تمہارے خنجر کا

پھنس گیا ہوں میں سبزۂ خط میں
دیکھنا پیچ چرخ اخضر کا

جنوں

منشی کشن سہائے باشندہ سکندرہ، شاگرد جناب نسیم علیگڈھی

لب و دنداں مسی مالیدہ سے تیرے یہ ظاہر ہے
گہر کا لعل کا نیلم کا بس یکجا یہ مخزن ہے

سو یا کیا جو کوٹھے پہ دلبر تمام رات
لوٹا کیا مزے مہ انور تمام رات

جوان

بابو ہزاری لال شاگرد جناب منشی غلام حسین قدر۔ ۱۸۷۰ء میں آپ لکھنؤ میں مقیم تھے

ہم تم تھے کوئی روز ازل رخنہ گر نہ تھا
انساں تو چیز کیا ہے ملک کا گذر نہ تھا

کیا کیا عذاب ہجر مری جان پر نہ تھا
تیرے بغیر گور سے کم میرا گھر نہ تھا

پتھر کا تیرا دل ہے تو فولاد کا جگر
اس پر بھی میرا نام کوئی بے اثر نہ تھا

ہم چھپ کے پیتے کیوں بھلا رمضان میں شراب
واعظ کا خوف کیا جو خدا ہی کا ڈر نہ تھا

جواهر

منشی جواہر سنگھ شاگرد جناب جرأت لکھنوی آپ ایک اُدجا گر نام کی طوائف پر عاشق تھے

جلوے سے تیرے ہے یوں سارا امکاں اُدجاگر
خورشید سے ہو جیسے سارا جہاں اُدجاگر

جودت

منشی ہری رام باشندہ مرشد آباد، وطن ٹونک، آپ شاہ عالم بادشاہ کے عہد میں نواب علاء الدولہ کی سرکار میں توسّل رکھتے تھے

واعظ کی بات دل سے میں کہنے کا نہیں
پتھّر کی چوٹ شیشۂ دل سہنے کا نہیں

جودت

لالہ پنّا لال شاگرد جناب سید احمد نکہت

جب طلب کرتا ہوں بوسہ ہنس کے فرماتے ہیں وہ
تجھکو سودا آج ہی جودت مقرّر ہو گیا

جودت

منشی جدّ ہیر سہائے کائستھ خلف منشی بنواری لال صوفی باشندہ مانپور ضلع گیا شاگرد جناب حشر و کوثر و شفق خیر آبادی ۱۹۱۴ء میں ۵۵ سال کی عمر میں رحلت کی

ان کی آنکھوں پر چڑھے گیا دل کسی بیتاب کا
پنجۂ مژگاں سے قطرہ کب اٹھا سیماب کا

آنکھ بھر آتی ہے جودت یاد میں اس مست کی
دیکھتا ہوں جب بھرا ساغر شراب کا

اب وہی قاتل وہی سفاک ہیں خونریز ہیں
کانپ اٹھتے تھے جو خونِ مرغِ بسمل دیکھکر

بحرِ ہستی میں نہ کر ایامِ پیری کا ملال
لوگ خوش ہوتے ہیں کشتی قربِ ساحل دیکھکر

تمنائے قدمبوسی مبارک خاکساروں کو
کہ اب وہ روندتے ہیں مٹنے والوں کے مزاروں کو

عدو کو بھی ہے دعویٰ سرفروشی کا تو بہتر ہے
انہی کو آزما لو پہلے پھر ہم جاں نثاروں کو

طور پر برق جو چمکی ہوئے موسیٰ بیہوش
جلوۂ رخ کے سوا اس میں کوئی راز بھی تھا

کج ادائی نے تمہاری یہ اثر دکھلایا
پڑگئے زلفِ سیاہ فام میں خم آپ سے آپ
نشانِ نقشِ پائے رفتگاں پایا نہ عالم میں
اڑائی منزلوں کی خاک گردِ کارواں ہوکر
نظر آیا جو نہ مقتل میں وہ قاتل مجکو
کردیا شوقِ شہادت ہی نے بسمل مجکو

جوشؔ

ماسٹر رام کشن مہتمم "گلدستۂ بہارِ سخن" رتلام

بسترِ غم پہ پڑے ہم رہیں مردہ ہوکر
حیف بالیں پہ نہ تم آؤ مسیحا ہوکر
بعدِ مُردن مری تربت پہ اُگے گا نرگس
مرمٹے ہم جو یہاں محوِ تماشا ہوکر

غیر کو پاس بٹھاؤ تو بٹھاؤ لیکن
اپنی محفل سے اٹھاتے ہو عبث تم مجکو

جوشؔ

لالہ سری رام خلف لالہ شیو سہائے برقؔ، آپ عدالت فوجداری میرٹھ میں مختار تھے

اس کے کوچے میں مجھے جانے دو
طپشِ دل ذرا بجھانے دو
جوشؔ ماریں گے ہاتھ لاکھوں میں
زلفِ ناگن کو کاٹ کھانے دو

جوشؔ

منشی شمبھو سہائے کائستھ ولد منشی رودر سہائے، باشندہ بریلی شاگرد جناب مرزا رستم بیگ قیصرؔ بریلوی، ولادت ۱۸۷۶ء آپ اخبار "آریہ پتر" بریلی کے ایڈیٹر رہ چکے ہیں،

شبِ وعدہ ہے محوِ انتظارِ یار بیٹھے ہیں
عجب عالم ہے سوتے ہیں نہ ہم بیدار بیٹھے ہیں
عبثؔ جاجا کے کوئے یار میں اغیار بیٹھے ہیں
وہ جس خواہش سے بیٹھے ہیں وہاں بیکار بیٹھے ہیں
یہ مشکل ہمسری کب دیکھ سکتی ہے مری غیرت
کہ محفل میں برابر آپ کی اغیار بیٹھے ہیں
اجل بھی جس سے کوسوں بھاگتی ہے وہ بلا غم ہے
نہیں مرتے جو مرنے کے لئے تیار بیٹھے ہیں
عبثؔ ہے چارہ سازی دردمندانِ محبت کی
کہیں بستر سے اٹھکر عشق کے بیمار بیٹھے ہیں

بے نطق کر دیا ہے زباں کاٹ کر مجھے ‏ ‏ یہ داد دی ہے شکوۂ بیداد پر مجھے
رہتا ہے وقتِ جوششِ گریہ یہ ڈر مجھے ‏ ‏ ڈوبے کہیں نہ لے کے یہ چشمِ تر مجھے

جوش

پنڈت لبھورام باشندہ ملسیان ضلع جالندھر شاگرد جناب داغ دہلوی، ولادت ۱۸۸۲ء صاحبِ دیوان اور استاد شاعر ہوئے ہیں ۱۹۷۶ء میں وفات کی،

اتنا گمراہ نہ کرنا صحِ ناداں مجھ کو ‏ ‏ بڑھ کے ایماں سے ہے وہ دشمنِ ایماں مجھکو
سوزشِ داغِ دروں سے نظر آتا ہے یہی ‏ ‏ پھونک دیگا یہ چراغِ تہِ داماں مجھکو
گھر سے وحشت میں نکلتا ہوں جو صحرا کی طرف ‏ ‏ پاؤں پڑ پڑ کے مناتا ہے گریباں مجھکو
دولتِ کفر کی امید نہ چھوڑوں گا کبھی ‏ ‏ مل ہی جائیگا کوئی دشمنِ ایماں مجھکو
گھر بیاباں میں بنایا تو یہ رتبہ پایا ‏ ‏ سر پہ دیتے ہیں جگہ خارِ مغیلاں مجھکو
میرے اعمال ہوں سر سبز الٰہی کیوں کر ‏ ‏ تو نے پیدا ہی کیا سوختہ ساماں مجھکو
ہوسِ جاہ رہی مانعِ طاعت اے جوش ‏ ‏ سر و ساماں نے کیا بے سر و ساماں مجھکو

یہی التجا ہے کہ اے خدا مجھے حشر سے تو معاف رکھ ‏ ‏ وہ ترے حضور میں آئے گیا جو کسی کو منھ دکھا سکے
یہ ادا ہوئی کہ جفا ہوئی یہ کرم ہوا کہ سزا ہوئی ‏ ‏ اسے شوقِ دید عطا کیا جو نگہ کی تاب نہ لا سکے

اب اس شکوے سے کیا حاصل کہ ہر خود غرض نکلا ‏ ‏ پرائی آس جو تکتے ہیں اکثر خوار ہوتے ہیں
دور کر دیتا ہے راہِ شوق کی تاریکیاں ‏ ‏ شمع بن جاتا ہے پروانہ یہ جل جانے کے بعد
سرگذشتِ اہلِ محفل ہے بہت ناگفتنی ‏ ‏ شمع کو معلوم ہے سب کچھ مگر خاموش ہے

جوہر

رائے جواہر سنگھ خلف رائے بختاور سنگھ باشندہ لکھنؤ، ولادت ۱۸۲۴ء شاگرد جناب خواجہ وزیر و مرزا ناطق، فارسی کلام بھی کہتے تھے، پانچ دیوان و دیگر تصنیفات آپ سے یادگار ہیں ۱۸۸۰ء میں وفات کی،

نکالے جانے پر جنت سے گر ہے نسل آدم کی ‏ ‏ گذر ممکن نہیں اے شیخ پھر جنت میں انساں کا
ترے ہنسنے نے کر دی عشرتِ صبحِ وطن پیدا ‏ ‏ دکھایا لطف مستی نے تری شامِ غریباں کا

اصل مطلب ایک ہے آگاہ و ناآگاہ کا　　ہے الکھ کا ترجمہ عربی میں لفظ اللہ کا
کس کو ہے اس کے فروغ شمع وحدت کی نظر　　ایک موسیٰ ہی تھا پروانہ تجلی گاہ کا

ترے ہاتھوں شہادت میرے سر کٹنے کی دیتا ہے　　دھڑکنا میرے سینہ کا پھڑکنا تیرے بازو کا
روبرو آپ کے کیا یوسف مصری کی بساط　　سر بازار بچھاتے ہیں خریدار آنکھیں
آفت جاں ہوا عالم کیلئے تو پیدا　　کس بلا کے ہوئے چشم و رخ و گیسو پیدا
نہ کوئی رہا ہے نہ کوئی رہے گا　　فقط ایک نام نکوئی رہے گا
تجھ کو اے شاہ حسن کیا دیکھا　　بخدا سایۂ خدا دیکھا

جوہر

پنڈت دینا ناتھ باشندہ لکھنؤ خلف پنڈت دبی پرشاد، شاگرد جناب امانت لکھنوی،

قتل کرادو قاتل بے پیر اپنے ہاتھ سے　　غیر کو دیتا ہے کیوں شمشیر اپنے ہاتھ سے
زلف چھو کر اس بت کافر کی قیدی ہم ہوئے　　پائے دل میں پڑ گئی زنجیر اپنے ہاتھ سے
جب تلک ہوتی نہیں تقدیر اے جوہر بہم　　بن نہیں پڑتی کوئی تدبیر اپنے ہاتھ سے

جوہر

لالہ مادھو رام ویش رئیس اعظم ولد لالہ جواہر مل باشندہ فرخ آباد، شاگرد جناب سید اسمٰعیل حسین منیر، صاحب دیوان ہوئے ہیں، چودھوی صدی ہجری کے اوائل میں وفات کی، آپ اپنے دور کے استاد شاعر تھے،

نیند آنکھوں میں بھری ہے کہاں رات بھر رہے　　کس کے نصیب تم نے جگائے کدھر رہے
ہر دم جتائیے نہ محبت شب وصال　　جب یہ نگاہ آپ کی وقت سحر رہے
ناوک میں راستی ہو کجی ہو کمان میں　　ٹیڑھی اگر بھنویں ہوں تو سیدھی نظر رہے
وہ سر اٹھا کے دیکھ لیا غیر کی طرف　　آنکھوں میں کچھ حیا ہو تو نیچی نظر رہے
شب جیسی گذری دن بھی گذر جائیگا مرا　　جائیں وہیں حضور جہاں رات بھر رہے

ہر دم گلے سے اپنے لگائے رہوں انھیں یہ ہاتھ ہیں وہی جو ترے سینہ پر رہے
بھاگو ہزار کھینچ ہی ہم لیں گے ایک دن جوہرؔ کی آہ وہ نہیں جو بے اثر رہے

نالۂ بلبلِ شیدا تو سنا ہنس ہنس کر اب جگر تھام کے بیٹھو مری باری آئی
بھانپ ہی لیں گے اشارہ سرِ محفل جو کیا تاڑنے والے قیامت کی نظر رکھتے ہیں
آئی ہے ان کے کوچہ سے آوازِ دردناک ہم ہوں کہ دل ہو کوئی تو دونوں میں مر گیا
مہِ نو، ابروِ پُر خم، نگہہ برگشتہ ہم نے ٹیڑھا جسے دیکھا اسے خنجر جانا
کس کے دلِ شکستہ کے ماتم میں اے کریم ابتک سیاہ پوش ہے کعبہ خلیل کا
ذرہ سمجھ کے یوں نہ ملا مجکو خاک میں اے آسمان میں بھی کبھی آفتاب تھا

جوہر

لالہ جوہر لال۔ شاگرد جناب غلام عباس صاحب

جبکہ خنجر میاں سے قاتل کا باہر ہو گیا سینکڑوں کا سر سے تن، تن سے جدا سر ہو گیا

جوہر

منشی لکشمی نرائن کائستھ باشندہ بدایوں، ولادت ۱۸۹۷ء شاگرد جناب مہاراج بہادر برقؔ دہلوی، آپ بعہدہ نائب صد خزانچی خزانہ بدایوں رہ چکے ہیں، مشکل زمینوں میں طبع آزمائی کرتے تھے۔

ارے صیاد مجبوری اسی کا نام ہے شاید نشیمن جل رہا ہے دیکھتے ہیں ہم ترے گھر سے
قفس میں دل کی ہر جنبش پہ اتنا ہوش آتا ہے کہ انجامِ خزاں کا ذکر تھا نکلے تھے جب گھر سے
بہارِ سیرِ گلشن ہے اگر اپنے مقدر میں قفس کی تیلیاں سرسبز ہوں گی دیدۂ تر سے

خلش ہوتی ہے اب تارِ نفس سے رگِ جاں میں مری ناکامیوں سے پوچھ میری زندگی کیا ہے
گریباں گیر کہتا ہے مرے آنسو کا ہر قطرہ کہ میں وہ آبلہ ہوں جس میں پنہاں دل کی دنیا ہے

دمِ تصوّر ہے بہرِ تسکیں خلش کا سامان دل و جگر میں
دُکھا لیا زخم ہجر کی شب کبھی کہیں کا کبھی کہیں کا
گرے آنکھوں سے اتنے لختِ دل یاقوت بن بن کر
نظر آتا تھا تارِ اشک اک زنجیر پتھر کی
راہ میں دو دو قدم پر ضعف نے بٹھلا دیا
ناتوانی نے مری منزل کے ٹکڑے کر دیئے

جوہر

منشی جواہر سنگھ باشندہ بریلی مقیم ریاست ریواں بندیل کھنڈ شاگرد جناب موسیٰ حسین اختر

خم پہ خم گیسوئے پیچاں کو دیئے جاتے ہیں کیوں
آپ کچھ فرمائیں تو یہ جال پھیلاتے ہیں کیوں
دل کے لیتے وقت تو اللہ رے بے باکیاں
اب سوالِ وصل سُن کر آپ شرماتے ہیں کیوں

اللہ اللہ کس بلا کی ہے تری برقِ جمال
تابِ نظارہ نہ لا یا طور جل کر رہ گیا

جوہر

منشی دیوالی سنگھ، باشندہ بریلی۔ آپ اوائل انیسویں صدی میں حیات تھے

ہے دستِ شانہ زلفِ بتِ خود پسند پر
یا یہ چڑھا ہے چور لپٹ کر کمند پر
تجھ بن ہے خراب زندگانی
دل پر ہے عذاب زندگانی

جوہری

لالہ جوالا پرشاد کائستھ باشندہ شہر رامپور

پسِ فنا مری کیا کھائیگا سگِ جاناں
نہ ہڈیاں مری پیشِ ہما تراش کے پھینک

جوہری

منشی شیو پرشاد دیش خلف لالہ مادھو رام جوہر رئیس باشندہ فرخ آباد، شاگرد جناب حقیر فرخ آبادی

ہم کہیں کے نہ رہے ہائے دل آجانے سے
تھے جو اپنے نظر آنے لگے بیگانے سے
ہوش ان کے بھی اڑائے ہیں پری زادوں نے
آج ناصح بھی نظر آتے ہیں دیوانے سے
واعظو، ہم سے نہ کچھ اسکی حقیقت پوچھو
آئے ہیں نورِ خدا دیکھ کے بتخانے سے
تم ہی للہ نکالو کوئی صورت اس کی
دلِ بیتاب سمجھتا نہیں سمجھانے سے

جستجو کیا نزع میں ہو شربتِ دیدار کی
زہر ہوتی ہے دوا بگڑے ہوئے بیمار کی
کیوں نہ آنکھیں ان کی آنکھوں سے ملیں ہم بزم میں
کچھ رعایت چاہیئے بیمار کو بیمار کی

جوہری

لالہ مکند لال باشندہ قصبہ کاکوری - آپ حیدرآباد میں کسی محکمہ میں نائب مددگار تھے، صاحب دیوان ہوئے ہیں،

ہوش و خرد و تاب و تواں عشق لے گیا
ثابت قدم اس راہ میں اک دل نظر آیا
رہے آباد میخانہ ہماری تو دعا یہ ہے
بسائیں دیر و کعبہ جاکے شیخ و برہمن اپنا
نہ روح کا ہے بھروسہ نہ اعتبارِ بدن
ہوا حباب میں ہے یا حباب شیشہ میں
وعدۂ یار گذر جائے گا، مرجائیں گے
ملک الموت سے کہدو کہ تقاضا کیا ہے
جگر سے دل سے بدن سے تو ہو چکی رخصت
لبوں پہ جاں ہے ترا انتظار باقی ہے
ہم نہ سرکش سے جھکیں وہ نہ جھکے گر پہلے
خم نہ ہو تیغ تو یاں جھکتا ہے کب سر پہلے
دل تو جلتا ہے مگر آہ و فغاں کچھ بھی نہیں
آگ یہ کیسی لگی ہے کہ دھواں کچھ بھی نہیں

جھمّن

منشی جھمّن ناتھ باشندہ دہلی، شاگرد حضرت میر درؔد، آپ کے بزرگ ہمیشہ سرکارِ شاہی میں ملازم رہے، ۱۱۹۰ھ میں حیات تھے،

دل جوں سپندِ عشق کی آتش سے جل گیا
اک آہ کھینچتے ہی مرا دم نکل گیا
اشک ہوتے ہی تولّد اس قدر رسوا ہوا
یہ تو لڑکا حضرتِ مجنوں کا بھی باوا ہوا

مانگے جو کوئی موتی کا دانہ تو اس کو پھر
دیتے ہیں اپنے سونے کی مالا گلاب رائے
شاباش اسکی ماں کو جو ایسا جنا ہے پوت
جیوے وہ اس کا کھیلنے والا گلاب رائے

جویا

منشی رام بہادر لال خلف منشی رام غلام قوم کائستھ باشندہ قصبہ آنولہ ضلع بریلی ولادت ۱۸۷۵ء شاگرد جناب رگھوبر سہائے بریاں جہاں آبادی، صاحبِ دیوان

و صاحبِ تلامذہ ہوئے ہیں،

بر وفات پنڈت موتی لال نہرو

اشکِ ماتم کیا کریں شرحِ بیانِ آرزو
بے زباں کا ہے فسانہ داستانِ آرزو

نذرِ آتش ہو رہا ہے گلستانِ آرزو
دیکھتی اب کیا ہے چشمِ خونفشانِ آرزو

مٹ گیا نقشِ حبابِ باغبانِ آرزو
کس کو چومیگی بہارِ بے خزانِ آرزو

رو رہا ہے کیوں جواہر لال نہرو زار زار
خوں نشاں کیوں ہے چراغِ خاندانِ آرزو

ہم سے چھینے جارہے ہیں آج موتی لال آہ
لٹ رہا ہے آج گنج شائیگانِ آرزو

اتحادِ ہند و مسلم کا حامی اب کہاں
یوسفِ بے کارواں ہے کاروانِ آرزو

دامنِ گلچیں ہے یا ہے دامنِ آغوشِ گنگ
پھول پنڈت جی کے ہیں یا گلستانِ آرزو

شاہدِ معنیٰ کا جلوہ دل کے کاشانے میں تھا
جامِ جم کا لطف اک مٹی کے پیمانے میں تھا

میں کہاں تھا بیخودی میں کچھ نہیں مجکو خبر
ہوش اتنا ہے کہ گھر میں تھا نہ ویرانے میں تھا

مجھے گالیاں تو نے برسوں میں دی ہیں
دعائیں مری آج پھولی پھلی ہیں

گلہ ہے فلک سے نہ شکوہ بتوں سے
عدو حضرتِ دل مرے آپ ہی ہیں

جہانگیر

سردار کیسرا سنگھ ولد سردار بوٹا سنگھ باشندہ امرتسر، ولادت ۱۸۷۱ء شاگرد جناب پروفیسر آزاد دہلوی،

دورِ ساغر دورِ گردوں ہو گیا
چشمِ ساقی سے مروت اٹھ گئی

کوئی ایسا نہیں ملتا کہ ملائے اس سے
یوں تو اپنی بھی زمانے سے شناسائی ہے

صیدِ بسمل کے تڑپنے سے تغافل اس قدر
ایک دن بجلی گر گئی خانۂ صیاد پر

دیر و حرم ہیں شیخ و برہمن کے واسطے
ہم جن کو پوجتے ہیں وہ پتھر ہی اور ہیں

یہ ناز یہ غرور لڑکپن میں تو نہ تھا
آفت ہے زندگی میں زمانہ شباب کا

ملکِ دل لٹنے دیا کر نہ سکے کچھ افسوس
نام کو ہم بھی جہانگیر بنے پھرتے ہیں
جہانگیر گھبرا گئے اتنی جلدی
محبت ہے یہ کچھ حکومت نہیں ہے

(چ)

چاند

پنڈت چاند نرائن رینہ کشمیری ولد پنڈت کنور نرائن نبیرہ پنڈت شیو نرائن شمیم ایڈوکیٹ باشندہ لاہور، ۱۹۳۲ء میں آپ بمقام گورداسپور اکسٹرا اسسٹینٹ کمشنر تھے

میرے دل کا کبھی پورا کوئی ارماں نہ ہوا
مجھ پہ اے خوبیِ قسمت ترا احساں نہ ہوا
قطرۂ بارشِ رحمت کو ترستا ہی رہا
میں وہ غنچہ ہوں کہ اب تک گلِ خنداں نہ ہوا

ہمنشیں ہے درد کا میرے مداوا کیفِ درد
فکرِ درماں سے سوا ہوتا ہے جو وہ درد ہوں
گلستانِ آرزو سرسبز ہو کیوں کر مرا
رشکِ صد بادِ خزاں ہو جو وہ آہِ سرد ہوں

چکبست

منشی برج نرائن کشمیری خلف منشی پورن چند افق باشندہ لکھنؤ پیشہ وکالت ولادت ۱۸۸۲ء آپ خاندانی شاعر تھے اور اپنے دور میں استادِ شاعری مانے جاتے تھے، ۱۹۲۶ء میں وفات کی،

دردِ دل پاسِ وفا جذبۂ ایماں ہونا
آدمیت ہے یہی اور یہی انساں ہونا
زندگی کیا ہے عناصر میں ظہورِ ترتیب
موت کیا ہے انہی اجزا کا پریشاں ہونا
مجھکو منظور ہے اے دیدۂ وحدت آگیں
ایک غنچے میں تماشائے گلستاں ہونا
جس طرح خم سے کسی جام کا ٹکڑا نکلے
یونہی گردوں سے مہِ نو کا نمایاں ہونا
سر میں سودا نہ رہا پاؤں میں بیڑی نہ رہی
میری تقدیر میں تھا بے سروساماں ہونا
ہے مرا ضبط جنوں جوشِ جنوں سے بڑھکر
ننگ ہے میرے لئے چاکِ گریباں ہونا

نظم "خاکِ ہند"

اے خاکِ ہند تیری عظمت میں کیا گماں ہے　　دریائے فیضِ قدرت تیرے لئے رواں ہے
تیری جبیں سے نورِ حسنِ ازل عیاں ہے　　اللہ رے زیب و زینت کیا اوجِ عز و شاں ہے
ہر صبح ہے یہ خدمت خورشیدِ پُرضیا کی
کرنوں سے گوندھتا ہے چوٹی ہمالیا کی

گوتم نے آبرو دی اس معبدِ کہن کو　　سرمد نے اس زمیں پر صدقے کیا وطن کو
اکبر نے جامِ الفت بخشا اس انجمن کو　　سینچا لہو سے اپنے رانا نے اس چمن کو
سب سور بیر اپنے اس خاک میں نہاں ہیں
ٹوٹے ہوئے کھنڈر ہیں یا ان کی ہڈیاں ہیں

ہر سو سے ہو رہا تھا برہم سماں ہمارا　　دنیا سے مٹ رہا تھا نام و نشاں ہمارا
کچھ کم نہیں اجل سے خوابِ گراں ہمارا　　اک لاشِ بے کفن ہے ہندوستاں ہمارا
اس کے بھرے خزانے برباد ہو رہے ہیں
ذلت نصیب وارث غفلت میں سو رہے ہیں

ہے جوئے شیر ہم کو نورِ سحر وطن کا　　آنکھوں کی روشنی ہے جلوہ اس انجمن کا
ہے رشکِ مہر ذرہ اس منزلِ کہن کا　　تلتا ہے برگِ گل سے کانٹا بھی اس چمن کا
گرد و غبار یاں کا خلعت ہے اپنے تن کو
مر کر بھی چاہتے ہیں خاکِ وطن کفن کو

راماین کے چند بند

سُن کر زباں سے ماں کی یہ فریاد درد خیز　　اس خستہ جاں کے تن پہ چلی غم کی تیغِ تیز
عالم یہ تھا قریب کہ آنکھیں ہوں اشک ریز　　لیکن ہزار ضبط سے رونے سے کی گریز
سوچا یہی کہ جان سے بے کس گذر نہ جائے
ناشاد ہم کو دیکھ کے ماں اور مر نہ جائے

کہتے تھے لوگ دیکھ کے ماں باپ کا ملال　　ان بیکسوں کی جان کا بچنا ہے اب محال

ہے کبریا کی شان گذرتے ہیں ماہ و سال | خود دل سے دردِ ہجر کا مٹتا گیا خیال

ہاں کچھ دنوں تو نوحۂ ماتم ہوا کیا
آخر کو رو کے بیٹھ رہے اور کیا ہوا

اپنی نگاہ ہے کرمِ سازگار پر | صحرا چمن بنے گا وہ ہے مہرباں اگر
جنگل ہو یا پہاڑ سفر ہو کہ ہو حضر | رہتا نہیں وہ حال سے بندہ کے بے خبر

اس کا کرم شریک اگر ہے تو غم نہیں
دامانِ دشت دامنِ مادر سے کم نہیں

چمن

منشی رنجیت سنگھ خلف منشی سردار سنگھ قوم کائستھ باشندہ دہلی، شاگرد جناب راسخ دہلوی

یہ کہکر توڑ ڈالا اس بتِ خود سر نے آئینہ | ہمارے رخ سے ملتا ہے تمہارے دل سے ملتا ہے
سمجھ کر سوچ کر دل کو مٹا نا یاد رکھئے گا | وہ دل جو دل سے مل جائے بڑی مشکل سے ملتا ہے

بلبل کو روئے یار پہ گل کا خیال ہے | پروانے کی نگاہ میں شمع جمال ہے
ذکرِ وصالِ غیر سے چڑتے ہو کس لئے | سچ ہو کہ جھوٹ ہو یہ ہمارا خیال ہے
حورانِ خلد پر جو مٹیں کیا غرض ہمیں | دلی میں اے چمن کیا حسینوں کا کال ہے

چمن

منشی بہاری لال خلف لالہ گنگا پرشاد، باشندہ بلاسپور، سر رشتہ دار سیتاپور، شاگرد جناب مقصود عالم مقصود

ترے بیمارِ فرقت کو یہ اس نے ناتواں پایا | اجل نے لاکھ ڈھونڈا پر نہ بستر پر نشاں پایا
رہی بعدِ فنا بر باد مٹی جسمِ لاغر کی | نشاں آرام کا ہم نے نہ زیرِ آسماں پایا
گلِ زخمِ نہاں پھولے ہزاروں جسمِ لاغر میں | یہ شاخِ تیغِ قاتل کا ثمر اے باغباں پایا
نہ چھوڑا ساتھ میر ا بعدِ مُردن یاس و حرماں نے | انہی دو کو نگہبانِ مزارِ بے نشاں پایا

بہت سی خاک چھانی اے چمن باغ معانی کی ۔۔۔ جناب حضرت مقصود کو اک نکتہ داں پایا

چمن

منشی شادی لال کائستھ باشندہ لکھنؤ، آپ منشی رام سہائے رونق کے برادر زادہ تھے، اردو اور فارسی زبان کے استاد تھے

ساقی نامہ

کدھر ہے ساقی میکش کدھر ہے ۔۔۔ طبیعت اب ہماری جوش پر ہے
خوشی سے تیری ساقی ہے ہمیں کام ۔۔۔ نہ دینا دوسرا دے ایک ہی جام
ہوس نے بے طرح مجکو ہے گھیرا ۔۔۔ پھر اے ساقی میں ہوں مشتاق تیرا
ہزاروں کو پلائے سینکڑوں جام ۔۔۔ رکھ ایسے دور میں نہ ہم کو ناکام
جھلک ساغر کی دکھلاتا ہے ساقی ۔۔۔ ہمیں پھر جوش میں لاتا ہے ساقی
ارادے لطف کے رکھتا نہیں گر ۔۔۔ طبیعت کیوں ہے مائل پھر ہنسی پر

مدت کے بعد مجھ پہ جو فضل خدا ہوا ۔۔۔ پھر آشنا وہی بت نا آشنا ہوا
ابھرا نہ بحر عشق کا ڈوبا کبھی چمن ۔۔۔ یہ امتحاں تو بیشتر دبا رہا ہوا

چمن

منشی رنگ لال کائستھ باشندہ لکھنؤ ۔ شاگرد جناب منشی رام سہائے رونق

مناجات کے چند شعر

ابھی سرسبز کر میرے سخن کو ۔۔۔ بہار بے خزاں دے اس چمن کو
مرے خامے کو دے طوطی کی منقار ۔۔۔ رہے تا شکر میں تیرے شکر بار
زباں گلبانگ وحدت سے ہو یکسر ۔۔۔ برنگ عندلیب نغمہ پرور
تری نکہت سے ہر گل میں ہے خوشبو ۔۔۔ تری قدرت سے بلبل ہے سخن گو

(ج)

حاضر

منشی رادھاکشن ولد منشی برج لال وکیل قوم کائستھ متوطن قدیم قصبہ اکبر پور بارا ضلع کانپور، شاگرد جناب میر طاہر علی صاحب۔ آپ عدالت فوجداری کانپور میں مختار تھے۔ زہد میں زندگی بسر کرتے تھے۔ آپ کے ہندی کلام کا مجموعہ "انند بسری" کے نام سے پانچ حصوں میں شائع ہو چکا ہے، ۱۹۰۲ء میں وفات کی،

عیش کرتے ہیں وہ اب غیر کے گھر میں کیا کیا — فرق آیا مری آہوں کے اثر میں کیا کیا
شام کو بھی نہ کبھی اس کا نشاں ہاتھ آیا — جستجو ہم نے کی تیری کمر میں کیا کیا

تو پھنسالے اگر ان عنبریں زلفوں میں مجھے — بلبلِ دل کو نہ وحشت کوئی صیاد سے ہے
زباں پر سب کی ہے درد زباں وہ — یہ اس کے نام کا ادنیٰ اثر ہے

حامد

لالہ گھمنڈی لال باشندہ مونگھیر، شاگرد جناب ضیغم

نامۂ شوق اسکو رقم کرتا ہوں حامد — کیوں نہ دودِ دلِ مشتاق کبوتر بن جائے

حامی

پنڈت بشن نرائن ولد پنڈت دیبی پرشاد صادق، باشندہ بریلی ولادت ۱۸۹۶ء آپ ریلوے میں ہیڈ کلرک تھے، فارسی زبان پر اچھا دخل رکھتے تھے،

دل میں پیکان رہا جاتا ہے — ان کا احسان رہا جاتا ہے
ہم تو جاتے ہیں عدم کو حامی — ساز و سامان رہا جاتا ہے

آیا ہوں تنگ زندگی مستعار سے — توڑوں گا اس طلسم کو لوحِ مزار سے
خواہش نہ کریں گے کبھی مقدور سے بڑھکر — ہم پاؤں نہ پھیلائیں گے چادر سے زیادہ
گردوں نے طفلِ غنچہ کو بخشا تھا شیرِ صبح — شبنم نے اس میں حرص سے پانی ملا دیا
کنجِ لحد عزیز نہ کیونکر ہو جان سے — ہوتی ہے آدمی کو محبت مکان سے

کل جوانی کی قدر خاک نہ تھی — آج افسوس ہے جوانی کا

حباب

پنڈت امراؤ سنگھ باشندہ لاہور۔ شاگرد حضرت مرزا غالب دہلوی، ولادت ۱۸۴۴ء آپ پچیس سال رڑکی ضلع سہارنپور میں ریاضی کے معلم رہے ۱۹۰۹ء میں وفات کی،

گلشن میں گدگدی سے نسیم سحر کی آج — گل ہنس دیا تو غنچہ بھی مسکرا دیا
نسیم صبح بہاراں سے نرم تھی مری نیند — خروش نالۂ بلبل سے اڑ گئی مری نیند
جنوں تعلیم تھی کیا بزم شب جو صبح ہوتے ہی — گریباں پھاڑتے گھر سے تمہارے ہمنشیں نکلے
نگاہ دیدۂ بے ہوش ہیں ہم — صدائے نالۂ خاموش ہیں ہم

حسرت

منشی ذوقی رام اگروال رئیس و باشندہ شاہجہاں آباد (دہلی) آپ فارسی زبان کے شاعر تھے مگر کبھی کبھی اردو زبان میں بھی طبع آزمائی کر لیتے تھے، مدتوں رام پور اور فرخ آباد میں قیام پذیر رہے۔ فارسی کلام کے صاحب دیوان ہوئے ہیں۔ ۱۸۱۴ء میں رحلت کی،

آنکھ تو رو کے چھوٹ جاتی ہے — دل بچارے پہ آفت آتی ہے
شمع کے طور آفت الفت — سر سے پاؤں تلک جلاتی ہے
درد دل کس سے میں کروں اظہار — سن سکے کون کس کی چھاتی ہے

برنگ آبلہ اے دل کیا یہ زندگانی ہے — کہ جس کے پاؤں پڑتا ہوں اسی کو سرگرانی ہے
حسرت میں کس کس آفت جاں سے بچاؤں دل — عشوہ۔ ادا۔ نگاہ۔ تبسم۔ خرام ناز
ہوشیاری میں جو آرام نہ پایا میں نے — جان کر آپ کو دیوانہ بنایا میں نے
ہائے کس سے کہوں کہ او بدعہد — کیا کہا اور کیا کیا تو نے
قبا پہنے اگر وہ یار سبز — ہو سرو چمن زنہار سبز

حسرت

منشی آتما رام خلف رائے دولت رام نبیرہ راجہ کنول نین بہادر باشندہ دہلی دہلی کی تباہی کے بعد وہ خوشحالی قائم نہ رہ سکی ۱۹۰۳ء میں بعمر ۶۶-۶۷ سال وفات کی

دیکھا جدھر اٹھا کے نظر خاک کردیا — دل کیا بچے کہ تیرے اشارے بلا کے ہیں
گردوں پہ سب شفق جو بتاتے ہیں ہے غلط — بادل رنگے ہوئے ترے رنگِ حنا کے ہیں

وہ دن گئے جو راحت و عشرت نصیب تھی — حسرت تو مبتلائے غم و فکرِ ناں ہے اب
تری محفل میں آئے کیوں نہ حسرت شمع و ہر دم — کہ جس جا شمع ہوتی ہے وہاں پروانہ آتا ہے
ہمارا دل ہی یہ جانے ہے، کیا کہیں حسرت — خراب جیسے ہوئے شوخِ پُرجفا کے لئے

حسین

بدری پرشاد باشندہ محمود آباد، تلمیذ حضرت جگر بسوانی، مشاعروں میں بڑی پابندی سے شرکت کرتے تھے۔ بزمِ جگر میں آپ کا کلام موجود ہے۔ ۱۹۲۰ء میں راہی ملکِ عدم ہوئے۔

ہوش باقی نہ رہا جب ترے دیوانے میں — آکے وحشت نے سنبھالا اسے ویرانے میں
کام جو آئے مصیبت میں وہی ہے اپنا — ورنہ کچھ فرق نہیں اپنے و بیگانے میں

حشم

بابو ہر پرشاد سنگھ خلف بابو رام رتن سنگھ رئیس باشندہ الہ آباد

مدت ہوئی کہ پاس مرے دل ربا نہیں — حیرت مجھے ہے کس لیے آتی قضا نہیں
صندل کی جا جبیں پہ ملوں اسکے در کی خاک — بس دردِ سر کی اس کے سوا کچھ دوا نہیں

بسانِ شمع میں بھی رشک سے جلتا ہوں سر تا پا — تری محفل میں گر اے شمع و پروانہ جلتا ہے

حشم

ڈاکٹر کرپا شنکر، شاگرد جناب قربان علی صاحب بیگ سالک

ترے قدموں کو نہ چھوڑا مرے ہاتھوں نے کبھی — نہ گیا ہاتھ سے میرے مرا ایمان اب تک
ہاتھ سے تیغ سے دامن سے ترے او قاتل — ہائے چھوٹا ہی نہیں خونِ شہیدان اب تک

رہتی ہے تیری زلف پریشان رات دن — کیا صبر پڑ گیا مرے حالِ تباہ کا
پیرِ مغاں کے پیچھے قدم چل کے میکدے — زاہد جو آج بند ہے درِ خانقاہ کا

زندۂ جاوید کشتوں کو کیا — ہیں خجل عیسیٰ ترے اعجاز سے

حشمی

لالہ ماتا دین منصف مظفر پور باشندہ عظیم آباد، شاگرد جناب وزیر علی عبرتی زیادہ تر فارسی کلام کہتے تھے

دیکھیں گے حسنِ حور تو پھسلے گا دل ضرور — جنت میں بھی یقیں ہے نہ آرام پائے دل

حضور

منشی بالمکند کھتری باشندہ دہلی شاگرد جناب میر دردؔ و میر تقی میرؔ، عربی اور فارسی زبانوں سے خوب واقف تھے، ۱۸۵۷ء پیشتر وفات کی۔

ہے پردہ دارِ مہرِ قیامت سحابِ زلف — مت کھینچ اپنے منھ سے ابھی تو نقابِ زلف
آفت۔ بلا۔ وفتنہ و مارِ سیہ دار — دیتے ہیں عاشق اسکے بھی کیا کیا خطابِ زلف

سرِ راہ بیٹھے صدا یہ ہے اپنی — کہ اللہ یاور ہے بے دست و پا کا
نہ پاؤں میں جنبش نہ ہاتھوں میں طاقت — جو دامن کھینچوں میں اس دلربا کا

وفا کو تم جفا سمجھے ستم کو ہم کرم سمجھے — اُدھر کچھ دل میں تم سمجھے اِدھر کچھ دل میں ہم سمجھے
چلے ہیں آپ جو اس بت سے ساز کرنے کو — حضور پاس بھی ہے کچھ نیاز کرنے کو
یاں مجھ میں کہیں ہے جان باقی — واں اب بھی ہے امتحان باقی

یہ جو چشم پُر آب ہیں دونوں　　ایک خانہ خراب ہیں دونوں

حضور

رائے نند لال ولد منشی گورسرن داس ڈپٹی کلکٹر بندوبست ضلع میرٹھ، شاگرد جناب بنواری لال شعلہ

کب ڈرنے والے ہیں یاں دشمن کے لاف سے　　ہم کاٹ لیں زباں کو قلم کے شگاف سے
یہ زیست میری دیکھئے یہ مرگ دیکھئے　　ٹھوکر سے جی اٹھے تو اشارے سے مر گئے

حضور

پنڈت شری کشن صاحب باشندہ لکھنؤ

سنتے ہی حالِ زار مراتم جو سو گئے　　کیا آپ نے بنایا کوئی قصہ خواں مجھے

حقیر

منشی سوہن لال کائستھ ولد منشی بنواری لال باشندہ شاہجہاں پور ولادت ۱۸۲۵ء شاعری میں کسی کے شاگرد نہیں تھے، عربی، فارسی اور سنسکرت میں اچھا دخل رکھتے فارسی کلام زیادہ کہتے تھے، بھگوت گیتا کا اردو میں بخوبی ترجمہ کیا ہے، صاحب تلامذہ ہوئے ہیں، محمد امیر علی خاں احقر شاہجہاں پوری آپ کے خاص شاگرد تھے ۱۹۱۶ء میں وفات کی،

مناسب کب صنم مجھ سے رخِ روشن چھپانا ہے　　خدا کی شان کا جلوہ تجھے لازم دکھانا ہے
رہا ہر خدا کر دے تو عشقِ گیسوئے پیچاں　　عبث دامِ بلا میں بے خطا مجھکو پھنسانا ہے
گنہگار اس کا ہوں روزِ جزا خجلت زدہ ہو کر　　سرشکِ چشم سے نارِ جہنم کو بجھانا ہے
گنہگارِ محبت کو مقیم در تو کر اپنا　　نہ جنت میں جگہ اسکو نہ دوزخ میں ٹھکانا ہے
ہر اک قطرہ دُر یکتا ہے میری چشمِ گریاں کا　　رہے گا تا ابد قائم یہ اشکوں کا خزانا ہے

حلم

بابو دوارکا پرشاد کائستھ خلف منشی منگل لال زمیندار باشندہ بریلی، شاگرد جناب حسن رضا خاں صاحب حسن بریلوی ولادت ۱۸۶۲ء صاحب دیوان و

صاحب تلامذہ ہوئے ہیں ،

دھڑکا فراق کا ہے ہمیں وصلِ یار میں | رنگِ خزاں ملا ہے ہماری بہار میں
ضبطِ فغاں سے کام لیا ہجرِ یار میں | بے اختیار ہو کے رہے اختیار میں
کس کے نصیب دیکھیے کھلتے ہیں رات کو | مصروف آج ہیں وہ سحر سے سنگار میں

ڈراتے کیا ہو کہہ کہہ کر یہ خنجر ہیں یہ بھالے ہیں | یہ خنجر اور بھالے سب ہمارے دیکھے بھالے ہیں
شبِ وعدہ گذاری اس نے گیسو کے بنانے میں | سنبھالے میں بگاڑے ہیں بگاڑے میں سنبھالے ہیں
جنابِ حلم جیسے فطرتی ہیں کوئی کیا جانے | تخلص جو سنے گا کہہ اٹھیگا بھولے بھالے ہیں

سر سے سودا ترا نہیں جاتا | دل سے الفت تری نہیں جاتی
سینکڑوں انقلاب ہوتے ہیں | ان بتوں کی خودی نہیں جاتی

طریقِ حق پرستی عشق والوں کا نرالا ہے | نہ پروا مسجدوں کی ہے نہ مطلب ہے شوالوں سے

خوشم

منشی دیپ چند کھتری باشندہ دہلی، شاگرد جناب اندرمن، فارسی زبان اور انشا پردازی میں کامل تھے، سنہ ۱۸۶۱ء میں وفات کی ،

جبکہ آنے کی سنی میں نے خبر دلدار کی | بھر گئی کانوں میں بو اس زلفِ عنبر بار کی
اے طبیب بے مروت تو دوا سوچا کیا | چھٹ گئیں نبضیں یہاں اس عاشقِ بیمار کی

حیران

منشی رام نرائن کھتری ولد منشی میکو سنگھ، باشندہ دہلی، ولادت قریب سنہ ۱۸۶۵ء شاگرد جناب داغ دہلوی، فنِ طب میں کامل تھے اور اجمیر میں مطب کرتے تھے ،

پہلو میں میرے بیٹھ کے لیتے ہیں چٹکیاں | وہ بات کر رہے ہیں کسی نے جو کی نہ ہو
بیداد ایسی کیجیے وہ کیجیے جفا | دیکھی نہ ہو جو آنکھ کانوں سُنی نہ ہو

حیرؔاں یہی شعار رہا اپنا تو خوب ہو — نیکی نہ ہو سکے تو کسی سے بدی نہ ہو

یوں تو ہونے کو کیا نہیں ہوتا — ایک میرا کہا نہیں ہوتا
اپنی عادت نہیں شکایت کی — اپنے منھ سے گلا نہیں ہوتا
یار سے خوب ہے تصوّرِ یار — مجھ سے دم بھر جدا نہیں ہوتا

قرینہ کا مذاق اچھا سلیقہ کی ہنسی اچھی — پسندِ خاطرِ احباب ہو وہ دل لگی اچھی
مجھ سے اقرار نہیں غیر سے وعدہ بھی نہیں — پھر سرِ شام یہ کیوں تم نے نکھارا جوبن
ہرگز نہ بات طنز کی لانا زبان پر — جانباز کھیل جاتے ہیں باتوں میں جان پر
برچھیاں جب نگہ کی چلتی ہیں — دل پہ رہتا ہے اختیار کسے
مرگئے تو مٹ گئیں تمنائیں — نکلے ارمان خاک میں مل کے

حیرت

پنڈت اجودھیا پرشاد کشمیری، شاگردِ حضرت جرأت لکھنوی، موسیقی اور تیر اندازی میں کمال رکھتے تھے، صاحبِ دیوان ہوئے ہیں، قریب ۱۸۰۵ء میں بعمر ۳۵ سال وفات کی،

برنگِ نقشِ پا اس کی گلی سے اٹھ نہیں سکتا — ہوا ممنونِ احساں خوب اپنی ناتوانی کا

حیف

منشی موتی لال خلف جناب بت سنگھ شاگرد جناب سوزؔ

گلشنِ دہر میں کیونکر وہ بھلا شاد پھرے — رات دن جس کے لئے گھات میں صیّاد پھرے

(خ)

خادم

پنڈت ہردے نرائن کشمیری ولد پنڈت جگت نرائن کشمیری، باشندہ اکبر آباد (آگرہ)

آپ کے بزرگ محمد شاہ بادشاہ کے عہد میں کشمیر سے دہلی آگئے تھے، اور عہدۂ جلیلہ پر ممتاز ہوئے اور راجہ کا خطاب حاصل کیا، آپ ہندی زبان میں بھی کلام کہتے تھے اور داس تخلص فرماتے تھے،

ہمیں محبت سے اس پری نے دیا جو جام شراب آدھا
یہ آبِ کوثر سے کم نہیں ہے شراب آدھی گلاب آدھا
گھٹائیں آئی ہیں کالی کالی برس رہے ہیں گرج کے بادل
سبوئے ہمکو دیدے ساقی پلا نہ جام شراب آدھا
خفا ہیں ہم اپنی زندگی سے جھکائے سر ہیں کہ قتل کردو
کیا جو تیغِ نگہ سے گھائل، کیا یہ کارِ ثواب آدھا
چھپاکے زیرِ نقاب چہرہ پلٹ کے آنچل جو دیکھتے ہو
یہ بدرِ کامل ہلال کیوں ہے اٹھادو باقی نقاب آدھا
نہیں ہے جینے کی اب تمنّا دیا ہے دل جب سے اس پری کو
کیا ہے خادم کو گرچہ بسمل ابھی ہے باقی عتاب آدھا

خادم

بابو شیو دیال صاحب وکیل عدالت لکھنؤ، شاگرد جناب منشی گوردیال صاحب بیہوش لکھنوی

وصف لکھتا ہوں ان کی صورت کے — میرے مضمون ہیں قیامت کے
وعدۂ وصل ان کا آپہونچا — دن ہیں نزدیک اب قیامت کے

کیا ہے آپنے غیروں کا وصل سے دل شاد — ادھر بھی ایک نظر اے صنم خدا کے لئے

خازن

لالہ داتارام ہیڈ کلرک خزانہ ضلع ہوشیارپور

کوچۂ سفاک سے ہیں آج گذرنے والے — منزلِ شہرِ خموشاں کے اترنے والے

ان سے امید برآری کی ہو کیونکر صورت ۔ کرکے اقرار ہیں سو بار مکرنے والے

خاطر

پنڈت سورج نرائن شاگرد جناب ظہیر دہلوی

تقصیر نظر کی ہے نہ آئیں جو نظر میں ۔ آنکھوں میں سمائے ہیں وہ بیٹھے ہیں جگر میں
مرغوب ہے اس درجہ انھیں اپنی نمایش ۔ آئینے لگا رکھے ہیں دیوار میں در میں
پڑتے ہیں زباں پر مری چھالے دم گفتار ۔ کیا قہر کی گرمی ہے مرے سوز جگر میں
دل چھین لیا دیکھتے ہی دیکھتے اس نے ۔ کیا سحر ہے اس شوخ کی دزدیدہ نظر میں

خبیر

پنڈت رتن لال کشمیری خلف پنڈت نرائن داس باشندہ دہلی، فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے، آپ کو ملک الشعراء کا خطاب حاصل تھا، خوردسالی میں یتیم ہو گئے تھے،

دشت وحشت میں مجھے جیب و گریباں کیسا ۔ دیکھ پھرتا ہوں کوئی دم میں ہیں عریاں کیسا
طفل دل گر نہ پڑے اس کو ادھر لاؤ تم ۔ جھانکتا ہے یہ سرا چاہ زنخداں کیسا
خوردسالی میں اٹھا سایہ پدر کا سر سے ۔ ورنہ تم دیکھتے ہوتا میں غزلخواں کیسا

دل مضطرب ہے اسکی جدائی میں اے خبیر ۔ شاید کہ غم غلط ہو غزلخواں پھرا کرو
وہ گل جو ہوے ساتھ چمن میں تو بلبلو ۔ ہاتھ اس کا لیکے ہاتھ میں خنداں پھرا کرو

خرد

منشی بیجناتھ پرشاد خلف منشی کنور بہادر قوم کائستھ باشندہ بسوان ولادت ۱۸۹۷ء تلمیذ حضرت جگر بسوانی آپ محکمہ پولیس میں ہیڈ کلرک تھے ۱۹۸۱ء تک بسوان میں موجود رہنے کی خبر ہے،

اب عشق تصور کی تاثیر نظر آئی ۔ ہنستی ہوئی آنکھوں کو تصویر نظر آئی
سر شوق شہادت میں خم ہو گیا عاشق کا ۔ جب ہاتھ میں قاتل کے شمشیر نظر آئی

تسکین ہوئی دل کو دیدار کا لطف آیا | جب آنکھ خرد کو ئی تصویر نظر آئی

خرد

پنڈت رام نرائن باشندہ دہلی، شاگرد جناب حافظ غلام دستگیر جیبیں

ہم آپ سے نہیں جاتے یہاں سے گھبرا کر | کسی کے جذبۂ دل کا اثر ہے کیا کہئے

خرد

منشی بالا پرشاد کھتری باشندہ دہلی

یہ ہے پتھر اور وہ گلبرگ تراے جوہری | کیا ہے نسبت لعل کو اسکے لب خوش رنگ سے

خرد

منشی ہر دیال پرشاد سر رشتہ دار سکریٹریٹ دربار گوالیار، آپ کا کلام رسالہ "ارمغان" شاہجہاں پور میں اکثر شائع ہوتا رہتا تھا،

آنچل سے چھپاتے ہو عبث روئے منور | اس ابر میں یہ چاند نہاں ہو نہیں سکتا
کب تک ترے سودائے محبت کو چھپاؤں | وہ جوش ہے دل میں کہ بیاں ہو نہیں سکتا

مدتوں ہم نے ترے در پہ جبیں سائی کی | یوں مٹایا خط تقدیر کا لکھا کس نے
رات دن آنکھوں میں تصویر پھرا کرتی ہے | تم کو ہم نے نہیں دیکھا ہے تو دیکھا کس نے

دل پر نگاہ ڈال کے اس نے لگا دی آگ | شعلہ چراغ طور کا برق نظر میں ہے
دن رات خرد کوچۂ جاناں کی کر دسیر | مطلب تمہیں کیا حور سے کیا باغ ارم سے
ہم تو نگاہ لطف کے امیدوار تھے | آنکھیں چرائیں یار نے یہ کیا ستم کیا
عشق گیسو میں بلا کے غم رہے | اپنے جینے سے بھی ہم برہم رہے

خرم

پنڈت گلاب رائے باشندہ دہلی، آپ کے فرزند پنڈت کنہیا لال ڈپٹی کلکٹر تھے اور پوتے پنڈت سورج نرائن منصف تھے،

یاد آتی ہے مجھے خرّم جو وہ زلفِ سیاہ
سانپ پھرتا ہے مری چھاتی پہ لہراتے ہوئے

دل جلا گیا کوئی آتا ہے یہاں
خرّم آتی ہے مجھے بوئے کباب

خرّم

منشی شیتل پرشاد باشندہ حیدرآباد ۱۹۱۱ء میں قریب ۶۰۔۷۰ سال عمر تھی

ملیں گے خاک میں ہم خاکسار ہیں اے چرخ
کریگا کیا بھلا دشمن ہمارا تو ہو کر

ہوئی ہے جیسے کہ کن سے نمود ہستی کی
فنا بھی ہوگی یونہی ایک روز ہُو ہو کر

خدا کو روزِ قیامت میں منھ دکھانا ہے
رواں جہاں سے ہو خرّم تو سُرخ رو ہو کر

خستہ

منشی جیالال باشندہ دہلی، آپ دفتر میونسپل کمیٹی میں ملازم تھے

نہ واں تجھ سے پری پیکر نہ میں حوروں کا شیدائی
نہ جنّت میرے قابل ہے نہ میں جنّت کے قابل ہوں

الٰہی کس طرح گذریگی مجھ سے ہیچ کارے کی
نہ ماہر ہوں کسی فن میں نہ عالم ہوں نہ فاضل ہوں

دل کوئی مانگا ہوا ہے عاشقِ ناشاد کا
آپ کیوں باقی رکھیں ارماں کوئی بیداد کا

جانے پائے کوئی ہشیار نہ میخانے سے
ہو گیا عہد صراحی کا یہ پیمانے سے

جوشِ مستی سے جھکی جاتی ہیں آنکھیں ان کی
خود انھیں محو کیئے دیتا ہے جوبن ان کا

خضر

منشی کالی سہائے خلف منشی گنگا سہائے تحصیلدار لکھنؤ

فصلِ گل آئی چلیں بلبلیں گلزاروں کو
تو بھی صیاد رہا کر دے گرفتاروں کو

بعدِ مردن نہیں اخوانِ جہاں کو الفت
یاد ہم خضرؔ نہ بھولے سے ہوئے یاروں کو

خفی

راجہ بابو رئیس باشندہ عظیم آباد

ہے خنک از بس ہوائے بزم ساقی جلد آ
گرمِ صحبت ہوگی زیبِ انجمن ہو جائے گا

دیکھ سنبل کو چمن میں یاد آئے اس کے بال
حاصل اس گلگشت سے آخر پریشانی ہوئی

خلش

منشی جگیشر پرشاد کانستھ ولد منشی کاشی ناتھ باشندہ گیا

خضر بھی راہِ عشق میں گم ہے — کس سے پوچھوں نشان منزل کا
آئینہ جس کو آپ کہتے ہیں — ایک ٹکڑا ہے وہ مرے دل کا

خلق

رائے جادو رائے باشندہ حیدرآباد دکن

غم میں شیریں کے کٹورا شیر کا — ہے بعینہ کھوپڑی فرہاد کی

خلیفہ

پنڈت لکھمی چند پوکرنہ باشندہ اجمیر۔ آپ شاعرِ ہفت زبان تھے، عربی، فارسی اردو، ہندی، پشتو، مارواڑی اور انگریزی زبانوں میں شعر کہتے تھے، آپ کی تصنیفات میں چھ دیوان اور چند کتابیں مثلاً مرقعِ فیض، گلشنِ خیالات، بہارستانِ لطائف ہیں، آپ اجمیر میں ماسٹری کرتے تھے، قریب سنہ ۱۹۱۰ء میں وفات کی

قطعہ

زلف و عارض رنگہ و خال و خط و ابرو و چشم — یہ سب مانگے گے جو پہلو میں مرے دل ہوگا
اس لئے دل میں ہے، دوں دل ہی کو سینہ سے نکال — پھر یہ ہوگا نہ اس کا کوئی سائل ہوگا

گلشن میں کرتی پھرتی ہے بادِ بہار ناز — شاید ہُوا اسے بھی لگی کوئے یار کی

خلیق

راجہ دیبی داس صاحب سوم تعلقدار۔ آپ حیدرآباد امرائے عظام میں تھے، شاگرد جناب منشی حفیظ

یوں تو اک روز تجھے آنا ہے اے موت ضرور — گر شبِ ہجر میں آجاتی تو احساں ہوتا
بڑھ گئی مرہم کافور سے سوزش دونی — کاش زخموں پہ مرے وہ نمک افشاں ہوتا

خلیق

رائے روپ نارائن کھتری باشندہ اورنگ آباد دکن، ۱۸۴۰ء میں آپکی شاعری کا عروج تھا، حضرت امام علیؑ کے مدّاح تھے، ان کی تعریف میں بہت کچھ کہا ہے،

جہاں کے خواب میں جو دم گیا سو پھر نہ پھرا — مثالِ آہو کے جو رم گیا سو پھر نہ پھرا
ہوئی ہے شام مجھے اس کی انتظاری میں — الٰہی آج جو برہم گیا سو پھر نہ پھرا
مزہ جو عشق کا پایا سو پایا — یہ دل ہے جس طرف آیا سو آیا

خمار

حکیم برج موہن لال باشندہ بریلی، شاگرد جناب ہوش و اسیر ۱۸۷۰ء میں حیات تھے

تأسف کیا کریں ہم سر کے جانے کا بھلا قاتل — چلو اچھا ہوا گردن سے اپنا بارِ سر سرکا
اے شیخ جا کے بزم میں اس مے پرست کی — دیکھوں گا میں کہ کس طرح ہشیار آئے گا
جب دیا کاندھا جنازے کو مرے اس مہر نے — بن گیا پھولوں کی چادر کا ہر اک گل آفتاب
یوں لکھا احوال اپنے دیدۂ بیدار کا — پھول اک خط میں بنایا نرگسِ بیمار کا
آبِ کوثر کی ہمیں چاہ نہ ہو بعدِ فنا — آبِ خنجر سے گلا اس لئے تر رکھتے ہیں
ہو اسیر و ہوش کی جس پر عنایت اے خمار — کیوں نہ پھر اس کی زمینِ شعر میں جاگیر ہو
خطا رقیب کریں دیں سزا مجھی کو آپ — کسی کا جرم ہو کوئی قصوروار رہے
وہ بیکس ہوں سو بار آکر قضا — سرہانے مرے نوحہ گر ہو گئی،

خوب

جناب خوب چند صاحب عرف پاپا لال باشندہ حیدرآباد دکن ولادت قریباً ۱۸۸۸ء، شاگرد جناب ہزبر، "ابھی شوقِ سخن کی ابتدا ہے" ۲۳ سال کی عمر کے شعر ہیں،

زمیں ہے سرخ مانندِ شفق خونِ شہیداں سے — نہ کیوں تُرکِ فلک کو رشک آئے کوئے قاتل پر
زمیں پر وہ تڑپ کر اس ادا سے جان دیتا ہے — قضا بھی لوٹ جاتی ہے تمہارے رقصِ بسمل پر

محبت ہے ترے تیرِ نظر سے — نکالوں کس طرح اس کو جگر سے

خورشید

پنڈت سورج پرشاد وکیل خلف پنڈت آسارام باشندہ فرخ آباد، اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے، صاحبِ دیوان ہوئے ہیں ۱۲۹۵ھ ہجری تک حیات تھے،

عاشق ترا اگرچہ بظاہر ذلیل ہے — پنہاں غلافِ کہنہ میں تیغِ اصیل ہے
اے دل عبث فلک سے ہے دولت کی آرزو — دینارِ آفتاب طلائے بخیل ہے
ملکِ عدم کو اب کوئی پیاسا نہ جائے گا — قاتل نے آبِ تیغ کی رکھی سبیل ہے
پھٹ جائیگا شکم، غمِ دنیا بہت نہ کھا — اے بوالہوس غذا یہ نہایت ثقیل ہے
پھولو نہ بلبلو چمنِ بے ثبات پر — غنچوں کی جو چٹک ہے وہ کوسِ رحیل ہے
خط بھیجتے ہیں اس بتِ قدسی نژاد کو — قاصد کا نام نامِ خدا جبرئیل ہے
آئے وہ وقتِ نزع تو کیا گفتگو کریں — خورشید دم ہے آنکھوں میں فرصت قلیل ہے

یدِ بیضا کو ہتھیلی کا پھپھولا سمجھیں — دیکھیں جو حضرتِ موسیٰ رخِ روشن اُن کا
آج مختار ہیں جو ظلم وہ چاہیں کر لیں — حشر کو ہوگا مرے ہاتھ میں دامن ان کا

اقبالِ خداداد کی ہے اور ہی صورت — آئینہ بنانے سے سکندر نہیں ہوتا
کھلتی ہی نہیں دل کی کلی باغِ جہاں میں — مٹھی میں جو غنچہ کی طرح زر نہیں ہوتا

خورشید

رائے بہادر پنڈت جوالا پرشاد ایم۔ اے وکیل چیف کورٹ لاہور خلف رائے بہادر جانکی پرشاد کشمیری، ساکن لاہور، ولادت ۱۸۶۷ء۔

آزمانا ہم تجھے چاہتے تھے مدت سے — تیغِ جلاد دکھا آج تو جوہر اپنا
خون ہی تن میں نہیں جس کا کہ ڈر ہے قاتل — کس لئے چلتا ہے دامن تو بچا کر اپنا

ایک حسرت ہی گئی ساتھ مرے زیرِ لحد
اور کوئی بھی نہ ساتھی ہوا مرکر اپنا

نہ ہوا دستِ قضا سے بھی یہ کشتہ سیماب
ہائے مرکر بھی نہ ٹھیرا دلِ مضطر اپنا

جسکو کہتا ہے تو خورشیدِ قیامت واعظ
دیکھ ہے داغِ نہاں اس سے تو بڑھ کر اپنا

کیوں نہ خورشید فلک پر ہو بھلا تیرا دماغ
باغ ہے جام ہے اور پاس ہے دلبر اپنا

کب سنبھالے سے یہ سنبھلتے ہیں
حضرتِ دل جب مچلتے ہیں

یاں چراغاں ہے دل کے داغوں سے
واں پہ گھی کے چراغ جلتے ہیں

خورشید

پنڈت بلدیو پرشاد کشمیری ولد پنڈت رام کشن کشمیری، ولادت ۱۸۷۹ء آپ لاہور میں انسپکٹر چونگی رہ چکے ہیں، ۱۹۱۹ء میں وفات کی،

طبیعت میں مری کچھ ان دنوں ایسی صفائی ہے
ضیائے آئینہ منہ دیکھنے کو دل میں آئی ہے

فروغِ ماہِ تاباں جذبۂ دل نے مرے لوٹا
یہاں سرخی ہوئی پیدا وہاں زردی سی چھائی ہے

کہاں لکھا ہے مذہب میں کرو تم بیر آپس میں
غضب ہے گر زمانے میں جدا بھائی سے بھائی ہے

نہ وہ اوصاف ہیں ہم میں نہ وہ الفت رہی اں میں
ہماری غفلتوں سے دیکھیے سارا وطن بگڑا

ذرا دیکھو تو بگڑی کس قدر حالت ہماری ہے
روش بگڑی بھی چلن بگڑا، ہمارا پیرہن بگڑا

ایں کیا منہ سے کہوں میں کون ہوں دنیا میں کیا ہوں میں
بشر کی ہستی ناپاک کا اک آئینا ہوں میں

مری ہستی بنائی خاک کے ذرّوں نے مل مل کر
اسی باعث سے تو اک خاک کا پتلا بنا ہوں میں

خدا کی جب نظر میں کل بشر دنیا کے یکساں ہیں
تو دل میں کیوں خلش رکھے ہوئے ہندو مسلماں ہیں

نہیں بگڑا ہے کچھ اب بھی اگر تھوڑا سنبھل جاؤ
کدورت چھوڑ دو اور جانبِ اصلاح تم آؤ

اٹھو کہ قوم کا سب کاروبار آپ سے ہے
کہ باغِ قوم میں فصلِ بہار آپ سے ہے

خوشتر

منشی ہری ہردت سنگھ کایستھ ولد منشی برج لال سنگھ، باشندہ گورکھپور ولادت ۱۸۷۶ء، شاگرد جناب وسیم خیرآبادی، آپ کے بزرگ بادشاہ اکبر کے زمانہ میں بنگال سے آکر سندیلہ ضلع ہردوئی میں آباد ہو گئے تھے، نواب آصف الدولہ کے زمانہ میں ان کو جونپور میں کافی جاگیر عطا ہوئی تھی۔ بعدازاں انھوں نے گورکھپور میں سکونت اختیار کی، آپنے فارسی اور عربی کی تکمیل مولوی کریم دادخاں و مولوی عبداللہ خاں سے کی، انگریزی اور سنسکرت میں بھی اچھی دستگاہ رکھتے تھے

کشتہ ہوں جلوۂ رخِ پرنورِ یار کا — ہر ذرہ آفتاب ہے میرے غبار کا
مینا کو اور جام کو اے محتسب نہ توڑ — یہ دل ہے یہ جگر ہے کسی بادہ خوار کا
گہنا کسی کا ناز سے دل لیکے ہاتھ میں — یہ بھی تو پھول ہے مرے پھولوں کے ہار کا

ہر ایک نقشِ قدم کہہ رہا ہے سالک کا — طریقِ عشق کا عالم میں رہنما ہوں میں
پہونچ کے منزلِ مقصود پہ روح کہتی ہے — خدا نہیں ہوں مگر سایۂ خدا ہوں میں
کیا ہے جب کسی ظالم نے ظلم بیکس پر — ندا یہ غیب سے آئی کہ دیکھتا ہوں میں

طے ہو راہِ عشق مشکل ہے مگر مشکل نہیں — ہو اگر سالک میں ہمت دور کچھ منزل نہیں
شوخیاں آئیں جو نظروں میں جوانی نے کہا — اے حیا اب آنکھ میں رہنے کے تو قابل نہیں

الٹی نقابِ رخ جو کسی گلعذار نے — آنکھوں سے لی بلائیں عروسِ بہار نے
تم بھیجدو خیال کو اپنے شبِ فراق — محشر بپا کیا ہے دلِ بیقرار نے

خوشتر

لالہ جگناتھ سہائے خلف لالہ متا لال باشندہ لکھنؤ قوم کایستھ، آپ عہد امجد علی شاہ میں سرکار شاہی میں متصدی گری پر فائز تھے، آپ کا رجحان زیادہ تر مذہبی کتب

کو منظوم کرنے میں رہا، تصنیفات میں بھاگوت گیتا، چترگپت، کتھاست نارائن، سداما چرتر وغیرہ ہیں، مگر آپ کی بے نظیر تصنیف "رامائن" ہے، آپکی ولادت ۱۸۰۹ء ہے، اور وفات ۱۸۶۴ء

حمدِ باری کے چند شعر

مناسب ہے بشر کو وقتِ حاجات | کرے درگاہِ باری میں مناجات
وہی حاجت روائے دوجہاں ہے | کرم فرمائے عالم بے گماں ہے
وہی آمرزگارِ ہر خطا ہے | وہی روزی دہِ شاہ و گدا ہے
اسی کی ذات ہے غفّار و ستّار | اسی کی ذات ہے قہّار و جبّار
وہی دوزخ وہی دیتا ہے جنّت | وہی ذلّت وہی دیتا ہے عزّت
بوقتِ رنج گر فریاد و زاری | کرے جو کوئی سوئے درگاہِ باری
شتابی رفع ہو سب اسکی حاجات | بہ روئے "دید" ہے منقول یہ بات

خوشتر

منشی بشمبر دیال قوم کائستھ باشندہ لکھنؤ

کم سعادت ڈھونڈیئے اس قومِ بے بنیاد میں | مانے جو شیطاں کو شامل مال میں اولاد میں
پاک رکھو نفس و نیّت صاف دل کو جان کو | پر غلط ہے مانتا ہے فرقہ جو شیطان کو

خوشدل

منشی گھاسی رام، آپ فنّ شعر گوئی میں یدِ طولیٰ رکھتے تھے، میر حسن ان کے بارے میں لکھتے ہیں "خوشدل تخلّص می نماید از شاہجہان آباد۔ در فیض آباد برکارِ صرّافی مشغول است" (میر حسن کی وفات ۱۷۸۶ء میں ہوئی تھی۔)

تو جو چاہے کہ رہے حسن پہ مغرور سدا | یہ غلط ہے نہیں جھنے کا یہ دستور سدا

خوشدل

منشی امراؤ سنگھ

ہم تمہارے آشنا مدّت سے کہلاتے رہے | آجکل کے آشنا لیکر مزے جاتے رہے

اب تمہارے پاس ہم کو بیٹھنا منظور ہے	کیا میاں صاحب سلامت سے بھی ہم جاتے رہے

وہ عہد اور قول تمہارے کدھر گئے	تم کیوں سجن ہمن کو یکایک بسر گئے

خوشوقت

منشی خوشوقت رائے عرف راجہ مینی جی خلف راجہ لال جی بہادر بخشی زمانہ شاہی، شاگرد جناب آتش لکھنوی، غدر کے دس بارہ سال بعد وفات کی۔

گیسوؤں کا جو لئے دام وہ گلفام آیا	دل بلبل مرا خود اُڑ کے تہہ دام آیا
تخت و تاج و علم و طبل شہنشاہوں کا	سب دھرا رہ گیا جب موت کا پیغام آیا

نوکِ مژۂ یار کا کرنا نہ تصوّر	نکلے گی نہ پھر دل میں جو یہ پھانس پڑ گئی
ہے صلح کی تدبیر عبث یار سے خوشوقت	مل جائیگا خود آپ سے قسمت جو لڑ گئی

ادا جان لیتی ہے جانی تمہاری	قیامت ہوئی ہے جوانی تمہاری
فدا تم پہ میں ہوں تم اوروں کو چاہو	یہ قسمت مری قدر دانی تمہاری
تمہارا ہے وردِ زباں ذکر ہر دم	وظیفہ مرا ہے کہانی تمہاری

عجب کمال پہ جوبن ترا شباب میں ہے	یہ ضو یہ نور نہ مہ میں نہ آفتاب میں ہے

خیالی

منشی جے سنگھ رائے کائستھ باشندہ دہلی، ہمعصر جناب شاہ نصیر۔ فارسی کلام بھی خوب کہتے تھے،

تو جور و ستم نہ کر سکھائے سے کسی کے	کچھ پھل نہیں پائیگا ستائے سے کسی کے
حسرت رہی جی میں مرے آہ بسبب از مرگ	بالیں پہ دم نزع نہ آئے بلائے سے کسی کے
یاسمن اس سے مقابل نہ ہو کہ جس کا	میلا ہو بدن ہاتھ لگائے سے کسی کے

پھر داغِ جگر ہو گئے غیروں کے بھی تازہ　　تربت پہ مری پھول چڑھائے سے کسی کے

خیالی

منشی خیالی رام کائستھ باشندہ لکھنؤ شاگرد مرزا قتیل، آپ نامور شاعر اور صاحبِ تصانیفِ کثیرہ ہوئے ہیں، ترکی زبان سے خوب واقف تھے، ۱۸۸۲ء میں وفات کی،

ہے اسی طرح طبائع میں فرق انساں کے　　مختلف جیسے کہ ہو فردِ بشر کی صورت
کر دیا بادِ خزاں نے ایسے درہم برہم　　وصلِ بلبل کی کبھی گل نے اگر کی صورت

خبیر

رائے نرہری پرشاد منتظم دفتر معتمد پیشکاری حیدر آباد دکن، شاگرد جناب میر احمد علی مہر

وحشتِ دل اندنوں ایسی گریباں گیر ہے　　طوق گردن میں ہے میری پاؤں میں زنجیر ہے
لاکھ کوشش سے انھیں اے دل سنایا حالِ ہجر　　کہہ چکا اپنی سی اب آگے تری تقدیر ہے

(د)

داس

شنکر داس معلم مدرسہ پنڈی بھٹیاں ضلع گجرانوالہ پنجاب، آپ نے کچھ کتابیں بھی تصنیف کی ہیں،

چہرہ ہے ماہِ تاباں زلفیں ہیں کالیاں　　آہو کی طرح آنکھیں ہونٹوں پہ لالیاں
ساقی پلائے جامِ مے لعل ہاتھ سے　　مطرب سے کہو گائے بجائے وہ تالیاں

دانا

لالہ روشن لال کائستھ خلف لالہ مہتاب رائے، باشندہ لکھنؤ، شاگرد جناب عاشور علی خاں، ۱۲۸۴ھ میں حیات تھے،

آتی نہیں ہے جذب کی تاثیر ہاتھ میں　　سودائیو لپیٹ لو زنجیر ہاتھ میں

کس درجہ راستی پہ ہے صیاد کا مزاج
کھینچے اگر کمان تو ہو تیر ہاتھ میں
دیکھے بغیر چین ہمیں ایک دم نہیں
رہتی ہے رات دن تری تصویر ہاتھ میں
سوزِ تپِ فراق کا ظاہر ہے یہ اثر
بجائے آگ لوں جو طبا شیر ہاتھ میں
داناؔ کے دل میں وصل کی شب یہ ہوس رہی
آئے نہ پاؤں اے بتِ بے پیر ہاتھ میں

دانا

لالہ سوبھا رام علاقہ دار۔ زیادہ تر فارسی کلام کہتے تھے

رات دن بھی تری جس نے نہ کی فریاد سے یاد
آج لیتا ہے وہ آ طیش میں دشنام سے نام

دانا

منشی کامتا پرشاد اہلکار قوم کائستھ ولد منشی دیواری لال باشندہ گوالیار ولادت ۱۸۵۴ء شاعری میں کسی کے شاگرد نہیں تھے، آپ کا خاندان شمس آباد ضلع فرخ آباد میں مقیم تھا، بعد کو داؤد گنج ضلع ایٹہ میں قیام پذیر ہوا، فارسی تعلیم کی تکمیل کے بعد آپ بسلسلۂ روزگار گوالیار تشریف لے آئے، آپ کی قومی اور سوشل خدمات کے صلہ میں دربار معلّٰی گوالیار نے آپ کو "اہلکار" کا خطاب عطا فرمایا آپ کی تصنیفات میں ہفت گل، انشاء بے نقاط فارسی، بہارستانِ نادان، کنشاکش نامہ مراۃ الحیات، تمغۂ درویش، مخزن الاخلاق، کلیاتِ نادان وغیرہ ہیں، آپ شروع میں ناداںؔ تخلص فرماتے تھے، ۱۹۰۸ء میں وفات کی،

ترا ہر چمن میں ہے رنگ و بو تری شان جلّ جلالہٗ
تری طائروں میں ہے گفتگو تری شان جلّ جلالہٗ
تو ہی غنچہ بن کے چٹک رہا تو ہی پھول ہو کے مہک اٹھا
تو ہی ڈالیوں پہ ہے کو بہ کو تری شان جلّ جلالہٗ

جلوۂ حسن ہے محفوظ ابھی پردے میں
پردہ در ہونا ترے دل کو سکھا یا کس نے
تو تو مشہور تھا آزاد منش "اہلکار"
دامِ غفلت میں تجھے ہائے پھنسایا کس نے

مجھے اپنے گناہوں پر نہ حسرت ہے نہ اندیشہ
کہ ہے مشہور دنیا میں تری خوئے خطا پوشی

خدا کے بندے سارے آدمی باہم برابر ہیں — کسی بیچارے مردم پر تعدی ہاں نہیں اچھی
وہ بھیک مانگتے پھرتے ہیں بے نوا یا نہ — کہ جن کے ہاتھ میں ہر وقت جام دینا تھا
عجیب رنگ زمانہ ہے دیکھئے دانا — قدم رذیل کا ہے اور شریف کا ماتھا
مجھے توفیق اعمال نکو دے — زمین دل میں تخم خیر بو دے

دانش

منشی مکند لال کائستھ برادر زادہ رائے پورن چند عاجز

لعل نوشی پر مسی جب سے جمائی شوخ نے — چھپ گئے ظلمات میں لب آب حیواں کی طرح
خم سر دانش ہے قاتل تیغ براں کھینچ تو — تیرا ارماں رہ نہ جائے میرے ارماں کی طرح

درخشاں

لالہ بھولا ناتھ جین مختار عدالت سکندر آباد۔ شاگرد جناب ضمیر الدین رشک

گھر کے بادل آئے ہیں جوش درخشش رعد ہے — آسماں کیا کیا دکھاتا ہے فضا برسات میں
اے درخشاں آئے میری چشم تر کے روبرو — بھاگتی پھرتی ہے کیوں مجھ سے گھٹا برسات میں

درس

ماسٹر منی لال کائستھ باشندہ شاہجہان پور، ولادت قریب ۱۸۷۵ء، شاگرد جناب احسان شاہجہانپوری،

ہزاروں میں کوئی بہتر کوئی لاکھوں میں اچھا ہے — مری آنکھوں میں لیکن تو خدائی بھر میں یکتا ہے
جہاں میں گو ہر اک بت کو مسیحائی کا دعویٰ ہے — کرے مردے کو جو زندہ اسی کا نام عیسیٰ ہے
مجھی سے ہے لگاوٹ بھی مجھی سے ہے تنفر بھی — مری نظروں میں رہتے ہیں مری آنکھوں سے پردا ہے
کسی کو ایک سے ہوگی مجھے دونوں سے الفت ہے — خدا کی یاد ہے دل میں بتوں کا سر میں سودا ہے
طبیعت کو جو خوش آئے وہی بہتر سے بہتر ہے — جو آنکھوں میں سما جائے وہی اچھے سے اچھا ہے

میری ناکامی نے دیکھا چشم حیرت سے مجھے — قتل گہہ میں کھینچ کے جب قاتل کا خنجر رہ گیا

دریا

پنڈت رتن ناتھ کشمیری خلف پنڈت امرناتھ شعلہ دیوان سبحان علی خاں، باشندہ لکھنؤ، شاگرد جناب رشک۔ فارسی زبان کے اچھے شاعر و عالم تھے، ۱۹۰۰ء کے قریب وفات کی

ہے گوشِ گل کی یا کہ چراغِ قمر کی لَو
اللہ جانے دل کو لگی ہے کدھر کی لو

دریا دلوں سے ڈرتے ہیں روشن ضمیر بھی
تھرّائے کیوں نہ پانی میں شمعِ قمر کی لو

ندیدے ہیں رقیب نہ دکھا کر دا انھیں
نظرا کہیں نہ جائے یہ شمعِ قمر کی لو

دزدانِ زخم پانی چراتے ہیں کیوں عبث
گل ہو دیگی نہ آتشِ داغِ جگر کی لو

کھینچو جو آہِ سرد تو ٹھنڈے ہوں دوزخی
دریا کے آگے پانی ہے نارِ سقر کی لو

صیّاد فصلِ گل میں جو مجھکو کرے اسیر
روؤں یہ اشکِ خوں کہ نظر آئے جال سرخ

ساقی شرابِ ناب پلائے جو غیر کو
پڑجائیں کیوں نہ شیشۂ خاطر میں بال سرخ

دریا

منشی نندلال محافظ دفتر راج کوٹہ

بجا ہے جس قدر وہ حسن روز افزوں پہ اترائیں
بہارِ تازہ خود صدقے ہوئی ہے انکے جوبن پر

بہار آئی اڑیں گے خوب ہی پرزے گریباں کے
جنوں کو دسترس حاصل ہوا ہے جیب و دامن پر

مرے احباب رُوئیں یا نہ رُوئیں کچھ نہیں پرواہ
ہزاروں حسرتیں سر پیٹتی ہیں میرے مدفن پر

دل

منشی بینی پرشاد قوم کائستھ متوطن عظیم آباد

نالہ و شور و فغاں بے طاقتی ہمراہ ہیں
ہم تو کوچے سے ترے نکلے بڑے ساماں لئے

پردہ اٹھا کے تو نے ادھر کو گذر کیا
عالم کے دل میں تیری محبت نے گھر کیا

دل چاہتا ہے بولئے ہرگز نہ یار سے
پر بس نہیں چلے ہے دلِ بے قرار سے

او روٹھ کے ہم سے جانے والے
مت روٹھ ہمیں تو گلے لگالے

دل

لالہ دیبی پرشاد باشندہ فرخ آباد

امیدِ وصل اس سے عبث توڑ کھے ہے دل — جس سے کہ رسمِ نامہ و پیغام بھی نہ ہو

دل

بابو فیروز چند بھنڈاری سب انسپکٹر حیدرآباد سندھ شاگرد جناب محمد ابراہیم دبیر، ۱۹۲۵ء کے قریب وفات کی،

عجیب لطف ستمگر ترے نقاب میں ہے — بہت ہی شاد دلِ مبتلا ترے عذاب میں ہے
کرم کسی پہ نہیں ہے ہر اک عتاب میں ہے — تمہارے عہد میں جو ہے وہی عذاب میں ہے
نکالے وصل میں ارمانِ دل بھلا کیا دلؔ — چھپائے بیٹھا ہوا رخ کو وہ نقاب میں ہے

مچی ہے دھوم بہت جب سے لن ترانی کی — یہ آرزو ہے کبھی ان سے گفتگو نہ کریں
کعبۂ دل بتوں کی جا بھی ہے — حرمِ پاکِ کبریا بھی ہے

دلخوش

بہادر سنگھ کھتری باشندہ دہلی، نبیرہ راجہ خوشحال رائے، ۱۸۷۵ء میں رحلت کی،

ہوں ترے عشق میں جوں دیدۂ نرگس حیراں — چشم پوشی نہ کر اپنے گنہ گار سے مل

دلریش

منشی اٹل بہاری مختار عدالت علیگڈھ، شاگرد جناب بتواری لال شعلہ،

کہیں رہتی ہے عشق و مشک کی خوشبو نہاں ہو کر — مجھے رسوا کر یگی میری خاموشی زباں ہو کر
حقیقی عشق کی عشقِ مجازی پہلی منزل ہے — چلو سوئے خدا اے زاہدو کوئے بتاں ہو کر
یہی دلریشؔ حسرت ہے یہی دل کی تمنا ہے — کہ گذرے عمر ساری خادمِ ہندوستاں ہو کر

دلگیر

منشی چھنو لال کائستھ باشندہ لکھنؤ، غزل میں آپ طرب تخلص فرماتے تھے اور مرثیہ میں دلگیر، شاگرد جناب نوازش حسین خاں نوازش، آپ مرثیہ گوئی میں کمال رکھتے تھے، جب انیس صاحب نے مرثیہ گوئی شروع کی اسوقت آپ کا عالمِ پیری تھا، اپنے مذہب کو

ترک کرکے دینِ اسلام اختیار کرلیا تھا،

کس کو دکھاؤں میں بھلا یہ ماجرائے چشم | ناسور بن گئے ہیں عزیز و بجائے چشم
باتیں تری سنا کریں اور دیکھیں تیری شکل | یہ مدعائے گوش ہے یہ مدعائے چشم
آئے طرب ترا جو وہ خوش چشم باغ میں | نرگس کے دستے کیجیو تو بھی فدائے چشم

معطر اس کے نہانے سے بس کہ آب ہوا | حباب بحر ہر اک شیشۂ گلاب ہوا

مرثیے کے چند بند

کہنے لگی سکینہ سے صغریٰ پکار کر | اٹھ کر پدر کے زانو سے آؤ ذرا ادھر
بیمار کو بھلا دیا کیوں تم نے اس قدر | یہ آج کیا ہے تم جو ملاتی نہیں نظر
تم نے سفر سے پہلے ہی توڑی کمر مری
کیوں آج صبح آکے نہ پوچھی خبر مری

آئی سکینہ پاس تو صغریٰ نے یہ کہا | بیٹھے بٹھائے بہن یہ کیسا سفر ہوا
جاتے ہیں کس طرف کو پدر ماجرا ہے کیا | بابا نے میرا نام لکھا یا نہیں لکھا
کس کس کی ہمرہی یہ رضائے امام ہے
اس بند میں لکھا ہوا کس کس کا نام ہے

بہنا بتاؤ ذکر مرا بھی سنا ہے کچھ | میرے بھی حق میں بابا نے منھ سے کہا ہے کچھ
چلنا نہ چلنا میرا بھی ثابت ہوا ہے کچھ | پوشیدہ ہے یہ راز کہ تم پر کھلا ہے کچھ
کیسا سفر ہے یہ جو پھوپھی جان روتی ہیں
یہ کیا سبب ہے باتیں جو کانوں میں ہوتی ہیں

دلسوز

لالہ لچھمی نرائن خلف منشی آتمارام باشندہ بھوج پور ضلع فرخ آباد، شاگرد جناب کلب حسین خاں نادر،

سر بھی حاضر تھا اگر شوخ ستمگر مانگتا | دل بھی دیدیتا اگر مجھ سے وہ دلبر مانگتا

دیکھتا گر جوش طوفاں کا مری آنکھوں کا وہ
اپنی کشتی کے لئے گردوں بھی لنگر مانگتا
دیکھتا جاں بخشیاں جو اس لبِ جاں بخش کی
خضر سے پھر آبِ حیواں کیوں سکندر مانگتا
سرخرو ہوتا تھا اسکو توڑکر تیشہ سے سر
جانِ شیریں کی اماں فرہاد کیونکر مانگتا
ہم تنورِ سینہ سے دلسوز کر دیتے بہم
جو دمِ قلیاں کشی وہ مجھ سے اخگر مانگتا

دماغ

پنڈت پرمیشر ناتھ کشمیری خلف پنڈت راج ناتھ کشمیری باشندہ الہ آباد ہے سنہ ۱۹۲۷ء میں وفات کی،

حسن کے ساتھ عجب شباب ہوا
نازو غمزہ بھی ہمرکاب ہوا
نیم بسمل کے قتل کرنے میں
کچھ عذاب اور کچھ ثواب ہوا
چین پڑتا نہیں کسی پہلو
دل بھی اک جان کا عذاب ہوا
تم دماغ اب وہیں کے ہو بیٹھے
جہاں بس "آیئے جناب" ہوا

دماغ

منشی گنگا لال خلف منشی کنہیا لال باشندہ میران پور ضلع گیا، شاگرد جناب عرش (خلف میر تقی میر) اردو اور فارسی کے علاوہ سنسکرت پر اچھی دسترس تھی، سنہ ۱۲۶۸ھ میں بعمر ستّر سال وفات کی،

تیری زلفوں سے اماں ہے کسے یار آ جکی رات
ان ہی دو کالوں نے رکھا ہمیں مار آ جکی رات
صاف ہو وصل میں عاشق سے کدورت کیسی
میری جاں دور کرو دل سے غبار آ جکی رات
دردِ دل سے جو کراہا تو وہ ہنس کر بولے
جاں بلب کون ہے آوارہ دیار آ جکی رات
وہ شبِ ماہ میں آئے ہیں جو افشاں چن کر
چاندنی دوہری دکھاتی ہے بہار آ جکی رات

گلشنِ حسن پر بہار نہیں
کنگھی چوٹی نہیں سنگار نہیں
قتل کو بھی ہے خنجرِ ابرو
حاجتِ تیغِ آبدار نہیں
باغِ عالم میں گل کھلاتے کچھ
اے جنوں موسمِ بہار نہیں

ایک ہی شکل کیے دو کر کے دکھا دیتی ہے ۔ جوہرِ آئینہ قاتل تری تلوار میں ہے

دہاتی

بابو ہری پرشاد عرف لال بابو قوم اگروال خلف بابو ہری کشن داس باشندہ گیا، پیدائش ۱۸۶۸ء آپ بہت سے ڈراموں کے مصنف ہوئے ہیں،

قطعات

بستانِ دہر میں یہ گلستاں ہے کس لئے ۔ نغمہ برائے مرغ خوش الحاں ہے کس لئے
جب زندگی ہی اپنی دہاتی ہے بے ثبات ۔ عیش و نشاط کا سروساماں ہے کس لئے

دنیا کا انقلاب دکھانے کے واسطے ۔ محتاج ہم کو کر دیا دانے کے واسطے
راحت جو بعدِ رنج دہاتی ہوئی نصیب ۔ اچھا سبق ملا یہ زمانے کے واسطے

دیوانہ

منشی ہنس گوپال باشندہ شاہجہان پور شاگرد جناب رشا دہلوی

زندگی کی تھی شبِ ہجر نہ کوئی امید ۔ آ گئی جان میں جاں آپ کے آجانے سے
آپ ہی کچھ دلِ بیتاب سے کہتے جائیں ۔ یہ سمجھتا ہی نہیں ہے مرے سمجھانے سے
اے اجل آ شبِ فرقت میں کہ غم سے چھوٹوں ۔ ہو گئی آسان یہ مشکل ترے آجانے سے
اس سے بڑھ کر مجھے اب اور خوشی کیا ہوگی ۔ یار نے عہد کیا غیر کے گھر جانے سے

اگر شان دیکھے مرے بت کی زاہد ۔ پڑھے اس کا کلمہ مسلمان ہو کر
بتوں کی محبت نے کافر بنایا ۔ چلے دیر کو ہم مسلمان ہو کر
جنازہ اٹھائیں گی پریاں ہمارا ۔ مریں گے مقررِ سلیمان ہو کر
مزہ ہے اگر میرے دل میں رہو تم ۔ مری آرزو میرے ارمان ہو کر

دیوانہ

سردار موہن سنگھ ایم۔ اے پروفیسر لاہور کالج، آپ کی تصنیفات میں ترانۂ قدرت

اعترافِ محبت، جوہرِ تہذیب، دوشیزہ وغیرہ ہیں،

میری شاعری

فطرت کی بہاروں کو آئینہ دکھا دے تو
رخسارِ حقیقت سے پردے کو اٹھا دے تو

پیغامِ ترقی دے پیغامِ محبت دے
دنیا کی اسیری کو آزادیِ جنت دے

دے بت، وہ محبت نے جو آپ بنائے ہوں
دے نقش وہ فطرت نے جو آپ بنائے ہوں

سوتوں کو جگائے جا بچھڑوں کو ملائے جا
غیرت دہِ جنت تو دنیا کو بنائے جا

احساس نگاری سے شرما تو مصور کو
کر نغمہ نوازی سے شرمندہ تو ساحر کو

دے حسرتِ طفلی بھی آگاہیِ پیری بھی
دے عیشِ متول بھی اندوہِ فقیری بھی

دل تجھ سے مفرح ہو اور جان منور ہو
فطرت تری حامی ہو رحمت تری یاور ہو

دیوانہ

رائے سرب سکھ ہمشیرہ زادہ مہاراجہ رام نرائن موزوں، شاگرد جناب فاخر مکینؔ، چار دیوان فارسی اور ایک دیوان اردو آپ سے یادگار ہیں، میر حیدر علی حیرانؔ، اور جعفر علی حسرتؔ (استاد جرأتؔ لکھنوی) آپ کے خاص شاگردوں میں تھے، قریب ۱۷۷۵ء میں وفات کی،

وہ یار کہاں کہ یار باشی کیجئے
وہ وقت کہاں کہ خوش معاشی کیجئے

ایک گوشہ میں بیٹھکر دیوانہ تنہا
اب ناخنِ غم سے دل خراشی کیجئے

دل سدا تڑپے ہے میرا مرغِ بسمل کی طرح
یا کہ سیکھی مرغِ بسمل نے مرے دل کی طرح

جان پر آبنی ہے بدم میری خاموشی سے
بات کچھ بن نہیں آتی ہے اب اظہار بغیر

دل تیری تیغ کے یہ آگے سے ٹل نہ جائے
رستم کا کب جگر ہے زہرہ پگھل نہ جائے

ڈاکٹر

ڈاکٹر بھولا ناتھ صاحب ملازم ریاست رامپور شاگرد جناب امیرمینائی

اے اجل تجھ سے بھی سخت اور مصیبت آئی
تو نہ آئی ترے بدلے شبِ فرقت آئی

تو نے اے چرخ کبھی چین سے رہنے نہ دیا
کٹ گیا دن تو بلائے شبِ فرقت آئی

بھولی صورت پہ یہ غصہ یہ ستم یہ شوخی
ڈھل کے کیا حسن کے سانچے میں قیامت آئی

داورِ حشر سے فریاد بھی ہم کرنے نہ پائے
لب ہوے بند زباں پر نہ شکایت آئی

ہو گئے فرطِ قلق سے مرے دل کے ٹکڑے
یاد لے زخمِ جگر جب تری صورت آئی

جو تصوّر میں بھی آئے تو قیامت آئے
وائے قسمت کہ اسی پر ہے طبیعت آئی

ڈاکٹر سے نہ ہوا دردِ محبت کا علاج
چلدیا چھوڑ کے جس دم تپِ فرقت آئی

نیم جاں چھوڑ کے مقتل سے نہ جائے قاتل
تیرے کشتے تو ابھی سانس ذرا لیتے ہیں

یاد مژگاں کی ہے جو بادیہ پیمائی میں
خوب کانٹوں کے مزے آبلہ پا لیتے ہیں

وائے تقدیر کہ ہم پھرتے ہیں مارے مارے
غیر گھر بیٹھے محبت کا مزا لیتے ہیں

ڈاکٹر ہم کو نہیں اور کوئی بیماری
دردِ الفت کی جو دے کوئی دوا لیتے ہیں

(ذ)

ذرّہ

منشی ہرپرشاد کائستھ زمیندار و باشندہ موضع اکھوڑیا ضلع سلطان پور، شاگردِ جناب بال کرشن قمرؔ لکھنوی، آپ کلکٹری کچہری میں نقل نویس تھے،

امید و یاس کے جھگڑے وہ حسرتوں کا ہجوم
عجیب لطف تھا جب تک کہ انتظار رہا

تمہی کچھ اپنی یہ وعدہ خلافیاں دیکھو
تمہیں کہو کہ تمہارا اب اعتبار رہا

رحیم جان کے تجھکو خطائیں کیں میں نے
کریم جان کے تجھکو گنہگار رہا

زمانہ تھا جو موافق شریکِ حال تھے سب
پڑا جو وقت تو کوئی نہ غمگسار رہا

بڑھ گئی حد سے سوا جب کہ نقاہت میری
وہ خفا ہیں کہ اڑائی ہے نزاکت میری

باعثِ ترکِ ملاقات جو پوچھا تو کہا
آپ سے مل کے الجھتی ہے طبیعت میری

زاہد ثواب ڈھونڈیں قیامت کے واسطے
ہم تو گناہ کرتے ہیں رحمت کے واسطے
اے شیخ جو وہاں ہے وہی بتکدہ میں ہے
کعبہ کو جائیں کس کی زیارت کے واسطے

کند ہے خنجر بلا سے، آپ چلنے دیجئے
کام کچھ تو تشنہ کاموں کے نکلنے دیجئے
سر کے نیچے ہو اگر تکیہ تو جلد آتی ہے نیند
اپنے زانوں پر ہمارا دم نکلنے دیجئے

کہاں سے آئے ہو کس واسطے پشیماں ہو
یہ کیا ہے آج نہیں آنکھ روبرو ہوتی

ذرّہ

راجہ رام ناتھ بہادر خلف راجہ کیدار ناتھ آپ نظامتِ شاہی دہلی کے پیشکار تھے چونکہ بادشاہ سلامت کا تخلص آفتاب تھا لہذا اسی رعایت سے آپ نے ذرّہ تخلص اختیار کیا، چاوڑی بازار دہلی میں راجہ کیدار ناتھ کی گلی مشہور رہے،

ترے کوچہ میں روز و شب پڑا رہتا ہے یہ ذرّہ
بجا ہے ایسے دیوانے کے مطلب کو روا کرنا

ذرّہ

لالہ شنکر لال کائستھ باشندہ لکھنؤ، شاگرد جناب میر علی اوسط رشک

مہندی سے رنگ لائے ہیں رشکِ چمن کے ہاتھ
پہونچے ہیں یاسمن کے گل نسترن کے ہاتھ
نرگس ہیں آنکھیں لالہ ہے رخ سرو قدِ یار
نسرین کے ہیں ساعد گلِ یاسمن کے ہاتھ
اس سبز خط نے تیرے غریب الوطن کیا
یہ خط ہیں لکھ کے بھیجیں گے اہلِ وطن کے ہاتھ
عالم ہیں اس کی تیغِ نگاہ سے نہیں پناہ
میدان قتل کا ہے اسی تیغ زن کے ہاتھ
ڈر ہے کہیں نہ جامۂ ہستی ہو تار تار
عادی ہوئے ہیں پھاڑنے میں پیرہن کے ہاتھ
زہرہ و مصطفیٰ و علیؓ و حسنؓ و حسینؓ
اے ذرّہ مغفرت ہے انہی پنجتن کے ہاتھ

ذرّہ

لالہ جوالا پرشاد ولد لالہ دھرم نرائن وکیل باشندہ فرخ آباد

یہ عالم ہو گیا سوزِ جگر سے
نکلتی آگ ہے دیوار و در سے

نہیں ملتا نشاں عنقا کو میرا | میں ایسا گم ہوا عشقِ کمر سے
نہیں ہونے کی کچھ صندل سے صحت | جو سر کاٹو تو چھوٹوں دردِ سر سے
برنگِ اشک مٹی میں ملا ہوں | گرا ہوں جب سے میں انکی نظر سے
کبھی روشن کرے ذرّہ کے گھر کو | نہیں کچھ دور اس رشکِ قمر سے

ذرّہ

منشی اتواری لال باشندہ کلکتہ۔ آپ حضرت عبدالغفور نسّاخ کے دوستوں میں تھے

دلدار کی خاطر سے دلِ زار بھی چھوڑا | الفت میں صنم رویوں کے گلزار بھی چھوڑا

ذکا

منشی خوب چند کائستھ باشندہ دہلی، شاگرد جناب شاہ نصیر دہلوی، صاحبِ دیوان ہوئے ہیں آپ نے قریب چار پانچ ہزار شاعروں کا حال قلمبند کیا ہے، ۱۸۶۲ء میں وفات کی،

سمجھا میں جسے دوست ہوا وہ ہی مخالف | اخلاص کسی کا بھی مرے کام نہ آیا
آوارہ و بدنام ہوا قیس ہی آخر | لیلیٰ پہ کسی بات کا الزام نہ آیا

جو توبہ کی ہے تو مجلس میں میکشوں کی نہ جا | کہ خواہ مخواہ پیالہ کوئی پلا دیگا
یہ کوہِ عشق تو فرہاد سے بھی اٹھ نہ سکا | ذکا کی تاب ہے کیا جو اسے اٹھا دیگا

رخِ تاباں پہ چھوڑ دگیسوئے شب رنگ کو اپنے | قیامت تک پھرا ہے یہ سحر ہووے تو میں جانوں
ہماری خاک سے گذرا جو باندھ کر دامن | کچھ اپنے جی میں وہ شاید غبار رکھتا ہے
آسیہ سر پہ چلے جبکہ ذکا نیند کہاں | ہاتھ سے چرخ کے تو ڈھونڈے ہے آرام کہاں
ہلی ہے ابروئے دلدار دیکھئے کیا ہو | کہاں کہاں چلے تلوار دیکھئے کیا ہو
نقشِ پا خالقِ گیتی نے بنایا مجکو | جس کے قدموں سے لگا اس نے مٹایا مجکو
بیکسی پہ نہ چلا میری کسی دوست کا دل | کوئی تو بت پہ دیا بالنے والا نہ گیا

جو کچھ مرض کا ہونا تھا انجام ہو چکا　　رخصت کرو طبیب کو یاں کام ہو چکا
کیوں نہ ہو اس پہ اک جہاں عاشق　　جبکہ یہ حسن یہ جوانی ہو
عمرِ رفتہ نے پھر گذر نہ کیا　　گئی ایسی کہ منھ ادھر نہ کیا

ذکا

پنڈت برج کشور باشندہ اندور

ہوگا طلوع لحد سے بھی مثلِ آفتاب　　زیرِ زمیں یہ داغ چھپایا نہ جائیگا

ذکا

پنڈت شری کشن کشمیری خلف پنڈت دیارام کشمیری امین عدالت دیوانی فرخ آباد ۱۸۷۰ء میں حیات تھے

ذرا دیکھ لے بتِ سفاک در پر شور و غوغا ہے　　ترے کوچہ میں قاتل رقصِ بسمل کا تماشا ہے
بہانے سے ہمارے خون کے غش تجھکو آئیگا　　ارے قاتل تو کمسن ہے ابھی کیا تو نے دیکھا ہے
نہایت سخت جاں ہوں میں نہایت سخت جاں ہوں میں　　نہ ٹوٹے خنجرِ برّاں کہیں مجکو یہ خطرا ہے
حجابِ مردماں گر ہو تو آنکھوں میں سما جاؤ　　ہماری آنکھ کے پردے میں پتلی کا تماشا ہے
زر و مالِ جہاں کی کچھ ہوس باقی نہیں دل کو　　فقط دیدار کی اس شوخ کے دل کو تمنّا ہے
فقط اک کاہِ سیاہِ خشک ہے یہ سنبلِ گلشن　　جو تیرے گیسوؤں سے بل وہ کرتا ہے یہ سودا ہے
نہیں اس بت سا کوئی سنگدل ساری خدائی میں　　ہوا عاشق تو کیوں اسکا ذکا کچھ تجکو سودا ہے

ذوقی

منشی ذوقی رام عطر فروش باشندہ مراد آباد، شاگرد جناب مہدی علی ذکی،

ملنے سے تصوّر میں کچھ کم نہ مزہ دیکھا　　گر وہ نہ ہوا اسکی تصویر ہے اور میں ہے

(ر)

راجہ

راجہ بہادر ولد راجہ شتاب رائے دیوان نواب ناظم صوبہ بنگال معاصر

اشرف علی خاں فغاں (فغاں صاحب کا زمانہ ۱۷۷۲ء تک رہا)

یہ زخم دل ہمارے مرہم تلک نہ پہونچے
ہم ان تلک نہ پہونچے وہ ہم تلک نہ پہونچے

راجہ

مہاراجہ دگ بجے سنگھ بہادر کے سی ایس آئی کھتری ولد مہاراجہ ارجن سنگھ والی ریاست بلرام پور ضلع گونڈہ، شاگرد جناب رائے جواہر سنگھ جوہر، آپ بہت نیک دل انسان تھے، طبیعت ہمیشہ کارِ خیر کی طرف مائل رہتی تھی، ۱۸۸۲ء میں وفات کی،

حسن سے عشق نہ ہو جس کو وہ انساں کیسا
منکرِ قدرتِ حق صاحبِ ایماں کیسا

تیری صورت دیکھکر لیلیٰ کو آئیگا حجاب
میری صورت دیکھکر مجنوں بہت پچتائیگا

خوابِ مخمل جن گل اندا موں کو فرشِ خار تھا
موت نے تربت میں انکو خاک بستر کر دیا

اپنی نظر بھی اکثر انسان کو لگی ہے
آئینہ میں نہ دیکھو منھ بار بار اپنا

عشق میں تیرے ہوا ہے اسے صنم
ایک مذہب کا فرد دیندار کا

لگا کے نخلِ محبت نہ کوئی پائیگا پھل
مثالِ سرو یہ ہوتا ہے بے ثمر پیدا

کس طرح ہم نہ ہوں اس ابروئے خمدار سے خوش
جو دلاور ہیں سدا رہتے ہیں تلوار سے خوش

روشنی ہے عاشقوں کے دم سے باغِ دہر میں
بلبلوں کو لے گلو سمجھو گلستاں میں چراغ

دل بیچتے کھڑے ہیں ترے گھر کی راہ پر
ارزاں ہے مول لے جو اسے اک نگاہ پر

راجہ

راجہ راج کشن ولد مہاراجہ نبا کشن بہادر رئیس باشندہ کلکتہ، شاگرد جناب مرزا جان طپش، آپ کے صاحبزادے راجہ انوپ سنگھ بھی شاعر تھے اور کنور تخلص فرماتے تھے،

گر شب کو تم نہ مرے پاس آؤگے صاحب
تو مجکو زندہ سحر تک نہ پاؤگے صاحب

راجہ

راجہ بلوان سنگھ ولد راجہ چیت سنگھ بہادر راجہ بنارس مقیم اکبر آباد (آگرہ) شاگرد جناب مرزا حاتم علی مہر۔ ولادت ۱۷۹۹ء صاحبِ دیوان ہوئے ہیں اپنے دولتکدہ پر اکثر مشاعرے کرایا کرتے تھے،

مٹ گئی شکلِ نقشِ پا کیسی — پس گئی چال پر حنا کیسی
شعر چوٹی کے سن کے کہتا ہے — میرے پیچھے پڑی بلا کیسی
سرخ ہاتھوں کو کر چکے خوں سے — اور پھر چاہیے حنا کیسی
میں نے دشمن بغل میں پالا تھا — آہ دل نے یہ کی دغا کیسی
بے سروپا ہے اپنا افسانہ — انتہا کیسی ابتدا کیسی
سر جھکاتے ہیں بندگانِ خدا — بت میں ہے شانِ کبریا کیسی
خاک ہو بوتراب کے در پر — راجہ اکسیر و کیمیا کیسی

وہ سیہ بخت ہوں روشن ہو اگر شمعِ مزار — جمع پروانے ہوں، گل کر دیں اسے مار کے پر
شیخ ناراض ہو ہم سے کہ برہمن روٹھے — ہوں گے پابند نہ ہم سبحہ و زنّار کے بر

کالا ہے ماہتاب کہ گورا ہے ماہتاب — پردہ نشیں سے پوچھیں گے کیسا ہے ماہتاب
یہ پیر چرخ خادمِ دیرینہ ہے ترا — دستِ فلک میں پھولوں کا پنکھا ہے ماہتاب

خفا قاتل سے ہوں اتنا کہ یقیں ہے دمِ قتل — میرے خوں کا بھی نہ ہو تیغ پہ دھبا پیدا
تو ہے وہ گل کہ نام ترا باغِ دہر میں — دو دو پہر وظیفۂ مرغِ سحر ہوا

راجہ

راجہ بلاس رائے پسر دیوان مان رائے، شاگرد جناب حسن علی شوق

اس واسطے کسی کی نہ تجھکو نظر لگے — انجم ہے سپند بنا مجمر آفتاب
سن کر ترے جمال کو وہ ڈھونڈتا پھرا — لیکر سحر سے شام تلک گھر گھر آفتاب
یاں تنگ ہے تیرے چہرے کا اب دل میں اسکے رشک — آتش میں جل کے ہو گیا جوں اخگر آفتاب

راحت

ٹھاکر گردھاری سنگھ رئیس و تعلقدار مجارا ضلع بدایوں

ہوئی یہ مہربانی چشمِ تر کی
نچوڑی بوند بھی خونِ جگر کی
مجھے گھائل کرو تیرِ نگہ سے
ضرورت کچھ نہیں تیغ و تبر کی

راحت

لالہ بھگونت رائے ولد لالہ دین دیال باشندہ کاکوری، شاگرد جناب امانت لکھنوی آپ فارسی زبان کے بہت بڑے عالم تھے، تصنیفات میں مثنوی نل دمن، مثنوی غنیمت اردو، مثنوی مدھ ماتی، مثنوی زہرہ بہرام، مثنوی بوستانِ راحت وغیرہ ہیں، ۱۸۵۴ء میں رحلت کی،

اعمالِ بد پہ اپنے میں رووُں نہ کس طرح
دھونا ضرور چاہیے فردِ گناہ کا
تحریر کی جو حالتِ دردِ حزیں کبھی
عالم مرے قلم کا ہوا قدِ آہ کا
وہ محکمہ ہے محکمۂ عدل و دادِ عشق
ہوتا ہے بند ناطقہ جس جا گواہ کا

چاہ ہو، چشمہ ہو، دریا ہو تو اس کو روکئے
روز چشمِ تر سے بہتا ہے سمندر زیرِ پا
بعد مردن کبھی تربت پہ بھی سایہ نہ کیا
ہم گنہگاروں سے ایسی ہوئی بیزار گھٹا

راحت

پنڈت کشن لال باشندہ متھرا، تحصیلدار ضلع متھرا

دل کو سامان ہوا بے سر و سامانی سے
خوش گذرنے لگی اب جامۂ عریانی سے
آنسو پیتے ہیں تو ہم لختِ جگر کھاتے ہیں
خوب تازہ ہوئے ہم آپ کی مہمانی سے
بارشِ اشک ہے اور تشنہ لبی ہے افزوں
عین برسات میں جاتا ہوں مرا پانی سے
دل کے آئینہ میں بس ایسی جمی صورتِ یار
نقش ایسا تو منقش نہ ہوا مانی سے
ہاتھ تھکتے نہیں جو وقت جنوں اے راحت
باز آتا نہیں میں چاک گریبانی سے

راحی

دیوان جانی بہاری لال ولد جانی نتھی رام قوم ناگر برہمن باشندہ اکبرآباد (آگرہ)، شاگرد مرزا غالب دہلوی، پیشہ معلمی، فارسی اور سنسکرت میں اچھی دستگاہ رکھتے

تھے، صاحبِ دیوان ہوئے ہیں،

رو نما گلزار میں وہ غیرتِ گل ہو گیا
ہر چراغِ گل ہوائے رشک سے گل ہو گیا

دیکھنا آخر ذرا تاثیرِ عکسِ گلعذار
نیل میں منہ اس نے دیکھا روغنِ گل ہو گیا

پست ہمت روتے رہتے ہیں سدا تقدیر کو
صاحبِ ہمت ہمیشہ کرتے ہیں تدبیر کو

نہ دوا فائدہ کرتی ہے کسی کی نہ دعا
چشمِ بیمار نے کیسا مجھے بیمار کیا

دل بھی دشمن ہوا اس دشمنِ جاں کی خاطر
ہم جسے سمجھے تھے اپنا وہ بھی اپنا نہ ہوا

چھپاتی ہے بدی سیرت کی صورت
مکاں سے عیب چھپتا ہے مکیں کا

زلف و رخ کا دھیان جب سے آیا ہے
رات دن آئے نظر یکجا مجھے

تو چاہ نہ چاہ مجکو میں تو
جی جان سے تجکو چاہتا ہوں

مفت رسوا ہیں چاہ میں تیری
کچھ نہ ٹھہرے نگاہ میں تیری

شیخ جی آپ کی نصیحت سے
عشق اور استوار ہوتا ہے

امتحاں کر خوشی سے خنجر کا
بار ہے دوش پر مرے سر کا

راغب

منشی شنکر لال باشندہ دہرہ دون تلمیذ جناب علی احمد تسنیم سہارنپوری

غمِ تنہائی بے مزہ ہوگا
گر کوئی کاوشِ جگر نہ ہوئی

کیا بھروسہ کسی کی باتوں کا
آرزو جب پیامبر نہ ہوئی

وہی سمجھا فنا فی اللہ کے معنی فنا ہو کر
جو قطرہ گم ہوا دریا میں چل کر اپنی منزل سے

ہمیں تو ایک ذرے میں ہوئی ہے سیرِ کل راغب
نہیں ہے آسماں زاہد ہماری آنکھ کے تل میں

فتنۂ حشر کو رفتار سے اٹھتے دیکھا
پیدا ہوتے تری قامت سے قیامت دیکھی

راقم

منشی بندرابن باشندہ دہلی، شاگرد جناب مظہر و سودا، صاحبِ دیوان ہوئے ہیں،

اے باغباں نہیں ترے گلزار سے غرض   مجھ سے قسم لے چھیڑدوں اگر برگ و برکہیں
اتنا ہی چاہتا ہوں کہ میں اور عندلیب   آپس میں دردِ دل کہیں ٹک بیٹھ کر کہیں

نہ ترے عشق میں بلبل ہی کو نالاں دیکھا   چاک ہر گل کا گلستاں میں گریباں دیکھا
نامے کا میرے اس سے لیکر جواب پھرنا   پر واسطے خدا کے قاصد شتاب پھرنا
سنتے تھے ہم جہان میں اہلِ کرم کے ہاتھ   آیا جو دید میں تو کم از آستیں نہیں
یاں تک قبولِ خاطر کیجے تری جفا کو   تا سب کہیں کہ راقم رحمت تری وفا کو
کہے کیا دردِ دل بلبل گلوں سے   اڑا دیتے ہیں اس کی بات ہنس کر
اے عشق مجھے تو اس طرح مار   تا یار کہے کہ "ہائے عاشق"

رام

ڈاکٹر ماہلا رام باشندہ منٹگمری، شاگرد جناب طبیب میرٹھی

حسن کی دنیا میں بھی واللہ کیا اندھیر ہے   مجھ سے وعدہ کرکے وہ دشمن کا مہماں ہو گیا
قتل ہونا تیرے مجرم کے لیے معراج تھا   جلوۂ حق جلوۂ شمشیر براں ہو گیا

اس وقت میرا نامہ لیکر چلا ہے قاصد   جب ایڑیاں رگڑتے دیکھا مجھے زمیں پر

رام پرشاد

منشی رام پرشاد کالستھ باشندہ لکھنؤ، داروغہ سرکار محسن الدولہ بہادر رئیس اعظم لکھنؤ، آپ مقطع میں اپنا پورا نام لکھتے تھے،

ہائے اس مہماں سرا سے ہاتھ خالی گھر چلے   بارِ عصیاں مفت ہم تو اپنے سر پر دھر چلے
گو کہ ہونا ہے وہی جو کچھ لکھا تقدیر میں   ہر بشر کو چاہیے کچھ کام اچھے کر چلے
غور کرکے خوب دیکھا کوئی بھی اپنا نہیں   خوابِ غفلت میں عبث ہم عمر ضائع کر چلے
رام پرشاد ان کو جنت میں ملا جامِ طہور   تشنہ لب یاں سے جو بہرِ ساقیِ کوثر چلے

رائے

رائے شیو سہائے ولد رائے شیو سنگھ قوم بھاٹ، باشندہ لکھنؤ، فارسی اور اردو زبانوں میں کامل تھے،

دیکھئے شوخی کہ بزمِ غیر میں کہنے لگا — رائے صاحب بیٹھئے بندہ کا گھر یہی تو ہے

ربط

منشی دیبی پرشاد کائستھ خلف منشی موہن لال رئیس باشندہ مرادآباد شاگرد جناب مہدی علی ذکی۔ آپ ۱۸۵۸ء میں عدالت دیوانی مرادآباد میں پیشکار تھے، آپ کے بڑے بھائی منشی کنہیا لال بھی شاعر تھے اور ضبط تخلص فرماتے تھے،

توڑ کر بیٹھ رہوں کوئے دلارام میں پاؤں — تاکہ پھر اٹھ نہ سکیں گردشِ ایام میں پاؤں
آگیا ہجر میں پہلو سے نکل کر باہر — بیقراری نے لگائے دلِ ناکام میں پاؤں
دربدر پھرتے ہیں اب عشق کے ہاتھوں سے تباہ — گھر سے رکھتے نہ تھے باہر جو کسی کام میں پاؤں
میں وہ بلبل ہوں کہ جب فصلِ گل آئی سر پہ — پھنس گیا گردشِ دوراں سے مرا دام میں پاؤں
رہ گئی دید کی ہیہات تمنا اے ربط — سر کٹا رکھتے ہیں کوئے بتِ خود کام میں پاؤں

یہی ہیں لذتیں تو ہے یقیں کیا کیا نہ روئیں گے — اگر یاد آگیا پیری میں عالم نوجوانی کا
اٹھا کر آنکھ بھی حوروں کو جنت میں نہ دیکھیں گے — رہا دھڑکا جو ایسا ہی کسی کی بدگمانی کا

ہر طرح آپ تو سنائیں گیا خوب — ہم شکوہ زباں پہ نہ لائیں گیا خوب
دیں گالیاں آپ ہم ہنسی میں ٹالیں — اور آپ ہنسی میں روٹھ جائیں گیا خوب

رحم

راجہ نیم چند رئیس و منصبدار باشندہ حیدرآباد دکن

تم نہ سننا کبھی، ہیں درد انگیز — دلِ امیدوار کی باتیں
ہے لگاوٹ کا یہ نرالا ڈھنگ — ظلم کے ساتھ پیار کی باتیں

اسی واسطے ناصحا دل بنا ہے　　　خطا کیا ہوئی گر کسی کو دیا ہے

رحمت

پنڈت گنگا پرشاد کشمیری خلف پنڈت موتی لال باشندہ لکھنؤ، شاگرد جناب امانت لکھنوی

ہم روز کس طرح نہ دعا دیں اٹھا کے ہاتھ　　　دیتا ہے جام پینے کو ساقی بڑھا کے ہاتھ
ملتا ہوں غم سے میں کفِ افسوس راہ میں　　　چلتے ہیں ساتھ غیر کے جب وہ ملا کے ہاتھ
آنکھوں سے اپنی پنجۂ خورشید گر گیا　　　جس روز آ گئے نظر اس مہ لقا کے ہاتھ
رحمت خوشی سے پاؤں نہ پھیلاؤں کس طرح　　　دیکھے گلے میں اپنے جو اس مہ لقا کے ہاتھ

اے غیرتِ مسیح ترا عشق لیگا جان　　　ہے موت میری اس مرضِ لا دوا کے پاس

رحمتی

کنور سکھراج بہادر کائستھ رئیسِ اعظم و کمشنر میونسپل بورڈ عظیم آباد پٹنہ، خلف کنور ہیرا لال ضمیر، آپ کے دادا راجہ پیارے لال بھی شاعر تھے اور الفتی تخلص فرماتے تھے، راجہ پیارے لال شاہ عالم ثانی کے عہد میں دہلی چھوڑ کر عظیم آباد میں مقیم ہو گئے تھے

جب آپ ہی کو پاس نہیں رسم و راہ کا　　　کیا فائدہ جو ہو بھی ارادہ نباہ کا
دکھا کر وہ گئے ہیں جب سے اپنی زلفِ شبگوں کو　　　بلائیں آ رہی ہیں میرے سر پہ دیکھتے جاؤ
جب سلسلہ جنباں یہ تری زلفِ رسا ہو　　　عاشق ترا کس طرح نہ زنجیر بپا ہو
کرنے کے لیے دعائے قاتل　　　زخموں کا کھلا دہن ہمیشہ

رسا

لالہ امبا پرشاد داستان گو ولد چنڈی پرشاد باشندہ لکھنؤ، شاگرد جناب ہوش و میر قاسم علی۔

جان نکلی جو میرے جسم سے جب آنکھ لگی　　　اور بتلائے مجھے ہجر میں کب آنکھ لگی

رسوا

جناب آفتاب رائے جوہری۔ باشندہ دہلی۔ محمد شاہ کے عہد میں آپنے اپنے مذہب

کو ترک کرکے دین اسلام قبول کرلیا تھا

قفس سے چھوٹ گئے ہم اور چمن میں جائے نہیں
اڑیں تو پر نہیں رکھتے چلیں تو پائے نہیں

مست ہو کر گر پڑے ہیں ہر طرف دیوار و در
ابرِ رحمت ہے برستا یا برستی ہے شراب

وصل میں بیخود رہے اور ہجر میں بیتاب ہو
اس دِوانے دل کو رسوا کس طرح سمجھائیے

کوئی جا نہیں زمیں پہ کہ اشکوں سے نم نہیں
رسوا بھی اس زمانے میں مجنوں سے کم نہیں

رسوا ہوا خراب ہوا دربدر ہوا
اس عاشقی کے پنتھ میں جس کا گذر ہوا

رسوا

پنڈت گنگا پرشاد

اے پری کوچہ سے تیرے کیوں قدم اٹھتا نہیں
پڑ گیا مجھ پہ بھی کیا سایہ تری دیوار کا

تھے مجھے ہنگامۂ محشر پہ کیا کیا اعتراض
جب تلک دیکھا نہ تھا عالم تری رفتار کا

رسوا

بابو ہرکشن داس کلرک سدرن پنجاب ریلوے مقیم دہلی شاگرد جناب آغا شاعر وشیدا دہلوی،

مدتوں ہو نہ سکا جب ترے ابرو کا جواب
ٹھوکریں کھائیں ہلالِ سُم توسن ہو کر

کردیا پامال اس صورت سے رسوا کا مزار
ٹھوکروں پر ٹھوکریں آتے ہوئے جاتے ہوئے

نیچی نظروں سے ہوئے جاتے ہیں بسمل لاکھوں
حشر برپا ہو اگر آنکھ اٹھائے کوئی

ساقیا مجھ کو وہ مخمور دکھا دے آنکھیں
ہوں نہ دیدہ مئے گلرنگ کے پیمانوں کا

یاد آتا ہے شبِ وصل کسی کا کہنا
ہاتھ ٹوٹیں جو ہمیں ہاتھ لگائے کوئی

رشک

بابو گنگا پرشاد باشندہ بلند شہر ۱۸۹۰ء کے قریب حیات تھے

شب آپکی بسر ہوئی کل کس کے گھر میں ہے
چہرہ اداس دیکھتا ہوں درد سر میں ہے

جب سے ان کو گالیوں کی خو پڑی
ہم کو بھی سننے کی عادت ہو گئی

رشکی

راجہ کندن لال، آپ مرزا حاتم علی مہر کے دوستوں میں تھے غدر کے بعد تک زندہ رہے

ہمارے حق میں وہ کیا کچھ کہا نہیں کرتے — ہم اپنے کانوں سے کیا کچھ سنا نہیں کرتے
نہیں ہے یار سے سرگوشی اتنی بہتر زلف — پری رخوں کے بہت سر چڑھا نہیں کرتے
کسی بہانے سے کوئے صنم میں جا کر ہم — جو بیٹھتے ہیں تو پہر دن اٹھا نہیں کرتے
گلہ ہے یہ کہ رقیبوں سے ربط ہے اس کو — ہم اور جور و جفا کا گلا نہیں کرتے
گیا جو چاک گریباں عجب ہے کیا ناصح — کہ جوشِ عشق میں دیوانے کیا نہیں کرتے
نہیں ہے وصل مقدر تو کیا کریں ورنہ — ہم ان سے ملنے کی تدبیر کیا نہیں کرتے
تم اہلِ دل ہو بتاؤ تو اے میاں رشکی — یہ چال دیکھ کے کب دل پسا نہیں کرتے

رشید

پنڈت کنور بہادر ولد پنڈت گنیش پرشاد، باشندہ فرخ آباد، شاگرد جناب امداد حسین صفیؔ

خلق میں اس گلِ خوبی کی جو شہرت ہوگی — ہر طرف رونقِ بازارِ محبت ہوگی
ایک دن میں جو نہ آؤں تو خفا ہوتے ہو — خیر ہے خیر ہے تم سے مجھے غفلت ہوگی
آرزو کب دلِ ناشاد کی بر آئے گی — یہ تو فرمائیے کس روز عنایت ہوگی
سنتے ہیں آج وہ بت تیغ بکف آتا ہے — کون روکے گا جو قسمت میں شہادت ہوگی
پیچ میں اس کے رشیدِ جگر افگار نہ آ — عشقِ گیسو سے تجھے اور بھی نفرت ہوگی

رعد

منشی جب لال کائستھ خلف منشی گنیش پرشاد وکیل ہائی کورٹ وآنریری مجسٹریٹ بھنڈ ریاست گوالیار، شاگرد جناب داغ دہلوی، صاحب دیوان ہوئے ہیں، ۱۹۵۷ء میں بعمر ۸۰ سال وفات کی،

مزہ تھا زندگی کا گر مسرت سے جئے ہوتے — یہ کیا جینا ہے ہم مر کے جئے جب نیم جاں ہو کر
مژہ نے اور نگاہِ ناز نے دل پر ستم ڈھایا — وہ خنجر بن کے چلتی ہے وہ چبھتی ہے سناں ہو کر
بلا کی دل فریبی ہے نگاہِ ناز میں ان کی — اشارہ پاتے ہی دل چل دیا کیا شادماں ہو کر
یہ کیا معلوم تھا حسرت نہ نکلے گی نہ نکلے گی — یہ سمجھے تھے کہ دل میں آئی ہے یہ میہماں ہو کر

مرے جاتے ہو کیوں اے رعد اب آتا ہے وہ دن بھی
کہ ان کو تم لگاؤ گے گلے سے شادماں ہو کر

چونک پڑنا، تو مرے دل کی نئی بات نہیں
سوتے فتنوں کو جگاتی ہے تمہاری آواز
غنچۂ دل ہمہ تن گوش ہوا ہے اے رعد
پھول کی طرح کھلا سن کے کسی کی آواز

دل لے گیا جہاں نہ گذر تھا خیال کا
پہونچے ہیں ہم کہاں سے کہاں راہبر کے ساتھ
فلک کو ناز بیجا ہے اس اپنی فتنہ سازی پر
ابھی کچھ اور سیکھے ان کے کوچہ کی زمیں ہو کر
دلبر کی جگہ درد رہا کرتا ہے دل میں
گھر اور کا تھا آ ہوا اس میں مکیں اور

رعنا

پنڈت دوارکا ناتھ رینہ کشمیری خلف پنڈت منوہر لال رینہ کشمیری باشندہ لکھنؤ، شاگرد جناب حاجی مولانا محمد خاں غریب سہارنپوری۔ آپ فیض آباد میں دولت کا کرنے کے بعد دہرہ دون میں مقیم ہو گئے تھے، آپ امرناتھ ساحر دہلوی کے ہمشیرزادے تھے۔

نوحہ لالہ لاجپت رائے

درِ وطن کے تھے دربان عمر بھر پیارے
نمر کسی تھی سپاہی کے ٹھاٹھ تھے سارے
جب آنکھ ہونے لگی بند نیند کے مارے
جگا کے قوم کو تم سو رہے تھکے ھارے

بڑے دُلار سے مادر نے تھا تمہیں پالا
غریب ہند کو اب داغ دے گئے لالا

یہ داغ وہ نہیں مٹ جائے جو مٹانے سے
یہ درد وہ نہیں دب جائے جو دبانے سے
یہ آگ وہ نہیں بجھ جائے جو بجھانے سے
چتا جلائی تو عنصر لگے بھڑکانے سے

اگن اگن میں ملی جل میں جل ہوئے سب پاک
ہوا ہوا میں خلا میں خلا خاک میں خاک

نکل سکا تھا ابھی تک نہ کچھ غبارِ وطن
اجل نے چھین ہم سے تجھکو یارِ وطن
بڑھا ہوا تھا تری شان سے وقارِ وطن
بغیر تاج کے تو ہی تھا تاجدارِ وطن

رہا تھا دیر و حرم شیخ و برہمن میں نہ بھید
کئے تھے خدمت قومی میں سر کے بال سفید

رفعت

لالہ رام دلارا شاگرد جناب مرزا رحیم الدین صبا دہلوی۔ آپنے غدر کے بعد وفات کی

زندگی خضر و مسیحا کی نہ کیونکر ہوتی ... روگ الفت کا نہ تھا عشق کا آزار نہ تھا
آفت ہے گو کہ فتنۂ روز جزا مگر ... کیا سر اٹھائیگا تری ٹھوکر کے سامنے

رفیق

منشی رگھوبنس سہائے وکیل منصفی بانکہ، شاگرد جناب نوازش مونگھیری

بھولے سے ستمگر نے مجھے یاد کیا ہے ... کیا خوب سنائی مجھے قاصد نے خبر آج

رقم

حکیم سکھانند باشندہ دہلی، شاگرد حضرت شاہ نصیر دہلوی

دفورِ شوق میں رخ کے لئے دہاں کے لئے ... نہیں تمیز کہ بوسے کہاں کہاں کے لئے

رقم

منشی پربھو دیال کائستھ ورمن ولد منشی گمبھیر دیال ولادت ۱۸۹۱ء شاگرد جناب ایشوری پرشاد عاصی باشندہ بوندی، آپ کا آبائی وطن علیگڈھ تھا، مگر آپ کے والد اور تایا منشی مکٹ بہاری لال بوندی میں آکر آباد ہو گئے تھے اور ریاست میں میر منشی اور سیکرٹری کونسل کے عہدوں پر مامور رہے، خود راقم صاحب بھی ریاست میں اسسٹنٹ آفیسر کسٹم ایکسائز ڈپوٹی سپرنٹنڈینٹ پولس اور اسسٹنٹ فائننس منسٹر کے عہدوں پر ممتاز رہے، آپ کو شعر و شاعری سے کافی لگاؤ تھا

زاہدا سمجھا ہے کیا دیر کے کمتر پتھر ... سنگِ اسود بھی ہے کعبہ میں مقرر پتھر
اسکی سرخی کو کہاں لعل پہونچ سکتا ہے ... شوخیِ لب کے ہو کس طرح برابر پتھر
طبعِ عالی سے رقم ہو گئے مضموں جوہر ... تھی بظاہر یہ زمیں گرچہ ہرا سر پتھر

نقاب اپنے رخ سے ہٹائے ہوئے ہیں
وہ سورج کو ذرّہ بنائے ہوئے ہیں

جو ابرو کو سمجھے ہیں محرابِ کعبہ
وہ سر بہرِ سجدہ جھکائے ہوئے ہیں

رقم آج ہے عزمِ شب خوں کا شاید
ہے مسّی ملی پان کھائے ہوئے ہیں

قد صنوبر زلف سنبل اور ہیں رخسار پھول
نازکی میں ہے سراپا وہ بتِ عیّار پھول

پھر وہی دورِ خزاں ہے چند دن کی ہے بہار
اس قدر دل میں نہ تولے عندلیبِ زار پھول

برہم وہ ہو کے بولے کہ تو مار کھائیگا
بوسے جو میں نے زلفِ گرہ گیر کے لئے

برق حسرت سے جلی رخسارِ تاباں دیکھ کر
آگے تیری زلف کے بھرتی پھری پانی گھٹا

تیرے دندانِ پر ضیا سے آج
گل ہوا ہے چراغ گوہر کا

عشقِ زلفِ سیاہ فام ہوا
اپنے قبضہ میں ملکِ شام ہوا

رمز

منشی برج بہاری لال باشندہ مرادآباد، شاگرد منشی امیراللہ صاحب تسنیم لکھنوی،

اک وار میں دو ٹکڑے کئے دل کے جگر کے
قائل ہیں ہم اس جوہرِ شمشیرِ نظر کے

کمسن ہے کہیں سہم نہ جائے وہ دمِ قتل
اے زلف تو آجا رخِ قاتل پہ بکھر کے

دیکھا نہ کبھی پیار کی آنکھوں سے ادھر حیف
مجکو نہ دیا آپ نے ساغر کوئی بھر کے

کب روح کو فنا ہے بدن کی فنا کے ساتھ
پستا کہاں ہے رنگ حنا کا حنا کے ساتھ

دل کی لگی بھڑکتی ہے آہِ رسا کے ساتھ
اٹھتے ہیں جیسے آگ کے شعلے ہوا کے ساتھ

پازیب کی صدا ہے تمہاری کہ روزِ حشر
فتنے ہزاروں اٹھتے ہیں آوازِ پا کے ساتھ

رمز اب روتے ہو کیا دل کو جگر کے سامنے
کیوں گئے سینہ سپر تیرِ نظر کے سامنے

ہے تصور میں بھی ان کے کس قیامت کی حیا — سامنے ہیں اور نہیں آتے نظر کے سامنے

ہائے پتھرا گئیں آنکھیں مری تکتے تکتے — دم آخر بھی نہ وہ شوخ ستمگر آیا
اے رمز تیر یار نشانی سے کم نہیں — پہلوئے دل میں رکھئے لگا کر جگر سے آپ

رمز

منشی بلاس رائے شاگرد جناب شوکت

کشتۂ تیغ محبت کو جلاتے جاتے — کیا بگڑتا جو ذرا لب کو ہلاتے جاتے
کیا مزہ ہوتا جو در کا ترے پتھر ہوتا — ٹھوکروں ہی میں تری رہتا میں آتے جاتے
شربت وصل اگر تھا نہ مری قسمت میں — شربت مرگ ہی وہ مجکو پلاتے جاتے
رمز بیچارہ ترے عشق میں مرتا ہی رہا — حال بھی تو نے نہ پوچھا کبھی آتے جاتے

رمز

سوامی سدانند سرسوتی عرف بہاری لال باشندہ دکن، شاگرد جناب منشی کنہو لال تائب لکھنوی۔

تیرے میرے بندھ گیا رشتہ منظم تقدیر سے — کھل نہیں سکتی گرہ اب یہ کسی تدبیر سے
بھوک میری کھاتے کھاتے گالیاں جاتی رہی — پیاس بھی ظالم بجھا آب دم شمشیر سے
پھر گئی ساری خدائی ہو گیا دشمن جہاں — پھیر لیں آنکھیں جو تو نے وائے مجھ دلگیر سے

کچھ ایسی بھول بھلیاں ہے اس کے کوچہ میں — تمام عمر جو گھومیں نہ پھر بھی راہ ملے
حرم میں دیر میں مسجد میں کوہ و صحرا میں — کہاں کہاں مرے نالے مجھے تباہ ملے

رمز

مہاراج بینی مادھو قنوجیہ متوطن برج راجپور، شاگرد جناب زخمی کاکوروی

آئینہ کو دیکھا نگہ غور سے ہم نے — صاف اس سے زیادہ ترا زانو نظر آیا
میں شمع منور کہوں اس کو تو بجا ہے — سانچے میں ڈھلا یار کا بازو نظر آیا

اے رمز میں سمجھا کہ ہے تقدیر کا کچھ بل
برہم جو مجھے یار کا گیسو نظر آیا

رند

پنڈت گنگا پرشاد کشمیری خلف پنڈت بشن چند باشندہ لکھنؤ، شاگرد جناب جرأت لکھنوی، ولادت ۱۸۰۵ء آپ آگرہ میں سررشتہ دار تھے بعدازاں تحصیلدار مقرر ہوگئے۔ ۱۸۶۸ء میں وفات کی،

دیکھکر تصویر یہی لاچار ہم بہلائیں جی
شکل اس کی گر کھینچے بہزاد تیرے ہاتھ سے

اے جزاک اللہ مدت بعد سنتے ہیں کہ رند
پھر ہوا ہے دشتِ قیس آباد تیرے ہاتھ سے

دل ہوا خوں اور جگر بھن کر کباب
ہت لیے تیرے عشق کا خانہ خراب

فصلِ گل ہے اور ہنگام شباب
ہاں مغنی نغمۂ چنگ و رباب

جرعۂ مے حضرتِ پیرِ مغاں
اب ثواب اس میں ہو صاحب یا عذاب

نہ تو کی نالۂ شب نے تاثیر
نہ اثر آہِ سحر میں دیکھا

حسن پریوں کا سنا کرتے ہیں
عشق دیکھا تو بشر میں دیکھا

جلاتی ہے تپِ عشق آہ جیتے جی بدن میرا
موئے پر یا الٰہی کب یہ چھوڑیگی کفن میرا

مل چکا میں خاک میں اور دل میں ہے تیرے غبار
جانِ من مجھ سے اس قدر کس نے مکدر کر دیا

روتا ہوں چپکے چپکے آتا ہے یاد جس دم
وہ دیکھنا کسی کا نظریں چرا چرا کر

مانتے ہو گر برا معشوق کہنے سے تو جاں
ہم تمہیں مشہور اپنا چاہنے والا کریں

کیے زخمِ جگر کے ہائے درماں کتنے ہی ہم نے
گئے آخر کو مرہم پر نہ کی تاثیر مرہم نے

وہی فغاں ہے وہی آہ ہے وہی نالہ
خدا کے فضل سے اپنا جو حال ہے سو ہے

رند

منشی کھیم نرائن کھتری باشندہ دہلی نبیرہ لالہ لچھمن نرائن۔ طب میں کمال رکھتے تھے

بیشتر فارسی کلام کہتے تھے۔ آخری ایام میں آپ کلکتہ چلے گئے تھے، مولوی حفیظ الدین شہید آپ کے نامی شاگرد ہوئے ہیں

نالۂ طنبور و چنگ اے اہلِ غفلت تم سنو ۔۔۔ گوش زد ہوتی ہے ہردم یہ نصیحت ساز سے
ہے سزا اسکی کہ روز و شب وہ پائے گوش مال ۔۔۔ رازِ دل بے پردہ کہدے جو بلند آواز سے

رنگ

لالہ کیشو داس خلف رائے بہادر لالہ ہیرا مل باشندہ دہلی، ۱۸۸۴ء میں آپ بسلسلہ کاروبار کلکتہ میں بود و باش رکھتے تھے۔

ہے نصیرِ کار اپنا جب وحیدِ دو جہاں ۔۔۔ لاکھ کوہِ غم اگر سر پر ہو نازل کیا ہوا
ماہ رو تجھ سا زمانے میں نہ دیکھا اے شوخ ۔۔۔ چاندنی کو بھی کیا حسن نے شیدا اے شوخ

رنگ

لالہ لکھپت رائے باشندہ حسین پور کلاں ضلع مظفر نگر

بتوں کو حضرتِ شیخ آپ کیا سمجھتے ہیں ۔۔۔ سمجھ ہے جن کو وہ ان کو خدا سمجھتے ہیں
جلا کے چرخ کو یہ ایک دم میں خاک کرے ۔۔۔ وہ نالۂ دلِ عاشق کو کیا سمجھتے ہیں
خدا نے جن کو سمجھ دی ہے حضرتِ زاہد ۔۔۔ بتوں کے حسن کو نورِ خدا سمجھتے ہیں

قتلِ عشاق کا بیڑا وہ اٹھا بیٹھے ہیں ۔۔۔ دستِ نازک سے مگر تیغ اٹھائیں کیونکر
دل کی تڑپ کا بعدِ فنا بھی یہ حال ہے ۔۔۔ تربت میں بھی ہمارا ٹھہرنا محال ہے
چوٹی کیا مانگتی ہے کچھ نہیں کھلتا عقدہ ۔۔۔ رات دن یہ ترے پیچھے جو پڑی رہتی ہے
آپ بھی ہے دلِ بیتاب گرفتارِ بلا ۔۔۔ مجکو بھی ایسی مصیبت میں پھنسا رکھا ہے

رنگین

لالہ موہن لال کائستھ، باشندہ دہلی

رنگیں نہیں ہے قطرۂ شبنم یہ باغ میں ۔۔۔ بادِ صبا نے مے سے بھرا ہے ایاغِ گل

رنگین

لالہ بلاس رائے برادر خورد مہاراجہ بینی بہادر رئیس اعظم باشندہ بریلی

میں تیرے ظلم کو دیکھے ہوئے کہتا ہوں اے ظالم
جو بر تقدیر تو میرا خدا ہوتا تو کیا ہوتا

غیروں کے پاس جانا ہم سے کبھی نہ ملنا
افسوس ہے تو یہ ہے ارمان ہے تو یہ ہے

پہچان لیجو کشتۂ رنگیں کو اے صبا
اٹھتا ہے اسکی خاک سے ابتک غبار سرخ

رنگین

راجہ ہری دت دوبے بہادر۔ شاگرد جناب ریاض خیرآبادی، آپ راجہ جونپور اودھ کے تعلقدار تھے،

دمِ نزع دیدار آکر دکھاؤ
دم آنکھوں میں اٹکا ہوا ہے کسی کا

ادائیں غضب شوخیاں ہیں قیامت
شبِ وصل کیا پوچھنا ہے کسی کا

تڑپتا ہے دل کی طرح اپنے کوئی
کسی پر جو دل آگیا ہے کسی کا

اثر تو فلک سے اترآ خدارا
بلند آج دستِ دعا ہے کسی کا

مرنے والوں سے تمہارا یہ سوال اچھا ہے
وصلِ حور اچھا ہے یا میرا وصال اچھا ہے

بعد مردن بھی وہی چھیڑ چلی جاتی ہے
قبر پر پوچھتے ہیں آکے یہ "حال اچھا ہے"

کبھی آتا تو ہے وہ اس کی عیادت کیلئے
یہ برا بھی ترے بیمار کا حال اچھا ہے

زاہد کی جب سے دخترِ رز آشنا ہوئی
حوروں سے چاہ آپ کو اس کی سوا ہوئی

رندوں کو دخترِ رز جو لگاتی نہیں ہے منھ
صحبت میں رہ کے شیخ کی یہ پارسا ہوئی

پیتے ہی ایک جام کے مدہوش ہو گئے
دنیا کے رنج ہم کو فراموش ہو گئے

قفس لے چل مرا گلشن میں صیاد
دکھادے سیر مجھکو بوستاں کی

رواں

چودھری جگت موہن لال خلف چودھری گنگا پرشاد باشندہ موروان ضلع اناؤ ولادت ۱۸۸۹ء، شاگرد جناب عزیز لکھنوی، پیشہ وکالت اپنے دور کے استاد شاعر اور صاحبِ دیوان ہوئے ہیں، ۱۹۳۶ء میں وفات کی،

غرض رہبر سے کیا ہمکو گلہ ہے جذبِ کامل سے
کہ جتنا بڑھ رہا ہوں ہو رہا ہوں دور ساحل سے
سکوتِ بے محل تقریرِ بے موقعہ کی تہمت کیوں
اٹھانا ہو تو ہم کو یوں اٹھا دو اپنی محفل سے
یہ ارمانِ ترقی آج ہے دعویٰ خدائی کا
اسی دل کا جو کل تک تھا ہوگی بوند مشکل سے
گل و لالہ پہ آخر کر رہا ہے غور کیا گلچیں
یہ وہ خوں ہے جو ٹپکا تھا کبھی چشمِ عنادل سے
شبِ مہتاب دریا کا کنارا اور سناٹا
تمہیں اس ساز پر ہم خوش کریں گے نغمۂ دل سے
غضب ہے جل کے پروانوں کا انکی بزم میں کہنا
رواں یا یوں فدا ہو جاؤ یا اٹھ جاؤ محفل سے

قطعات

اب دشمنِ جاں ہے کلفتِ غم ساقی
فریاد لبوں پر آ گیا دم ساقی
کیا دور نہ ہوگی مری یہ تشنہ لبی
میرے مولا میرے مکرّم ساقی

ملنا کس کام کا جو دل نہ ملے
چلنا بیکار ہے جو منزل نہ ملے
وسطِ دریا میں غرق ہونا بہتر
اس سے کہ نظر آکے بھی ساحل نہ ملے

روشن

لالہ شگن چند خلف لالہ نیادر مل قوم اگروال باشندہ پانی پت ولادت ۱۸۹۴ء شاگرد جناب مہاراج بہادر برق دہلوی، پیشہ وکالت، آپ نے بی۔اے کی ڈگری کے ساتھ فضیلت کی ڈگری بھی حاصل کی تھی، ڈرامہ نویسی اور اسٹیج پر ایکٹنگ کا بے حد شوق تھا، اپنے استاد سے بیحد عقیدت رکھتے تھے، دو شعر عقیدتمندی کے مندرجہ ذیل ہیں،

اے شمعِ علم تجھ پر پروانہ وار صدقے
قربان نقدِ دل ہے جانِ نزار صدقے

اس در سے پائی دولت جو میرے دل نے چاہی — تھا میں فقیر لیکن کرتا ہوں پادشاہی

نظم دیش بھگتی

پیر و جواں ہمارے پرہیزگار سب تھے — رکھتے تھے اس سبب سے فولاد کا بدن ہم
تھا ساتھ زورِ بازو کے آتما کا بل بھی — تھے محفلِ جہاں میں یکتائے علم و فن ہم
اب خامیاں ہماری مشہور چار سو ہیں — بیٹھے جو ہیں بھلا کر افسانۂ کہن ہم
پھر خدمتِ وطن پر باندھی کمر ہے کس کر — سرسبز پھر کریں گے اجڑا ہوا چمن ہم
اہلِ نظر کے آگے جوہر کھلیں گے اپنے — دکھلائیں گے جہاں کو تصویرِ علم و فن ہم
ہندوستاں کی خاطر تن من کریں گے صدقے — ڈنکے کی چوٹ سن لو یہ دے چکے بچن ہم
سرگرمیاں ہماری اب ہوں گی اس غرض سے — دنیا کی انجمن میں ہوں شمعِ انجمن ہم
ہندو ہو یا مسلماں رکھتے ہیں سب سے الفت — تیور پہ اب کسی کے لاتے نہیں شکن ہم
روشن ہے دیش بھگتی قومی شعار اپنا — رکھتے نہیں زباں پر اسکے سوا سخن ہم

مٹاؤں گا اسی پتھر سے تحریرِ مقدر کو — مبارک تیرے سنگِ در کا سجدہ ہو مرے سر کو
نفس جب تک ہے باقی اضطرابِ دل بھی باقی ہے — جدا کوئی نہیں کر سکتا آئینہ سے جوہر کو

میں اپنی آرزوؤں کی مجسم پائمالی ہوں — ازل سے جو خزاں دیدہ ہے اس گلشن کی ڈالی ہوں
تمناؤں کی وادی میں غبارِ کارواں ہوں میں — ہے جس پر غم کی تاریکی میں وہ آشفتہ حالی ہوں

روشن

منشی جانکی پرشاد، شاگرد جناب خیراتی لال شگفتہ لکھنوی

رہ گئے مٹ مٹ کے مثلِ نقشِ پا مشتاق سب — ابتدائے عشق یہ تھی انتہا کچھ بھی نہیں

روشن

بابو منی لال باشندہ شاہجہان پور، شاگرد جناب جوہر و احسان

کوہکن کو کوہ اور مجنوں کو صحرا دے دیا — خاک اڑانے کو مجھے اس بت کا کوچا دیدیا

عاشقوں میں آپ نے اچھی مری توقیر کی — داغ دل کیسا، مجھے الفت کا تمغا دیدیا
کھیلتے پھرتے ہیں ہاتھوں میں لیئے شوخی کے ساتھ — میں نے ان کو دل دیا گویا کھلونا دیدیا

حسین خلق ہوئے ہیں ہنسی خوشی کے لیئے — بنے ہیں عاشق ناشاد بیکلی کے لیئے
نہ دم لیا کہیں اک دم نہ چین سے بیٹھے — تمام عمر بھٹکتے پھرے کسی کے لئے

او دعدہ فراموش کدھر بھول پڑا آج — تقدیر یہ ہماری، جو یہ صورت نظر آئی
مجبور ہوں معذور ہوں اے ناصح مشفق — اب تو یہ طبیعت جدھر آئی اُدھر آئی

محبت اٹھ گئی دنیا سے ایسی دائے بیدردی — کسی کی جان جاتی ہے کوئی محوِ تماشا ہے
آج وہ سہم گیا دیکھ کے حسرت کا ہجوم — وسعتِ دل کو مرے حشر کا داماں سمجھا
کس ناز سے کہتا ہے قیامت ہیں وہ قاتل — کیوں آج یہاں خون کا دعویٰ نہیں ہوتا
تمہارا میں نہیں عاشق تو تم عاشق سہی میرے — یہ کوئی بات بھی ہے کس لئے جامے سے باہر ہو

روشن

منشی دیوان روشن لال خلف منشی دیوان منالال قوم کایستھ باشندہ دہلی آپ اپنا تخلص جا لب بھی فرماتے تھے،

الٰہی کیا فسوں دل پر کیا ہے چشم میگوں نے — کہ ہم کعبہ سے پھر کر ہو گئے رہگیر میخانہ
یہی گر دَور دورہ میکشی کا ہے زمانے میں — تو کعبہ سے کہیں بڑھ جائے گی توقیر میخانہ

کاوشِ مژگانِ جاناں کی دلا دیتا ہے یاد — پاؤں میں چبھ چبھ کے ہر دم ٹوٹ جانا خار کا
کرم ہو یا ستم الفت میں ہم کو سب برابر ہے — خوشی ہے وصل کی اچھی نہ فرقت کا ہے غم اچھا
رد روشن میں لبھاتا ہوں انھیں شعر سنا کر — وہ منھ بھی لگاتے نہیں مجھ ہرزہ سرا کو

رونق

لالہ رام سہائے باشندہ لکھنؤ ولد حکیم منالال از عزیزان راجہ جھاؤلال، شاگرد

جناب ناسخ لکھنوی، فارسی کلام زیادہ تر کہتے تھے ۱۸۶۴ء میں وفات کی،

غصہ میں ترے موت ہے آئی مرے دل کی
ہے چیں بہ جبیں دشمنِ جانی مرے دل کی

صد چاک ہے شانہ کی طرح زلف کے غم میں
قاصد یہ اسے کہیو زبانی مرے دل کی

پانی عرقِ شرم سے ہو کر نہ بہے کیوں
دیکھے جو سحاب اشک فشانی مرے دل کی

یہ خونِ جگر آنکھوں سے جو آتا ہے ہر دم
سب جانتے ہیں اسکو نشانی مرے دل کی

سنتے ہی نہیں لوگ کبھی قصۂ فرہاد
رونق ہے وہ مشہور کہانی مرے دل کی

رونق

رائے گنگا پرشاد بہادر خلف لالہ بھوانی پرشاد۔ باشندہ بریلی، آپ ۱۸۷۲ء میں بریلی میں ڈپٹی کلکٹری کے عہدہ پر مامور تھے،

آغاز میں نہ فکر کی انجام کے لئے
چھوڑا خدا کو الفتِ اصنام کے لئے

تو بھی تو کامِ دل نہیں ہوتا کبھی حصول
گر جان دیجئے بتِ ناکام کے لئے

آغاز میں تو ہم سے وہ بت ہمکنار ہے
اندیشہ کیا ضرور ہے انجام کے لئے

بت پوجیں سجدہ دیر میں صبح و مسا کریں
خلقت ہوئی ہے اپنی اسی کام کے لئے

آغاز میں تو عیش ہے رونق وصال میں
غافل کو غور چاہیے انجام کے لئے

رونق

لالہ شیو ناتھ سہائے ولد کشن دیال باشندہ بچھری برانواں صوبہ بہار شاگرد جناب اکبر دانا پوری فارسی میں اچھی دستگاہ رکھتے تھے،

خوش خرامی میں بھی صاحب کی توجہ چاہیے
دیکھئے دل خاکساروں کے ہیں غلطاں زیرِ پا

وہ دل سے ایسا ہی سمجھیں تو لطف ہے ورنہ
لکھا جو عاشقِ شیدا خطاب کیا ہوگا

بود و نابود ہے انساں کے لئے مثلِ حباب
ہستی و نیستی ہے اپنی خبر کی مانند

کس قدر پُر درد ہے رونق بیانِ عندلیب
ہوش اڑ جاتے ہیں سن سن کر فغانِ عندلیب

پاؤں میں چھالے جگر شق دل میں درد
میں سراپا غم کا پُتلا ہو گیا

رونق

منشی رادھا موہن لال اہلمد راج ریاست ترواضلع فرخ آباد

ملبوس بظاہر ہے فقیرانہ ہمارا / پر حوصلۂ دل تو ہے شاہانہ ہمارا
الجھاتے ہو دل گیسوئے پُرپیچ میں لیکن / اے آئینہ رو ٹوٹے نہ یہ شانہ ہمارا
ہر اک کو فراموش ہوا قصۂ مجنوں / اب وردِ زباں سب کے ہے افسانہ ہمارا
مے پی کے نظر آتے ہیں اسرارِ نہانی / کم ساغرِ جم سے نہیں پیمانہ ہمارا
دیکھا جو مئے عشق سے معمور تو بولے / کیا جھومتا یہ آتا ہے مستانہ ہمارا

قیس ہر دم یہی کہتا ہے بیابانوں میں / ہم بھی ہوتے کبھی لیلیٰ کے شتربانوں میں
کچھ بھی اے غیرتِ یوسف نہیں انکار مجھے / بیچ لے شوق سے چل کر سرِ بازار مجھے

رونق

منشی پیارے لال خلف منشی جے نرائن، باشندہ دہلی۔ ولادت ۱۸۶۶ء، شاگرد جناب راسخ دہلوی۔ آپ رسالہ "کمال" دہلی کے ایڈیٹر رہ چکے ہیں، دو دیوان شائع ہو چکے ہیں۔ ۱۹۳۴ء میں رحلت کی۔

کچھ نہیں اور یہاں جلوۂ وحدت کے سوا / کیا نظر آئے نگاہوں کو حقیقت کے سوا
نور آنکھوں میں رہا تیرا تصور دل میں / ہم نے جلوت میں بھی دیکھا تجھے خلوت کے سوا
ہم حسیں چاہیں جہاں میں تو بہت اے زاہد / تجھ کو حوریں نہ ملیں گی کہیں جنت کے سوا
کچھ عجب نیند کے ماتے ہیں یہ سونے والے / ایسے سوئے کہ نہ اٹھیں گے قیامت کے سوا
پی کے کھل جاتے ہیں اسرارِ نہانی رونق / اور کیا شغل ہو جامِ مئے وحدت کے سوا

ناز کیا ہو اس بہارِ گلشنِ ایجاد پر / نقش ہے نیرنگِ ہستی خاطرِ ناشاد پر
دل میں رہ رہ کر گیا ہے جس نے خونِ آرزو / اعتمادِ دوستی ہے اس ستم ایجاد پر
کھل نہیں سکتی ستم پر بھی زبانِ شکوہ سنج / ضبط نے مہریں لگا دی ہیں لبِ فریاد پر

صفحۂ کاغذ پہ بول اٹھنے کو ہے تصویرِ حسن
شوخیاں مچلی ہوئی ہیں خامۂ بہزاد پر

جب تو سو رنگ سے ہر شکل میں صورت میں رہے
کیوں نہ پھر جلوۂ وحدت ترا کثرت میں رہے

کیوں نہ ہو نغمۂ توحید زباں پر رونق
ہم وہ بلبل ہیں جو گلزارِ حقیقت میں رہے

مری تر دامنی کا حشر میں ڈھک جائیگا پردہ
جو آیا جوش پر دریا کہیں اشکِ ندامت کا

جہاں میں بت نہیں ملتے خدا نہیں ملتا
نگاہ ڈھونڈنے والی ہو گیا نہیں ملتا

جل گیا آہِ شرربار سے بلبل کی چمن
ہر طرف گل کی جگہ ڈھیر ہے انگاروں کا

مرتے ہیں تابشِ دُرِ دندانِ یار پر
چادر ہو موتیوں کی ہمارے مزار پر

بندِ نقاب توڑ گئی شوخیِ نظر
جو پردہ حجاب تھا حائل نہیں رہا

نظم وطن پرستی

گر دل میں جوشِ جذبۂ حبِّ وطن رہے
زوروں پہ رنگِ موجِ بہارِ چمن رہے

یوں گفتگوئے قوم سرِ انجمن رہے
آزادیِ وطن کا لبوں پر سخن رہے

آزادیوں کی راہ میں ہے مر کے دوڑنا
اچھا ہوا نہ پاؤں میں چاکِ کفن رہے

ہستی ہماری کہتی ہے مل کر بھی خاک میں
ذرّوں سے اپنے زینتِ خاکِ وطن رہے

ہو جائے دور قوم سے تاریکیِ وطن
صبحِ طرب میں جلوۂ شامِ وطن رہے

ہے بارگاہِ قدس میں رونق کی یہ دعا
آباد اہلِ قوم سے یہ انجمن رہے

رونق

ماسٹر لچھمی نرائن کھتری خلف بابو بال کشن دھون باشندہ لکھنؤ، شاگرد جناب شاہ پیر دہمیر لکھنوی۔ ولادت ۱۸۷۴ء، آپ کے بزرگ آگرہ کے باشندہ تھے بعد غدر لکھنؤ مقیم ہو گئے تھے، آپ اردو و فارسی اور انگریزی میں اچھی قابلیت رکھتے تھے، جوبلی ہائی سکول کے ہیڈ ماسٹر رہ چکے ہیں،

کچھ نہ پوچھو حال میرا کیا شبِ دیجور تھا
بے طرح بے چین پہلو میں دلِ رنجور تھا

ہر آئینہ سے نہ دعویٰ کرو صفائی کا — پھسل نہ جائے کہیں پاؤں خود نمائی کا

کچھ نہیں دیکھتے جز جلوۂ جاناں رونق — جس طرف عاشق جانباز نظر کرتے ہیں

ان سے پیدا ہیں کہاں دل کے ستانے والے — ہم سے دنیا میں کہاں ناز اٹھانے والے

واہ کب ساقیٔ محفل کو مرا آیا خیال — جبکہ میری عمر کا لبریز پیمانہ ہوا

تنگ آکر زنِ دنیا سے عدم کو جو گیا — نام اس نے نہ لیا لوٹ کے گھر آنے کا

نیکوں کی عیب جوئی ہے باعثِ فضیحت — منھ پر پڑے گا آکر گر آسماں پہ تھوکا

پتہ کیا پوچھتے ہو دل ستاں کا — وہ باشندہ ہے ملک لامکاں کا

ذرا حظ نہ ہمکو ملا زندگی کا — گذر سب زمانہ گیا زندگی کا

کوئی لاکھ دوہرائے سینہ پہ آنچل — چھپائے سے جوبن چھپا ہے کسی کا

بکھرنے کو ہے عنبریں زلف رخ پر — گھٹا میں چھپے گا قمر دیکھ لینا

ریحاں

بابو بھگوتی پرشاد کائستھ خلف منشی کالی پرشاد وکیل زمیندار و باشندہ گورکھپور ولادت ۱۸۸۲ء شاگرد جناب حکیم قاضی رحیم بخش آزل گورکھپوری و جناب وسیم خیرآبادی پیشہ وکالت، آپ کی تصنیفات میں گؤلیلا، ہنومان چالیسا، بارہ ماسہ، نوحۂ غم، وغیرہ ہیں،

نہ جیتے جی ملے مجھ سے نہ وقتِ نزع وہ آئے — چڑھائیں گے وہ کیا پھولوں کی چادر میرے مدفن پر

یہ جوشِ بیقراری ہے لپٹ جاتا ہوں میں ان سے — پتنگے ٹوٹ کر گرتے ہیں جیسے شمع روشن پر

کیا کہئے حال ہستیٔ ناپائیدار کا — جھونکا ہو جیسے کوئی نسیم بہار کا

جس کے کرم سے باغِ جہاں ہے ہرا بھرا — ریحاں مجھے ہے عشق اسی گلعذار کا

وہ کہتے ہیں سنیں کیا ہم تمہاری داستاں غم کی — گلہ ہوگا زمانے کا شکایت ہوگی عالم کی

ریحاں

دیوان دیا کرشن سرپواستو خلف منشی گنگا سنگھ باشندہ لکھنؤ، شاگرد جناب موجی رام موجی صاحب دیوان ہوئے ہیں ۱۸۸۵ء میں انتقال کیا،

موجی سے کرو مشق سخن شعر میں حاصل
ریحاں کوئی استاد پھر ایسا نہ ملے گا

موجی سے مجکو کیوں نہ ہو ریحاں خصوصیت
میں اس کی روح ہوں جو دہ ہے مصحفی کی روح

جلوہ تمام رات ہے ماہِ تمام کا
جائیگا وقت صبح یہ مہمان شام کا

عہدِ شباب میں نہ پئیں مے تو کیا کریں
پیری میں ہوگا دھیان حلال و حرام کا

ایک عاشق کا ہے دل سات ہیں خواہاں اسکے
خال و خط، چشم و دہن، لب، رخ انور، گیسو

دیکھکر کیوں نہ ڈرے یار دم آرائش
سانپ بن جاتے ہیں آئینہ کے اندر گیسو

کس دشتِ بلاخیز میں لائی مجھے وحشت
پانی کا سہارا ہے نہ سایہ ہے شجر کا

رو رو کے شمع کہتی ہے اپنی زبان میں
مہمان شام سے ہوں سحر تک جہان میں

شریکِ رنج کسی کو نہ جز خدا دیکھا
نہ کوئی یار نہ ہمدم نہ آشنا دیکھا

ضبطِ رازِ عشق ریحاں کب تلک
ایک دن سب کو خبر ہو جائیگی

ریش

منشی سکھدیال سکسینہ ولادت ۱۸۸۶ء فارسی زبان میں بھی کلام کہتے تھے عین عالم شباب میں ۱۹۲۱ء میں وفات کی،

آئے تھے تیرے کوچہ میں بچنے کو مرگ سے
یاں آکے جو دیکھا تو اجل ڈھونڈ رہی ہے

ابھی اے مرگ تو نے کر دیا زیر زمیں مجکو
ابھی تھا دوستوں میں میں بزیرِ آسماں بیٹھا

ہم ہیں سراپا شکلِ غم صورتِ رنج سر بسر
بزم نشاط و عیش میں کوئی ہمیں بلائے کیوں

جہاں پڑے تھے ہم اے ریش رات مست و خراب
اسی کو حضرتِ ساقی کا آستاں کہتے

نام تو چھوڑ گئے اپنا ہما و عنقا　　ہم وہ معدوم ہوئے نام و نشاں کچھ بھی نہیں
بہارِ عمر کا کیا جانے کیا فسانہ ہے　　یہ شاخ بے خبری اپنا آشیانہ ہے
کوئی نہ باغ دہر میں یارب ہوا نہال　　ہر برگ آکے یاں کفِ افسوس مل گیا

(ز)

زار

منشی بانکے لال باشندہ بدایوں، شاگرد جناب نیاز خیرآبادی و امیر مینائی لکھنوی

بتا دو تم ہمیں جو طرز ہے وفائی کا　　سکھا دیں ہم تمہیں انداز دل ربائی کا
جو دستِ ناز سے اس نے اٹھا لیا ساغر　　تو جوڑ جوڑ جدا ہو گیا کلائی کا

کہاں اتری ہے دستارِ فضیلت　　کہو اے شیخ آئے ہو کدھر سے
جو دیکھا اپنے بسمل کو تڑپتا　　تو آنکھیں بند کر لیں اس نے ڈر سے

عیسیٰ بھی سر پٹک کے فلک پر چلے گئے　　بیمار تیرے عشق کا بیمار ہی رہا
حشر برپا ہے آج پہلو میں　　طور بے طور ہیں مرے دل کے

زار

لالہ دھنپت رائے ولد لالہ شنکر لال باشندہ بریلی مقیم لکھنؤ شاگرد جناب خواجہ وزیر فارسی زبان کے ماہر اور صاحبِ تصانیف ہوئے ہیں، اردو کی طرف کم توجہ تھی۔

میری طرح کسی پہ تمہارا جو آئے دل　　سینہ پہ ہاتھ رکھ کے کہو ہائے ہائے دل
کیوں کر تمہارے روئے مصفا تک آئے دل　　اس درجہ ہے صفا کہ پھسلتا ہے ہائے دل
داغوں پہ داغ صدموں پہ صدمے اٹھا چکے　　دیکھیں ابھی یہ اور نہ کیا کیا اٹھائے دل
میں گرمیاں کروں جو بھریں آپ آہِ سرد　　کیا خوش ہوں میں کسی پہ تمہارا بھی آئے دل
صبحِ عذار و گیسوئے شبگوں دکھائیے　　صدمے یہ رات دن کے کہاں تک اٹھائے دل

زار

منشی مینڈولال کائستھ خلف منشی چندی لال باشندہ لکھنؤ، شاگرد جناب طوطارام عاصی، فارسی زبان پر عالمانہ قابلیت رکھتے تھے، نامی استاد شاعر اور صاحب تلامذہ کثیرہ ہوئے ہیں، ۱۸۸۵ء میں وفات کی،

کام ہے کیا شمع کا فوری سے اور فانوس سے
گور ہے فانوس داغِ دل ہے یاں روشن چراغ

اس نے زلفیں کھول دیں یاں داغِ دل گم ہو گیا
زارؔ سچ ہے سانپ کے آگے نہ ہو روشن چراغ

لپٹی ہے پھر وہ زلفِ گرہ گیر پاؤں میں
بھائے نہ کس طرح مجھے زنجیر پاؤں میں

نقشِ قدم ہے پنجۂ خورشید روزِ حشر
کیا حق نے دی ہے یار کے تنویر پاؤں میں

لیلیٰ رگِ جاں قیس کی کھینچ آئی ہے شاید
ڈوری یہ نہیں پردۂ محمل سے لگی ہے

آئیں گے مرے پاس پئے قتل وہ کیونکر
مہندی کفِ پائے بتِ قاتل سے لگی ہے

جسدم دھواں اٹھا دلِ پُر اضطراب کا
گل ہو گیا فلک پہ چراغ آفتاب کا

زار

پنڈت تربھون ناتھ زتشی کشمیری ولد پنڈت پربھی ناتھ کشمیری باشندہ دہلی، ولادت ۱۸۷۱ء شاگرد حضرت داغ دہلوی، انگریزی اور فارسی زبان پر عبور رکھتے تھے

سوزِ دل دردِ جگر کاہشِ جاں رنجِ فراق
سینکڑوں عشق میں یارب غمِ پنہاں نکلے

جس طرف دیکھ لیا تو نے بھری محفل میں
کچھ تڑپتے ہوئے نکلے کئی بے جاں نکلے

مے کہیں جام کہیں اور مرے ہوش کہیں
ہم تری بزم سے کیا بے سر و ساماں نکلے

دم نکلتا ہے جو کہتا ہوں تو کہتا ہے وہ شوخ
دیکھیں ہم بھی تو تماشہ یہ ذرا ہاں نکلے

جاں بلب ہوں مر رہا ہوں عشق کا آزار ہے
رنج مونس یاس ہمدم غم گلے کا ہار ہے

کیا کہوں نوکِ مژہ جب سے جگر کے پار ہے　　درد بھی رہتا ہے تو میٹھا عجب آزار ہے

اٹھا جو روئے صنم سے نقاب مخمل کا　　فلک پہ پھیکا پڑا رنگ ماہِ کامل کا
ملے تھے زار سے ہم اب تو مر گیا ہوگا　　تڑپ رہا تھا پہ لب پہ تھا نام قاتل کا

بے وفا طرزِ وفا بھول گیا　　با وفا جیسے کبھی تھا ہی نہیں
دل ہمیں جب چھوڑ کے اس طرح گیا　　جیسے پہلو میں کبھی تھا ہی نہیں

مینائے مے جو پھینک دی بے وجہ تو نے شیخ　　کم ظرف یہ بتا تو سہی تجھکو کیا ملا

زاہد

برہمچاری پرم آنند جی، باشندہ دہلی۔ آپ کو فقیری میں درجۂ کمال حاصل تھا، شوق سخن بیحد تھا، بیشتر فارسی کلام کہتے تھے، اکثر اردو میں بھی طبع آزمائی کر لیتے تھے، تقریب ۱۸۹۰ء میں وفات کی،

کلکتہ کے ایک سیٹھ جی نے مندرجہ ذیل مصرع پر گرہ لگانے کیلئے آپ کے پاس ارسال کیا، مصرع "مچھلیاں دشت میں پیدا ہوں ہرن پانی میں"

آپ نے مندرجہ ذیل گرہ لگا کر سیٹھ جی کے پاس روانہ کر دی،

آہ دریا پہ کروں دشت میں آنسو ڈالوں
مچھلیاں دشت میں پیدا ہوں ہرن پانی میں

سیٹھ جی نے اس گرہ کو بہت پسند کیا اور آپ کی خدمت میں تحفے ارسال کیے،

تلاشی باغباں کی کیوں نہ لی بادِ صبا تو نے　　گیا ہے دل ترے گلزار سے چوری عنادل کا
بستی سے مجھکو صاف اڑا لائے دشت میں　　جو دل میں پھر رہے تھے بگولے غبار کے

ہوش آیا نہیں مجھے اب تک — کیونکہ اک مست کو میں چھو آیا
چشمِ بلبل سے یوں بہے آنسو — گل پکارے کہ آبِ جو آیا

زخمی

منشی الملوک راجہ رتن سنگھ کائستھ باشندہ لکھنؤ، آپ کا تعلق حضرت نصیر الدین حیدر بادشاہ اودھ کی سرکار سے تھا، راجگی کے خطاب سے ممتاز تھے فارسی کلام زیادہ تر کہتے تھے کبھی کبھی اردو میں بھی طبع آزمائی کر لیتے تھے، ایک دیوان بزبانِ فارسی طبع ہو چکا ہے، ۱۸۵۶ء میں بعمر ۶۵ سال وفات کی،

آنسوؤں سے ہوئی سرسبز مری کشتِ مراد — ابر کیا چیز ہے اور بارشِ باراں کیا ہے
جز ترے در کے یہ سب ہیچ ہیں جاؤں میں کہاں — بزم زہاد ہے کیا محفلِ رنداں کیا ہے
جاں گزیں جسکے وہ دل میں ہو نہ پوچھو اس سے — راحتِ وصل ہے کیا اور غمِ ہجراں کیا ہے

زر بات آج ان کو میسر ہے اے فلک — کل تک نہ جن کو آتا تھا بننا نواڑ کا

زخمی

منشی مہاراج بہادر کائستھ باشندہ کاکوری ضلع لکھنؤ، شاگرد جناب ظاہر موہانی، آپ فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے، ایک رسالہ موسوم "نامۂ زخمی" ۱۸۸۶ء میں جاری کیا تھا، نعتیہ کلام بھی خوب کہتے تھے،

کیا ہوائے نفس پر غالب ہوا انساں ضعیف — کچھ ہوا سے زور چل سکتا نہیں ہے کاہ کا
درکِ ماہیت میں اسکے عقلِ انساں ہیچ ہے — ما عرفنا قول ہے اے دل رسول اللہ کا
حاسدِ کج فہم تیغِ رشک سے بسمل ہوئے — مدح خواں جب سے ہوا زخمی رسول اللہ کا

جگر نوحہ کناں ہے دل کفِ افسوس ملتا ہے — ہزاروں حسرتوں کے ساتھ میرا دم نکلتا ہے
کہہ دو یہ طبیبوں سے عبث لکھتے ہیں نسخے — بیماریِ دل کی تو دوا اور ہی کچھ ہے،
دوستو دفن میں کس واسطے یہ عجلت ہے — میرے مرنے کی انھیں بھی تو خبر ہونے دو

زیب

ڈاکٹر کشوری لال ولد پنڈت گیندارام تخلص برادر خورد پنڈت پیارے لال آنند باشندہ کھنہ ضلع لدھیانہ، ولادت ۱۸۹۲ء اردو فارسی اور انگریزی تینوں زبانوں میں کامل تھے، ۱۹۳۲ء میں بسلسلۂ ملازمت سرکاری برہما میں مقیم تھے

اشک باری دیدۂ بیتاب تونے کی بہت
بخت ہی الٹا ہو تو پھر کیا کریں تدبیر کو
کچھ درِ جاناں درِ جنت سے ہم کو کم نہیں
فوق ہے کب خاکِ کوئے یار پر اکسیر کو
داغِ فرقت نے کیا دل غیرتِ شمس و قمر
خانۂ دل میں بسایا منبعِ تنویر کو

عجب کچھ ان دنوں تقدیر نے چکر میں ڈالا ہے
کہ شاخِ زندگی ہے مسکنِ بادِ خزاں میری

زیب

راجہ چھنو لال بہادر رئیس باشندہ حیدرآباد دکن، کافی عرصہ تک دفتر بخشی گری دکن میں سررشتہ دار رہے، اور کچھ دنوں نواب اقتدار یار جنگ بہادر اور نواب نصرت جنگ بہادر کی سرکار میں مختار رہے،

خستۂ و آشفتۂ و آوارۂ و رسوا کیا
اے جنابِ عشق تم نے جو کیا اچھا کیا
گھر کیا کرتے تھے ہر اک دل میں تم تو میری جاں
آئینہ نے اب تمہارے دل میں گھر پیدا کیا

تیغ کے ہیں جگر پہ وار بہت
تیر دل کے ہوئے ہیں پار بہت
دیدۂ و دل کی آبیاری سے
نخلِ غم اب کے لایا بار بہت

کیا حلاوت اٹھائی شیریں نے
عشق میں کوہکن نے کیا دیکھا
رہا زیب تا صبح اختر شمار
سرِ شام ٹھیرا تھا آنا ترا

زیبا

رائے اجودھیا پرشاد کائستھ رئیس و باشندہ شاہجہان پور شاگرد جناب احسان شاہجہانپوری

۱۹۱۰ء کے قریب رحلت کی،

بعد مردن جو داغِ عشق کھلے — بن گئے پھول میری تربت کے
برقِ ایمن میں بھی تو اے زیبا — جلوے ہیں یار کی شرارت کے

وہ یہ کہتے ہیں کہ آسان نہیں ہے مرنا — میں یہ کہتا ہوں کہ مر جاتے ہیں مرنے والے
زیبا نگاہِ یار جو دل کی طرف نہیں — شاید نشانہ میرا اڑایا نہ جائے گا
زیبا نگاہِ چشمِ حقیقت سے جو دیکھا — بتخانوں میں قدرت کے تماشے نظر آئے
شکر ہے آج آبلے دل کے — رو رہے تلوار سے گلے مل کے

زیبا

پنڈت برجموہن لال کشمیری ولد پنڈت نرنجن ناتھ کشمیری ولادت ۱۸۸۰ء آپنے کرسچین کالج لاہور سے ایم۔ اے کا امتحان پاس کیا، محکمۂ تعلیم میں ملازم رہے بعد ازاں ہندو سبھا ہائی اسکول کے ہیڈ ماسٹر مقرر ہوئے،

خامشی کہہ رہی ہے یہ غنچۂ نوبہار کی — منہ پہ مہر ہے گو لگی دل میں ہوس ہے یار کی
کس طرح راہ لیں نہ ہم ہجر میں کوئے یار کی — آس نہ جب ہو دید کی تاب نہ انتظار کی
کیسے چمن میں دل لگے کیا ہو خوشی بہار کی — جب نہ امید ہو کوئی آمدِ گلعذار کی

ترچھی نظر سے کب تک تیر افگنی رہے گی — زخمی رہیگا پہلو چھاتی چھنی رہے گی
روٹھے رہوگے کب تک کاش اب تو مان جاؤ — بگڑے رہوگے جب تک جاں پر بنی رہے گی

خواہش وصل ہے زیبا تو کشش پیدا کر — خود کھنچا آئیگا محبوب طلبگار کے پاس
ترکِ جہاں کیا تو ہوا دل مقامِ یار — آباد گھر ہوا مرا حالِ تباہ سے

(س)

ساحر

پنڈت امرناتھ خلف رائے بہادر جانکی ناتھ مدن رئیس باشندہ بریلی، شاگرد جناب پرشاد رام رازداں، ولادت ۱۸۶۳ء فارسی کلام میں جناب عبدالحلیم قاسم کاشانی سے مشورہ لیتے تھے۔ بہت سی کتب کے مترجم، مؤلف اور مصنف ہوئے ہیں، بھگوت گیتا کو اردو میں منظوم کیا ہے،

سرِ عرش بریں ہے زیرِ پائے پیرِ میخانہ
کمالِ اوج پر ہے حسنِ عالمگیرِ میخانہ

زیارت کو چلے ہیں شیخ وزاہد فی امان اللہ
خدا کی شان ہے کچھ پھر گئی تقدیرِ میخانہ

پری شیشہ میں ہے ساغر میں ہے خورشید زرافگن
یہ ہے تسخیرِ میخانہ وہ ہے تنویرِ میخانہ

جو پہنچا میکدہ میں چھوڑ کر دیر وحرم ساحر
جھکا سر ذوقِ مستی میں ہے یہ توقیرِ میخانہ

حوصلہ وجہِ طپش ہائے دل وجاں نہ ہوا
شعلۂ شمع تری بزم میں رقصاں نہ ہوا

حسن تھا مستِ ازل جامِ مئے لیلیٰ سے
تن کی عریانی سے مجنوں کوئی عریاں نہ ہوا

لبِ منصور سے دی کس نے انا الحق کی صدا
تو اگر پردۂ پندار میں پنہاں نہ ہوا

ہم رہے چشمِ عنایت سے ہمیشہ محروم
دل نشیں تیرِ نظر کا کوئی پیکاں نہ ہوا

چشمِ جاناں میں سماتے ہیں سمانے والے
موت سے آنکھ لڑانا کوئی آساں نہ ہوا

دل ہے بتخانۂ اصنامِ خیالی ساحر
تو وہ کافر ہے کہ بھولے سے مسلماں نہ ہوا

ساغر

منشی کشن سروپ بھٹناگر مختار عدالت فوجداری سہارنپور، خلف منشی شنکر لال صاحب ساقی، باشندہ سہارنپور۔

شوخ چشموں کے تصور نہیں سونے دیتے
آنکھ لگتی بھی کبھی ہے تو جگا دیتے ہیں

لینا دینا بھی نہیں ان کا ستم سے خالی
جس کا دل لیتے ہیں مٹی میں ملا دیتے ہیں

مے پرستوں کی کرامات نہ پوچھو ساغرؔ   خاکِ میخانہ سے اکسیر بنا دیتے ہیں

ساقی

پنڈت جواہر ناتھ کشمیری خلف پنڈت برج ناتھ باشندہ دہلی ولادت ۱۸۶۴ء شاگرد پنڈت امرناتھ آشفتہ دہلوی، فارسی کلام میں میر شاہجہاں کامل سے اصلاح لیتے تھے، ۱۹۱۶ء میں راہیِ ملکِ عدم ہوئے؛

ابنِ مریم کی صفت اس میں ہے کیونکر مانوں   جس مسیحا سے مرے درد کا درماں نہ ہوا
ہو کے دو قالب و یکجاں بھی وہی وضع رہی   تم بھی ہندو نہ ہوئے میں بھی مسلماں نہ ہوا
مجکو خاموش جو دیکھا گلِ رعنا نے کہا   آج کیوں بلبلِ کشمیر غزلخواں نہ ہوا

اٹھ گیا پردہ نظر کا جب قریب و دور کا   ہو گیا آنکھوں میں گھر اس شاہدِ مستور کا
دن کو خیالِ وصل کا رات کو دردِ ہجر کا   شغل وہ روز کا ہوا اور یہ کاروبارِ شب
نہاں سے عیاں ہے عیاں سے نہاں ہے   یہ جادو ملا ہے سفر در وطن کا
دشمن کو دوست دوست کو دشمن بنا لیا   شیوہ ترا یہ کیا بتِ عیار ہو گیا
دوئی کا نقش مٹتا دل سے اے کاش   مئے وحدت سے میں سرشار ہوتا

ساقی

منشی شنکر لال کالستھ ولد منشی خوب چند باشندہ سکندرآباد مقیم سہارنپور، شاگرد منشی ہرگوپال تفتہ و جناب بالمکند بےصبر، ولادت ۱۸۳۳ء، آپ سہارنپور عدالت میں پیشکار تھے اور یہیں سکونت اختیار کر لی تھی، آپ کے فرزند جناب کشن سروپ بھی شاعر تھے اور ساغرؔ تخلص فرماتے تھے، آپ نے کریما شیخ سعدی کا ہندی میں منظوم ترجمہ کیا ہے، ۱۸۹۷ء میں سہارنپور میں ہی وفات کی،

تھی شبِ معراج میں سارے فلک پر چاندنی   نورِ محبوبِ خدا سے تھی منور چاندنی
نور افشاں جب ہوا وہ آپ کا نورِ جمال   ہو گئی تھی چاند سے بھی پھر تو بہتر چاندنی

پھولی پھلی ہے آج نہالِ چمن کی شاخ
خامہ ہے میرے ہاتھ میں گویا سمن کی شاخ
آیا جو ابر جھومتا برسات میں نظر
غربت میں یاد آگئی نخلِ وطن کی شاخ

اک نظر دیکھ کے میں تجھکو گنہگار ہوا
ہے ستم تم نے نکلوا ہی مری لی آنکھیں
کیا ہے ساقی کی خطا آج جو دکھلاتے ہو
غصہ میں تم کبھی لال اور کبھی پیلی آنکھیں

جنھیں آنکھیں ملا کر بات کرتے شرم آتی تھی
وہ اب ہم کو اڑاتے ہیں دمِ تقریر چٹکی میں
گل تو چمن میں سوکھ کے صرفِ خزاں ہوا
بلبل کی انگلیوں میں رگِ گل کی پھانس ہے
ہو جاتی ہے شہرت یونہی ساقی کے سخن کی
مضمون لگا دیتے ہیں تحریر کے دو پر
تن ہے مرا عشقِ بتِ گلرنگ میں تنکا
ہے خارِ عدو کے یہ دلِ تنگ میں تنکا
زلفوں کا تصور نہ گیا بعدِ فنا بھی
مرقد میں بھی لپٹی رہی زنجیر گلے سے
ساقی عجب انداز سے میدان سخن میں
تم خوب کھا جاتے ہو تلوار کے دو ہاتھ

سالک

منشی سالک رام کائستھ خلف منشی لکھپت لال باشندہ قصبہ گڑھوا ضلع بلیا شاگرد جناب شمشاد لکھنوی ولادت ۱۸۶۱ء

چرا کر لیگئی کس کی نگاہِ ناز سینے سے
خدا جانے ہوا کیا کچھ پتا چلتا نہیں
طائرِ دل تیرِ مژگاں کا نشانہ ہو گیا
خون رونے کیلئے مجکو بہانہ ہو گیا
یہ عقدہ ہو گیا حل جب کھلا یہ رازِ ہستی کا
کہ عالم اک مرقع ہے بلندی اور پستی کا
رہونگا خاک میں بھی تو رہونگا رہنما ہو کر
بتاؤں گا میں سب کو راہ سالک نقشِ پا ہو کر
نگاہِ ناز ادھر اٹھتی نہیں فرطِ تکبر سے
ادھر چشمِ کرم سے التجائیں ہوتی جاتی ہیں
دوست تو دوست ہے دشمن سے بھی ہے راہ مجھے
دل میں ہر شخص کے رہتا ہوں تمنا ہو کر
ساری دنیا کی مسرت بھی جو ہو حاصل تو کیا
آدمی کے دل میں تیرا غم نہیں تو کچھ نہیں
ناز و ادا سے پوچھوں کہ ترچھی نگاہ سے
دل کون لے گیا ہے مجھے یاد بھی نہیں

خلق میں بدنام ہمکو کر گئی — نوجوانی آکے دو دن کے لئے

سائل

منشی کنہیا لال باشندہ بلند شہر

کیا سبب کیوں مری تقدیر نہ جاگی ابتک — میرے نالوں نے تو سوتوں کو جگا رکھا ہے
ساغرِ مے کی تمنا نہیں مجکو ساقی — انکھڑیوں نے تری بے ہوش بنا رکھا ہے
بہرِ تسکینِ دلِ زار شبِ غم ہم نے — ان کی تصویر کو چھاتی سے لگا رکھا ہے
اس لئے نالہ کناں ہوں کہ قیامت ہو جائے — وصل کو حشر پہ اس بت نے اٹھا رکھا ہے
مجکو اس رشک کے صدمے نے گھلایا سائل — ان کو دشمن کی محبت نے ستا رکھا ہے

سائل

جناب خزانچی لال باشندہ سہارنپور

دور روزہ زیست میں لیں اپنے سر برائی کیا — کریں تمہاری طرح ہم بھی بے وفائی کیا
بجز مروّت و اخلاص و دوستی و وفا — بتائیے تو ہمیں ہم میں ہے برائی کیا

سبز

منشی لکھپت رائے کائستھ ولد جناب سورج بخش زمیندار باشندہ موضع پیرپا کونڈا ضلع سیتاپور، شاگرد جناب رام سہائے تمنّا ۱۹۰۴ء میں بعمر ۲۵ سال وفات کی

لے مرے قاصد ذرا حدِّ ادب کا رکھ خیال — ہے مزاجِ یار نازک طفلِ ناداں کی طرح
تیرے کوچہ کی گدائی ہو میسّر جس کو، وہ — مسندِ جم چھوڑ دے تختِ سلیماں چھوڑ دے

ستم

منشی درگا پرشاد رئیس ولد لالہ ہیرا لال باشندہ صاحب گنج ولادت ۱۸۵۳ء شاگرد جناب مولوی منیر الدین صاحب کیفی۔ فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے، ۱۹۰۶ء میں وفات کی۔

ہمیشہ جا جا کے پھر پھر آنا یہی تماشے ہوا کریں گے
ہوا رہے گی خلاف جب تک تو الٹے دریا بہا کریں گے

جو دل پھٹا ہے تو کچھ نہیں غم کہ ہیں رفوگر کو جانتے ہم
یہ تار اشکوں کا کچھ نہیں کم جئیں گے جب تک سیا کرینگے

ہر رنگ میں تمہارے ہیں ہم، شکل آشنا
دھوکا اسے دو جو تمہیں پہچانتا نہ ہو

کہتا تھا ہائے ہجر کا مارا ہوا کوئی
دشمن بھی اپنے دوست سے یارب جدا نہ ہو

رگڑ رگڑ کے جبیں، سنگِ آستانِ یار
مٹا دیا نہ ہو تجکو تو میرا نام نہیں

سحاب

کنور گوپال سنگھ ولد راجہ سالگرام قوم جہاجن زمیندار رئیس باشندہ دہلی شاگرد جناب مولا بخش قلق میرٹھی پیشہ وکالت، ۱۸۸۵ء میں وفات کی،

شمع رو رو کے سرِ بزم یہ کہتی تھی کہ ہائے
خاک کرتی ہے مری گرمیِ بازار مجھے

اے دلِ رفتہ نگر جان پہ کچھ آن بنی
چارہ گر اب نظر آتے ہیں ع۱۰ دار مجھے

سحر

منشی اجودھیا پرشاد ولد منشی رام دیال باشندہ لکھنؤ شاگرد منشی مینڈو لال زار لکھنوی، آپ اعتماد الدولہ افضل علیخاں کے یہاں دیوان تھے، ۱۸۰۷ء میں حیات تھے۔

سما یا جب سے کہ وہ نونہال آنکھوں میں
رہا ہے سرو چمن کا خیال آنکھوں میں

تصورِ کمرِ یار میں ہیں اشک رواں
کھٹک ہو کیوں نہ جو پڑ جائے بال آنکھوں میں

عجب ہے چشمِ فسوں سازِ یار کی گردش
پھرا ہی کرتی ہے آہو کی چال آنکھوں میں

بساطِ فتنہ دکھائیں جو تیرے مردمِ چشم
بتائیں شاطرِ گردوں کو چال آنکھوں میں

نظر جو آئیں گی حوریں بہشت میں پسِ مرگ
پھریگا آپکا حسن و جمال آنکھوں میں

اسیرِ دیدۂ جاناں ہیں سب کے طائرِ دل
نہیں یہ نقشے کے ڈورے، ہیں جال آنکھوں میں

تصور آ کے کسی کا بسا ہے جب سے سحر
خیال خواب ہے خواب خیال آنکھوں میں

سحر

منشی اقبال بہادر کائستھ خلف شیو نرائن رئیس و زمیندار باشندہ ہنگام ضلع فتحپور ولادت ۱۸۸۵ء، شاعری میں کسی کے شاگرد نہیں تھے، آپ نے عمر خیام کی پانچسو رباعیوں کا ترجمہ ہندی میں کیا ہے،

کسی رنگ میں دل ستانی نہیں ہے — کوئی شے یہاں جاودانی نہیں ہے
لہو ہے لہو سب یہ تو بہ کا اس میں — سبو میں مے ارغوانی نہیں ہے
عجب ہے یہ حالت مرے آنسوؤں کی — نری آگ ہے ان میں پانی نہیں ہے
یہ کیا ہو گیا ہائے قلب و جگر کو — کہ آنکھوں کی وہ ضوفشانی نہیں ہے
سکت پائے جس سے نہ پیری نہ طفلی — جوانی وہ کوئی جوانی نہیں ہے
خدا خود میں ہے آپ اپنی نشانی — غلط ہے کہ اس کی نشانی نہیں ہے
جو اس ضعف میں ہے سحر عشق کم کم — غزل میں وہ جادو بیانی نہیں ہے

سحر

منشی دیبی پرشاد کائستھ فرزند و شاگرد جناب منشی چنی لال آخگر، باشندہ بدایوں ولادت ۱۸۴۰ء۔ فارسی میں اچھی دستگاہ رکھتے تھے۔ صاحب دیوان اور بہت سی کتب کے مصنف ہوئے ہیں۔ ۱۹۰۲ء میں انتقال کیا،

رباعی

معشوق سے ہم نے دل لگانا چھوڑا — کوچہ میں پری رخوں کے جانا چھوڑا
جبتک نہ تھے اس کے نیک و بد سے واقف — کرتے تھے عشق "جبکہ جانا" چھوڑا

بت کو یہ پوجے گا وہ کلمہ پڑھے گا حسن کا — نذر الفت دین شیخ و برہمن ہو جائے گا
زیر گیسو جو دُرِ گوش تمہارا چمکا — مجکو ثابت ہوا بدلی میں ستارا چمکا
مجکو سر پھوڑنے سے منع نہ کر لے ناصح — تجکو کیا اپنی ہی دیوار ہے اور سر اپنا
شام فرقت پر گماں روز قیامت کا ہوا — صور کا شور اذاں پر مجھ کو دھوکا ہو گیا

کوئی معشوق وفادار نہ اصلا پایا — وہ برا نکلا بظاہر جسے اچھا پایا
ہم کہیں کس سے حالِ زار اپنا — نہ کوئی دوست ہے نہ یار اپنا

سحر

منشی شیام لال قوم دلیش اگروال ولد لالہ موہن لال باشندہ دہلی، شاگرد پنڈت امرناتھ ساحر بریلوی ولادت ۱۸۹۶ء۔ ۱۹۰۶ء میں آپ کا خاندان لاہور سے دہلی منتقل ہو گیا تھا،

بنائی ہیں الٰہی تو نے شکلیں خوبرو کیا کیا — ترے نیرنگِ قدرت کا ہے جلوہ چار سو کیا کیا
کوئی منعم سے جا کر نزع کی حالت میں یہ پوچھے — بنا ساتھ اپنے لیکر جا رہا ہے آج تو کیا کیا

قیس ناحق میں پھر اصحرا کے چکر کاٹتا — تھا یہ لازم زندگی لیلیٰ کے در پر کاٹتا
شیخ صاحب میکشی سے کیوں ہے اتنا اجتناب — کس لئے ڈرتے ہو آخر کیا ہے ساغر کاٹتا

کام آسان نہیں فنِ سخن دنیا میں — شعر ہوتا ہے سحرؔ خونِ جگر سے پیدا
خواہشِ نام ہے دنیا میں تو کر کسبِ ہنر — نام ہوتا ہے زمانہ میں ہنر سے پیدا

دیر و کعبہ میں سحرؔ ایک ہی منظر دیکھا — بت پرستی ہے کہیں سنگ پرستی ہے کہیں

سخن

منشی شمبھو دیال کائستھ باشندہ بھوپال، آپ نامی شاعر ہوئے ہیں،

اجازت ہو تو اے صیاد تقریبِ فغاں کر لوں — چمن کی بے ثباتی ہمصفیروں سے بیاں کر لوں
جنونِ عشق کی تعظیم سے فرصت نہیں ظالم — اگر مقدور ہو تو حفظ تیری داستاں کر لوں
ابھی تم سے وفائے مستقل کا عہد کرتا ہوں — ذرا اندازۂ عمرِ رواں کا امتحاں کر لوں
ہزاروں تہمتیں ہیں نالۂ مجبور پر قائم — تمنا ترک کر دوں یا دہن کو بے زباں کر لوں
بنائے احترامِ حسن کی تفصیل پھر سننا — مآلِ جذبۂ ذوقِ جبیں سائی بیاں کر لوں

اگر یہ منظرِ دلبستگی تم کو پسند آئے ۔ تو ہر انداز الفت کو سراپا داستاں کرلوں
سخن بہرِ عیادت آئے ہیں وہ اشک آلودہ ۔ کلیجے سے لگا کر ان کو آنکھوں میں نہاں کرلوں

سخن

منشی رام دیال گھڑی ساز ولد پریم سنگھ گھڑی ساز باشندہ لکھنؤ شاگرد جناب آتش لکھنوی فارسی زبان پر اچھا ملکہ رکھتے تھے۔ صاحبِ دیوان ہوئے ہیں،

رکھے اگر وہ ناز سے اندر چمن کے پاؤں ۔ سب پھول چومیں آن کے اس گلبدن کے پاؤں
اب ضعف سے قدم بھی اٹھانا محال ہے ۔ فرقت میں ہوگئے ہیں مرے لاکھ من کے پاؤں
اپنا کمالِ شوق دکھادے جو ایک بار ۔ شیریں لگائے آنکھوں سے پھر کوہکن کے پاؤں
آنکھوں کو تیری دیکھ کے بھولے ہیں چوکڑی ۔ اٹھتے نہیں ہیں دیکھ لے ظالم ہرن کے پاؤں

خدا کے واسطے سن لے صنم گلہ دل کا ۔ کہ تیری آنکھ نے لوٹا ہے قافلہ دل کا

سخنور

منشی دیوان سنگھ کائستھ خلف رائے جی سنگھ باشندہ دہلی، آپ منشی دفتر شاہی تھے، شاگرد جناب غالب علی خاں رشید

گریاں رکھے ہے بن ترے چشمِ تر مجھے ۔ طوفانِ نوح آئے ہے اب تو نظر مجھے
اس زلف و رخ کی یاد میں دل بیقرار ہے ۔ روتے ہی روتے گذرے ہیں دو دوپہر مجھے
ہوتی عیاں ہے صورتِ ہستی و نیستی ۔ جوں نقشِ پا ہمیشہ سرِ رہگذر مجھے

سردار

منشی اودہم سنگھ خلف سردار بشن سنگھ باشندہ امرتسر شاگرد جناب جلال، لاہور کے مشاعروں میں اکثر شریک ہوتے رہتے تھے، داغ دہلوی نے ان کے کلام کی تعریف ان کو ایک خط کے ذریعہ کی تھی

فائدہ کیا دھر بیں اے بوالہوس ۔ مکر و حیلہ سے جو زر پیدا کیا
نالۂ دل کھینچ لایا یار کو ۔ بے اثر نے کیا اثر پیدا کیا

دشتِ وحشت میں کسی نے نہ دیا ساتھ اپنا   اے جنوں پاؤں کا چھالا بھی جو تھا پھوٹ گیا
قدرت نے چشمِ شوق کو یہ معجزہ دکھا دیا   جلوہ خدا کا حسنِ بتاں میں دکھا دیا
چھوٹے نہ ہم سے یارب باغِ جناں ہمارا   ہندوستاں کے ہم ہیں ہندوستاں ہمارا
سنتے ہیں کہ مہمان ہیں وہ غیر کے گھر آج   ماتم ہے اِدھر عیش کے جلسے ہیں اُدھر آج
کیا لپکے جائیں ہم کسی گل پیرہن کے ساتھ   جز داغِ ہجر کیا ہے غریب الوطن کے پاس
تیغ سے کم نہیں کچھ نیم نگاہی ان کی   خون کرتے ہیں ہزاروں کا جدھر جاتے ہیں
مرنے والا وہ مجکو کہتے ہیں   جیتے جی اس خطاب نے مارا

سرشار

لالہ ملوک چند باشندہ لکھنؤ

اس سج سے وہ دلبر چلے خوبوں میں اکڑ کے   جوں ماہ ستاروں میں چلے رات کو اڑ کے

سرشار

بابو شمبھو دیال صاحب بھٹناگر (استاد راقم) باشندہ سہارنپور، شاگرد جناب حکیم غلام مصطفیٰ صاحب حکیم سہارنپوری ولادت سنہ ۱۹۰۱ء آپ جنگِ آزادی کے سرگرم کارکن تھے۔ بہت بار سزائے قید بھی کاٹ چکے ہیں۔ سنہ ۱۹۶۵ء میں وفات کی،

قطعات

موت سے ڈرتا ہے کیوں اے بے خبر   موت تو ہے زندگی کی نامہ بر
یہ وہ نعمت ہے کہ جب آجائے ہے   کھول دیتی ہے حیاتِ نو کے در

یہ عالم ہے کہ اب بن آئے آنسو رہ نہیں سکتے   پلک تک آ کے رہ جاتے ہیں لیکن بہہ نہیں سکتے
اس حالِ بے بسی سے تو الٰہی موت بہتر ہے   گذرتی ہے جو دل پر وہ کسی سے کہہ نہیں سکتے

غزل

بیخودی میں جب کبھی بھی ہوش میں آتا ہوں میں   اپنی رندی پر نہ کیا کیا ناز فرماتا ہوں میں
دل میں ذوقِ رہ نوردی کو سوا پاتا ہوں میں   گو ہمیشہ ہر قدم پر ٹھوکریں کھاتا ہوں میں

جب سراپا نغمہ بن کر وجد میں آتا ہوں میں
ساز فطرت کی ہر اک لے میں سما جاتا ہوں میں

اللہ اللہ ارتقائے منزلِ عرفانِ عشق
اپنی ہستی سے بھی بیگانہ ہوا جاتا ہوں میں

سلب ہوتی جا رہی ہے طاقتِ احساسِ قلب
اے خیالِ یار کیا سے کیا ہوا جاتا ہوں میں

جانتا ہوں موت کا آنا ہے لازم ایک دن
زندہ رہنے کے لئے پھر بھی مرا جاتا ہوں میں

یاد ہے جن کی تھی رنگیں زندگی کی ہر فضا
کیا قیامت ہے انہی کو بھولتا جاتا ہوں میں

اک زمانہ تھا کہ میں تھا زینتِ دنیائے عشق
اک زمانہ ہے کہ ننگِ عشق کہلاتا ہوں میں

کچھ جوانی تک ہی تھا سرشار لطفِ میکشی
ایک ہی ساغر میں اب تو لڑکھڑا جاتا ہوں میں

چھوڑ بیٹھے گو کبھی کے جام و پیمانہ مجھے
چھیڑتی رہتی ہے اب بھی یادِ میخانہ مجھے

ہزار میں رہا میکش مگر خدا کی قسم
نثارِ کعبہ رہا اور فدائے بتخانہ

"گلہائے عقیدت"

نہیں ہے انتہا جس کی کوئی وہ ابتدا تم ہو
نہ پابندِ فنا تم ہو نہ پابندِ بقا تم ہو

زمیں کے چاند ہو آکاش منڈل کی ضیا تم ہو
نہ سمجھا آج تک کوئی تمہیں اے کرشن کیا تم ہو

منشیہ ہو دیوتا ہو یا سوئم پرماتما تم ہو

تمہاری ذاتِ بے جرم و خطا سے صاف ظاہر ہے
تمہاری فطرتِ مہر و وفا سے صاف ظاہر ہے

تمہاری ہر روشِ بے ریا سے صاف ظاہر ہے
تمہاری زندگی کی ہر ادا سے صاف ظاہر ہے

کہ جسمِ قیدِ فانی میں بھی ذاتِ لافنا تم ہو

بنا دیتے ہو تم اکثر بیابانوں کو گلشن بھی
بنا دیتے ہو تم بختِ سید کو بختِ روشن بھی

تمہی سے رزق پاتے ہیں گدا و شاہ و رہزن بھی
گیا در سے نہ خالی ہاتھ دریودھن سا دشمن بھی

مدن موہن دیا سندھو دیا کے دیوتا تم ہو

لڑائی وہ لڑائی تم نے کیول سارتھی بنکر
وجے شتردپہ پائی تم نے کیول سارتھی بنکر

یہ کیا لیلا رچائی تم نے کیول سارتھی بنکر
مہا بھارت جتائی تم نے کیول سارتھی بنکر

عجب نیتی تمہاری ہے نرالے رہنما تم ہو

فضائے صحنِ گلشن کیا فضائے قربِ دریا کیا ‏ بساطِ دہر کیا اور وسعتِ دامانِ عقبیٰ کیا
جدھر دیکھو تمہی تم ہو یہ دنیا کیا وہ دنیا کیا ‏ فلک کیا بحر و بر کیا آبشار و کوہ و صحرا کیا
کنہیا نند نندن ہر جگہ جلوہ نما تم ہو

مصائب کے بھنور میں گھر گئی ہے زندگی میری ‏ ہوئی جاتی ہے بوجھل بارِ عصیاں سے مری کشتی
قسم ہے اے دیا ساگر تمہیں اپنی کریمی کی ‏ مرا بیڑا ابھی کر دو پار سن رکھا ہے میں نے بھی
وہ کشتی پار ہو جاتی ہے جس کے ناخدا تم ہو

جپا جس نے تمہارا نام دل سے دیوکی نندن ‏ بنے بگڑے ہوئے سب کام اس کے دیوکی نندن
مجھے کیا غم ہے دنیا میں ہیں میرے دیوکی نندن ‏ زمانہ کچھ بھی سمجھے تم کو سمجھے دیوکی نندن
مگر سرشار کی نظروں میں تو پرماتما تم ہو

سرشار

مدن موہن لال باشندہ خیر آباد۔ شاگرد جناب غلام حسین قدر بلگرامی

عاشق وہی ہیں مال نہ سمجھیں جو جان کو ‏ منہ رن سے پھیرتے نہیں جوہر درن کے ہیں
گردش میں جان رہتی ہے گردش نصیب کی ‏ دن رات مہر و ماہ کو خطرے گہن کے ہیں
احوالِ مہر و ماہ دلِ روشن پہ کھل گئے ‏ روشن چراغ دونوں تری انجمن کے ہیں
اس کا زمانہ آج تو کل اس کا دور ہے ‏ یہ ہتھکنڈے قدیم سے چرخِ کہن کے ہیں
سرشار بادہ خوار یہ مستی میں ہیں مدام ‏ ممنونِ لطفِ ساقیِ توبہ شکن کے ہیں

سرشار

پنڈت رتن ناتھ کشمیری خلف پنڈت بیج ناتھ باشندہ لکھنؤ شاگرد مظفر علی اسیر لکھنوی ولادت ۱۸۴۶ء انشا پردازی اور شاعری میں اچھا دخل رکھتے تھے، ۱۹۰۲ء میں وفات کی۔

کس دن شبِ غم جان کو آفت نہیں ہوتی ‏ کب شام سے یاں صبحِ قیامت نہیں ہوتی
الٹی ہی تجھے سوجھتی ہے اے فلکِ دوں ‏ سیدھی کبھی تجھ سے مری قسمت نہیں ہوتی

بتا ساقیا دخترِ رز کا نشاں | کہ ہے رنجِ فرقت سے ہونٹوں پہ جاں
درد و غم و یاس و حرماں | اک دل ہے ہزار آفتیں ہیں
حسن پر اس پری کے جو کی نگاہ | نظر آئی وہ شکلِ غیرتِ ماہ
حسن و خوبی میں وہ بتِ مغرور | سر سے پا تک برنگِ شعلۂ نور
سیہ ابر مغرب سے ایسا اٹھا | میں سمجھا کہ کعبہ کا پردا اٹھا
ہر مرض کی دوا مقرر ہے | مرضِ عشق لا دوا دیکھا

سرور

لالہ نیک رام نائب سر رشتہ دار بندوبست ضلع فرخ آباد ولد حکیم کشن لال باشندہ بھوگاؤں مقیم تخلگڈھ، شاگرد جناب کلب حسین خاں نادر

آمد تو کچھ قریب نہیں ہے صیام کی | ساقی ہو بھٹی گرم مے لعل فام کی
ہر گام پر جو پھانس لیا مرغِ دل مرا | کیا چال، چال ہے بتِ محشر خرام کی
مطلب کی میرے ایک نہ فرمائی آپ نے | باتیں شبِ وصال کیں سب اپنے کام کی
کس کا ہے انتظار اسے کچھ خبر نہیں | وا ہے ازل سے آنکھ جو تا حال دام کی
ہوگا نہ روزِ حشر میں وہ طول اے سرور | جیسی درازی ہے شبِ فرقت میں شام کی

سرور

ایک ہندو شاعر جے پور کا جس کا نام معلوم نہیں ہو سکا

تقدیر میں لکھی ہے گدائی تو اے ہما | سایہ کریگا تو بھلا مجھ پر کہاں کہاں
قاتل خدا کے واسطے یہ بارِ سر اتار | اس کو پھروں گا دوش پہ لیکر کہاں کہاں

سرور

منشی درگا سہائے کائستھ ولد حکیم پیارے لال باشندہ جہان آباد ضلع پیلی بھیت ولادت ۱۸۷۳ء شاگرد جناب بیاں یزدانی میرٹھی۔ فنِ حکمت آپ کا آبائی پیشہ تھا۔ شعر گوئی میں قابلیت خداداد رکھتے تھے۔ ۱۹۱۰ء میں وفات کی،

نظم "بیر بہوٹی" کے چند بند

ہے عجب انداز تیرے حسنِ بے انداز کا
چشم ڈورا ہے کسی چشمِ فسوں پرداز کا
قطرۂ مضطر ہے خونِ کشتگانِ ناز کا
قلبِ خوں گشتہ ہے مژگاں پر کسی جانباز کا
یا شفق کا کوئی ٹکڑا ہے زمیں پر جلوہ گر
جامِ زرّیں میں ہے یا صہبائے احمر جلوہ گر

گل بداماں ہے شفق میں شعلۂ تنویرِ حسن
خونِ عاشق یا زمیں پر ہے گریباں گیرِ حسن
یا عقیقِ سرخ کی چھوٹی سی ہے تعمیرِ حسن
نقشِ نیرنگِ فسوں ہے یا کوئی تصویرِ حسن
جلوۂ گل ہے فضائے وادیٔ پُرخار پر
سرخ تکمہ ہے قبائے سبزۂ کہسار پر

جلوۂ گل ہے رنگیں روئے زیبائے بہار
نازنیں ہے یا کوئی محوِ تماشائے بہار
یا مئے گلرنگ سے گلگوں ہے مینائے بہار
یا ہے آغشتہ بخوں داغِ سویدائے بہار
سبزۂ کوہسار نے یا لعل اگلا ہے کوئی
چن رہی ہے پھول یا دوشیزۂ رعنا کوئی

وادیٔ پرخار میں اک مجمرِ سوزاں ہے تو
دامنِ کہسار میں اک شعلۂ عریاں ہے تو
کشت زارِ حسن میں اک دانۂ مرجاں ہے تو
یا کسی گلگوں قبا کا گوشۂ داماں ہے تو
ناز ہے صحرا کو تیری شوخیٔ رفتار پر
دوڑتا ہے خوں کا قطرہ سبزۂ کہسار پر

سعد

منشی جوالا ناتھ پنشن یافتہ ریاست جے پور، باوجود پیرانہ سالی کے شوخ طبع تھے

وصل میں غم بڑھ گیا ان کی ادا کو دیکھ کر
پڑ گئی دل میں گرہ بندِ قبا کو دیکھ کر
تھام کر دل اپنا اپنا دنگ تھے سب اہلِ بزم
یار تیری دل ربائی کی ادا کو دیکھ کر
گرم صحبت دخترِ رز سے نہ کیوں ہو آج سعدؔ
صبر کب ممکن ہے زاہد اس گھٹا کو دیکھ کر

بھول کر بھی نہ گیا پھر وہ پئے دید چمن
جس نے کوچہ ترا اے رشکِ گلستاں دیکھا

آدمی کیا کہ فرشتوں کو بھی اے آئینہ رو
تیرے اس حسنِ خداداد کا حیراں دیکھا

حیا کا کام کیا کھل کھیل اے شوخ
دمِ خلوت ہے تو ہے اور میں ہوں

جلے دشمن نہ کیونکر رشک سے سعدؔ
مرے گھر شمع رو ہے اور میں ہوں

سعد

پنڈت اقبال نرائن بہادر کشمیری خلف پنڈت گوبند پرشاد کشمیری، شاگرد حضرت داغؔ دہلوی، آپ ضلع بجنور میں پولیس انسپکٹر تھے۔ صاحب دیوان ہوئے ہیں، ۱۹۰۱۳ء میں بعمر ۴۸ سال بمقام دھام پور انتقال کیا،

تم اگر آؤ تو جائے دردِ دل
تم اگر جاؤ تو آئے دردِ دل

دے ہی بیٹھے دل بتِ سفاک کو
دیکھئے جو کچھ دکھائے دردِ دل

دل دھڑکنے کا نہ شکوہ کیجئے
اور سنیئے ماجرائے دردِ دل

رنگِ رخ بن کر عیاں ہو جائیگا
چھپ نہیں سکتا چھپائے دردِ دل

اور کچھ تھوڑے سے دن باقی ہیں سعدؔ
ہو چکی ہے انتہائے دردِ دل

دیکھکر رقص اپنے بسمل کا
اور ہے رنگ روئے قاتل کا

بات ہی جب مری نہیں سنتے
پھر کہوں خاک مدعا دل کا

وائے قسمت کہ خود ہی ڈوب گئے
جب نشاں پایا ہم نے ساحل کا

سعید

لالہ کنور بہادر ولد منشی گنگا پرشاد باشندہ فرخ آباد

اس قدر بھی نہ جلا اے ستم ایجاد مجھے
کہ جلادے ہمہ تن شعلۂ فریاد مجھے

مرضِ ہجر میں بس موت مری آئی ہے
چھوڑتا کیوں نہیں دردِ دلِ ناشاد مجھے

جوشِ وحشت کبھی زندہ نہیں رہنے دیگا
بیڑیاں لاکھ پہنائے کوئی حداد مجھے

رقصِ بسمل کا دمِ ذبح تماشہ کیسا
تھام لیتا ہے تڑپ کر کوئے جلاد مجھے
پاس افسوس وہ گلرو نہیں آتا ہے سعید
خار آتا ہے نظر گلشنِ ایجاد مجھے

سلیم

منشی گوری شنکر کائستھ خلف منشی تیج بھان عرف لالہ چین سکھ باشندہ لکھنؤ، شاگرد جناب مرزا آتش (شاگرد ناسخ) ۱۸۹۰ء میں رحلت کی،

ہے دشتِ جنوں میں جو مری خاک کو گردش
گرداب کو دریا میں یہ چکر نہیں ہوتا
کیا پان کی سرخی ہے عیاں تیرے گلے سے
شیشہ میں یہ لطفِ مئے احمر نہیں ہوتا

پیرہن ہے چاک گل کا اور گریاں شمع ہے
دیکھ یہ ادنیٰ اثر ہے عاشقوں کی آہ کا
پہونچا اک بار نہ اس بام نشیں تک نالہ
گرچہ سو مرتبہ ایوانِ فلک چھو آیا
رکھا امانت کی طرح آغوشِ گور نے تا قیامت
نہ بال ہر بیکا ہوا ہمارا نہ تار میلا ہوا کفن کا
لائی بالوں کی سفیدی جبکہ پیغامِ اجل
ہو گیا مجکو یقیں یہ شیر زہر آمیز ہے
دل چلا ہے جو کوئے قاتل کو
جان دینے کو سہل جانا ہے

سلیم

منشی مدن موہن لال شاگرد جناب صفیر

رکھ دیتے ہیں زہاد بھی سر ان کے قدم پر
مغرور ہوں کیوں نہ صنم اور زیادہ
کہتا ہے سلیم اب تو شبِ وصل یہی، یار
بے چین کریں گے تجھے ہم اور زیادہ

سلیم

لالہ مادھو رائے عرف منوہر لال باشندہ بھوپال، شاگرد منشی جادو رائے شمیم

دی بدل وصل کی شب سے شبِ فرقت میری
دیکھی جب تنگ بہت چرخ نے حالت میری
فرقتِ یار میں جینا بھی پشیمانی ہے
دم نکل جائے تو مٹ جائے ندامت میری
سایۂ جسم بھی تاریکی میں چھپ جاتا ہے
کون کرتا ہے مصیبت میں شراکت میری
روتے ہو خاک اڑاتے ہو لحد پر بیٹھے
پہلے ہنستے تھے بہت دیکھ کے ذلت میری

سماجت

لالہ بخت بہادر خلف منشی بنسی دھر ہمت باشندہ قدیم لکھنؤ

ہم سلیمان ہوئے صاحب کی انگوٹھی لیکر آپ کہلائے پری جیب سے بنے پر گیسو
حوریں کہتی ہیں یہ ہر بار ترے گیسو کو سنبل باغ جناں سے بھی ہیں بہتر گیسو
ہوگیا مجکو بھی سودا مگران بالوں کا دل میں الجھن ہے سماجت تو زباں پر گیسو

سوزن

منشی بلدیو پرشاد ولد منشی پورن سہائے قوم کائستھ باشندہ قصبہ سنبھل ضلع بریلی ولادت ۱۸۸۸ء شاعری میں کسی کے شاگرد نہیں تھے، عربی فارسی اور سنسکرت میں اچھی مہارت رکھتے تھے، آپ بریلی اسکول میں ٹیچر تھے،

ہر شے میں کچھ ایسا ترا جلوہ نظر آیا دل بول اٹھا تو نظر آیا نظر آیا
وہ حسن ازل چھپ نہ سکا پردہ کے اندر بیتاب جو مشتاق تماشا نظر آیا
وہ دل کہ جہاں اس کی تجلی نظر آئی کعبہ ہی نہیں عرش معلی نظر آیا

ساقیا میں ہوں ازل سے بادہ خوار زندگی موت کیا ہے میری نظروں میں خمار زندگی
اڑ گیا کنج قفس سے طائر روح رواں ہوگیا روپوش خضر سبزہ زار زندگی

اس نارواکی کوئی بھلا انتہا بھی ہے اتنا رہے خیال مری جاں، خدا بھی ہے
کیونکر امید مہر ووفا یار سے کروں نالہ یہ بے اثر ہی نہیں نارسا بھی ہے

مقیم گوشۂ دل ہیں مقیم لامکاں ہوکر سمائے آنکھ کے تل میں محیط دوجہاں ہوکر

سوسن

مہاراج کنور شیو داس سنگھہ ساکن موضع کاجو ضلع الہ آباد

کعبہ میں دیکھا دیر میں جاکر کیا تلاش ملتا نہیں وہ شوخ ستمگر کہیں دریغ

سوسن وہ یاد کیا کرے تجکو جفا شعار ۔ تاثیر تیری آہ میں کچھ بھی نہیں دریغ

سوگ

منشی ہیش پرشاد ورما کائستھ باشندہ بسوہار، شاگرد حضرت نوح ناروی

ہم بتائیں آپ کیا جانیں ابھی آداب عشق ۔ عشق میں پاس وفا اے حضرت دل چاہیئے
کہہ رہے ہیں وہ کہ ہم تجھ سے ملیں گے حشر میں ۔ حشر اٹھانا اب تجھے اے نالۂ دل چاہیئے

نقش قدم نظر نہیں آتے ہیں راہ میں ۔ جاتا ہے پر لگا کے وہ دشمن کے گھر میں کیا
آنسو اگر بہے تو زمانہ بھی بہہ گیا ۔ دریا بھرا ہوا ہے مری چشم تر میں کیا

خانۂ دل میں کچھ ارمان نظر آتے ہیں ۔ میرے گھر میں ہی مہمان نظر آتے ہیں
آدمی پر آدمی قربان ہے ۔ حسن فطرت ہے خدا کی شان ہے

سیماب

ماسٹر چرن بہاری لال کائستھ ولد منشی گوردیال ساکن قطب نگر ضلع سیتاپور
ولادت سنہ ۱۹۰۶ء شاگرد جناب منشی بندرا پرشاد شباب سیتاپوری، پیشہ معلمی

دل شاد مکیں تجھ سے ہے پُر نور مکاں بھی ۔ مداح ہے ترا طفل بھی اور پیر و جواں بھی
مضمر ہے ترے حال میں نیرنگ جہاں بھی ۔ اک ساتھ ہیں آنسو بھی رواں سوز نہاں بھی
جب تک نہ ہو تو جلوہ فگن شام سے گھر میں ۔ مرقد کی طرح رہتا ہے تاریک مکاں بھی
گلگیر نے سر کاٹ لیا ہائے ستم ہے ۔ خاموش ہیں لب تیرے نہیں آہ و فغاں بھی

کب اثر آہ رسا تیرے ہم آغوش نہ تھا ۔ میں تڑپتا تھا ادھر ان کو ادھر ہوش نہ تھا
سرگذشت اپنی سنائی جو انھیں گر ہی پڑے ۔ میرے مرقد میں نکیرین کو بھی ہوش نہ تھا

سیماب

لالہ بنسی دھر کائستھ ولد لالہ ایشری پرشاد باشندہ قدیم سکندرآباد ضلع بلند شہر

متوطن اجمیر، آپ محکمۂ پولس میں اچھے عہدہ پر ممتاز تھے، منشی شنکر لال بیتاب آپ کے چھوٹے بھائی تھے، ۱۸۸۵ء میں وفات کی۔

بولے جھنجھلا کے ہاتھ توڑیں گے   جو مجھے ہاتھ لگائے کوئی
یہ بھی اک جنگ زرگری ہے   روٹھے کوئی اور منائے کوئی
دل دینا دل لگی نہیں ہے   ہاں جان پر کھیل جائے کوئی
جو اور کہیں نہ لڑی آنکھ   پھر کیوں آنکھ چرائے کوئی

اپنا دل تھا دیا، ہماری خوشی   کیوں کہے کوئی دل دیا ناحق
اے مسیحا حیات کتنی ہے   جس پہ احسان لوں ترا ناحق

(ش)

شاد

منشی رام پرشاد کائستھ باشندہ دہلی شاگرد جناب شاہ نصیر دہلوی

کیا شبِ تار سے تشبیہ ہمارے دن کو   تابِ خورشید نہیں سر جو اٹھائے دن کو
منھ جو کھولے وہ شبِ تار میں دن ہو جائے   رات ہو جائے جو وہ زلفیں سنوارے دن کو

ابرو کی جب صفت میں یہ ذہنِ رسا لڑا   مصرع مرا ہلال کے مصرع سے جا لڑا
آفتابِ حشر پرتو ہے جبینِ یار کا   روزِ رستاخیز سایہ ہے قدِ دلدار کا

شاد

ایک برہمن باشندہ سکندر آباد نام نامعلوم

اس رنگِ چمپئی کا پڑا جس زمیں پہ عکس   چمپا کے پھول اگئے ہیں واں سے بہار میں

شاد

حکیم منشی منولال کائستھ خلف حکیم ذوقی رام باشندہ دہلی۔ مقیم پٹیالہ قریب

۱۸۹۲ء میں بعمر ۶۰ سال وفات کی۔

شاد رہنا چاہیئے ہر حال اپنے دل میں شاد — نیک و بد جتنا ہے سب ہے مقتضا تقدیر کا
لیویں کہاں سے قرض کہ تنخواہ قسط میں — ہے جنوری سے تا بہ دسمبر بندھی ہوئی
کمر ستم پہ کسی کا لبوں پہ منھ کھولا — اور اس پہ طرۂ دہان و کمر نہیں رکھتے

شاد

منشی گنگا پرشاد کائستھ باشندہ آگرہ شاگرد جناب حاتم علی مہر اکبرآبادی

پھرے گردن پہ جب خنجر تو قاتل سے لڑیں آنکھیں — بلا سے جان جائے دید بازی تو ذرا ٹھہرے
حسینوں کے بیاں سے جاں تن بیجاں میں آتی ہے — الٰہی بت ہمارے واسطے گویا خدا ٹھہرے
نگاہ شوق سے اس بت کو دیکھیں ہم تو کہتا ہے — تمہی اک گھورنے والے مرے نام خدا ٹھہرے
تلمذ مہر سے ہے شاد کیونکر ہو نہ خوش طالع — یقیں ہے طبع روشن اپنی جلوہ طور کا ٹھہرے

شاد

منشی شیو پرشاد باشندہ دہلی، شاگرد حضرت میر حسن تسکین

جا کے قاصد بھی وہاں غیروں میں شامل ہو گیا — اور اک کانٹا نکل آیا مری تقدیر کا

شاد

منشی کالی پرشاد کائستھ باشندہ سندیلہ ضلع ہردوئی شاگرد جناب افضل لکھنوی

زباں سے کیا کہوں صورت سوال ہے میری — سکوت ہی سے کچھ اظہار حال ہوتا ہے
دم اخیر ہے دکھلا کے شکل جلد ہٹو — مریض عشق کا اب غیر حال ہوتا ہے
بگاڑتا ہے بناتا ہے بار بار فلک — نہ چہرہ بدر نہ ابرو ہلال ہوتا ہے

بے دست و پا کو غیب سے دیتا ہے رزق تو — پروردگار جان فدا تیری شان پر
خاک لحد نہ ہو یہ کسی جاں نثار کی — چھایا ہوا غبار سا ہے آسمان پر

عید میں عید ہوئی عیش کا سامان دیکھا — دیکھ کر چاند جو منھ آپ کا اے جان دیکھا

شاد

منشی کنہیا لال ولد منشی بہت رام قوم کائستھ باشندہ اجمیر بپیشہ مختاری
آپ تمام عمر غیر شادی شدہ رہے، ۱۹۲۱ء میں وفات کی،

دیکھے بہت تماشے دنیا کے خیر و شر میں ۔۔۔ پائی ہے راہ آخر خورشید اور قمر میں
شعر کہنا شاعروں کا کام ہے ۔۔۔ یہ تو عاشق مفت میں بدنام ہے

شاد

رائے دیبی پرشاد باشندہ حیدرآباد شاگرد حضرت فیض

شیر پر دیتی ہے شیریں فاتحہ ۔۔۔ آج برسی ہے میاں فرہاد کی

شاد

منشی بہلی پرشاد خلف منشی جواہر سنگھ جوہر باشندہ لکھنؤ

ہو ترا احسان اڑ اڑ کر ہر اک گل سے ملوں ۔۔۔ ناتوانی کر دے گر ریگ بیاباں کی طرح
دونوں عارض انکے رہتے ہیں چمکتے رات دن ۔۔۔ ماہِ تاباں کی طرح مہرِ درخشاں کی طرح

غضب برق وش سے جدائی ہوئی ہے ۔۔۔ گھٹا قلب پر غم کی چھائی ہوئی ہے

شاد

لالہ بالمکند باشندہ گوربالی

گفتگو کرنے میں کس ناز سے کہتے ہیں ۔۔۔ مفت تکلیف نہ دو بہر تکلم مجکو
کی ادھر توبہ ادھر فصلِ بہار آئی ۔۔۔ اپنی توبہ پہ بھی آتا ہے تبسم مجکو

شبِ فرقت میں حسرتِ دل نے ۔۔۔ آنسو پونچھے مری ندامت کے

شاد

ہز ایکسیلینسی سرکشن پرشاد خلف راجہ ہر کشن۔ باشندہ دہلی ولادت ۱۸۶۴ء
شاگرد نظام نواب میر محبوب علیخاں۔ آپ کافی عرصہ تک وزیرِ اعظم حیدرآباد رہے

صاحبِ تصانیفِ کثیرہ ہوئے ہیں ،

کس کو سناؤں جا کے بھلا ماجرائے دل — وہ مجھکو جانتے ہیں نہ ہیں آشنائے دل
فریاد ایک روزِ قیامت اٹھائیگی — کچھ کم نہیں ہے صور سے میری صدائے دل
گمراہ ہیں ضرور یہ منکر وجود کے — سمجھے نہیں وہ کیا ہے مرادِ علائے دل
ہر ذرہ آئینہ ہے بغور اس میں دیکھ تو — کس آفتاب کی ہے جھلک لے صفائے دل
امیدِ عفو ہے کہ وہ عاصی نواز ہے — ہر چند بے حساب ہیں میری خطائے دل
ترتیبِ کائنات ہیں پوشیدہ راز ہے — میں کیا بتاؤں تیرا پتہ تجکو ہائے دل
اے شادؔ نا امید نہ ہو اس کے فضل سے — ہے منحصر کرم پہ فنا و بقائے دل

اس بت کی محبت میں آخر یہی کرنا تھا — اپنے سے گذرنا تھا سو جان سے مرنا تھا
مطلوب تھا کون اپنا تھا کون بجز اس کے — کس پر ہمیں مرنا تھا اس پر ہی تو مرنا تھا
حالت کہیں کیا اپنی یوں ہجر کی شب گذری — بے چین یہاں ہم تھے واں ان کو سنورنا تھا
میخانہ میں بلوا کر اس پیرِ مغاں کو شادؔ — احسان یہ کرنا تھا ساغر مرا بھرنا تھا

ذکر سے رندوں کے واعظ تو ابھی واقف نہیں — یہ تو ہو حق کی صدا ہے شورِ رندانہ نہیں
عین مستی میں بھی رہتا ہے اسے پاسِ ادب — ہاں بڑا ہشیار ہے کچھ شادؔ دیوانہ نہیں

ہے نہ مندر میں نہ مسجد میں نہاں یاد رہے — نور اس کا ہے ہر اک جائے عیاں یاد رہے
غیر سے عشق کیا ہے نہ کروں گا ہرگز — بدگماں مجھ سے نہ ہو جانِ جہاں یاد رہے

شاد

منشی للتا پرشاد باشندہ میرٹھ آپ اخبار " ناظم الہند" کے ایڈیٹر تھے، اجمیر میں زبان کی اصلاح کے لیئے ایک انجمن قائم کی تھی، ۱۹۲۰ء سے پیشتر اجمیر کے مشاعرے آپ کے دم قدم سے رونق پر تھے،

ہم نہ مجنوں ہیں نہ وحشی ہیں نہ سودائی ہیں | پھر ہمارے لیے زنجیرِ مصیبت کیا ہے
کیوں ہوا ہائے مکدر دلِ صافی تیرا | خاکسارانِ جہاں سے یہ کدورت کیا ہے
زلف چوٹی کا تصور ہے بتوں کا ہے خیال | گر یہی یادِ خدا کی ہے تو وحدت کیا ہے
اے زمانہ تری آنکھوں پہ ہے پردہ کس کا | دیکھ اوروں کی ترقی کو یہ غفلت کیا ہے
کیسی آفت ہے کہ بن آئی مرے جاتے ہیں | موت کیوں آئی ہمیں اسکی ضرورت کیا ہے
چشمِ امید ہے اب تیرے کرم کی نگراں | اپنے اعمال پہ ہم روئیں تو رحمت کیا ہے
صبر کر شاد ذرا دیکھ تو کیا ہوتا ہے | یہ زمانہ ہی بدل جائیگا عجلت کیا ہے

شاد

منشی کالکا پرشاد کاستھ ولد منشی گلزاری لال فائق باشندہ رام نگر ضلع بریلی ولادت سنہ ۱۸۶۰ء۔ ۱۹ سال کی عمر میں سید ببر علی اختر سے فارسی کی تکمیل کی، محکمۂ بندوبست کوٹہ میں ملازم رہے، اس کے بعد پولیٹیکل ایجنٹی کوٹہ میں محافظ دفتر رہے

گماں ہے عارضِ پرنور پر جو زلفِ پیچاں کا | یہ ہوگا دودِ آہِ دل کسی خاطر پریشاں کا
فسردہ دل ہوا اپنا کہاں اب جوش وہ باقی | ملے وہ خاک میں آنسو گماں تھا جن سے طوفاں کا
کہاں اظہار کیجیے شاد اپنے دل کی وحشت کو | خیال آتے ہی ویراں ہوگیا گھر بھی بیاباں کا

الفتِ کاکل نے پابندِ مصیبت کر دیا | کس مصیبت سے پھنسا ہوں خانۂ زنجیر میں
شکوۂ جور و ستم پر ہے جواب انکا شاد | سبھی کچھ ہو گا اگر آپ کو چاہت ہوگی
ہے شکوۂ بیداد عبث اے دلِ مضطر | کیا کیا نہ ابھی یہ ستم ایجاد کریں گے
تحریرِ مقدر کی مٹائی نہیں جاتی | بگڑی ہوئی تقدیر بنائی نہیں جاتی
نہ گھبرا آبلہ پائی سے اے دل | رہِ مقصود کی منزل کڑی ہے
نہ کھولے مرنے پر صیاد دینے پر | مری جانب سے اتنا بدگماں ہے

شاد

ٹھاکر ہیشری پرشاد تعلقدار ماکھوپور خیرآباد، تلمیذ حضرت جگر بسوانی، آپ ضلع کے

مشہور رئیس تھے ، فن موسیقی سے بھی خاص لگاؤ تھا ،

وہ چھینتا ہے ہمارے دل کے ٹکڑے — کریں دل توڑنے کا اب گلہ کیا
دعائیں دے رہا ہے آپ کو دل — یہ دھڑکن اور دیتی بھی صلا کیا

شاد

پنڈت پریم سکھ باشندہ بلند شہر، آپ سکندر آباد میں پولس انسپکٹر تھے ۱۹۲۵ء سے پیشتر آپ کا دیوان شائع ہو چکا تھا ،

مئے محبت جو پی ہے میں نے شراب لیکر میں کیا کروں گا
مزے سے کھاتا ہوں پارۂ دل کباب لیکر میں کیا کروں گا
جوانی ساری یونہی گنوائی سفیدی پیری کی اب ہے آئی
گنہ کی منھ پر ہے اب سیاہی خضاب لیکر میں کیا کروں گا

بہار گل دہاں وہ دیکھتے پھرتے ہیں گلشن میں — یہاں داغوں سے سینہ کو گلستاں ہم بھی رکھتے ہیں
جذبۂ دل روکنا وحشت سے جی گھبرا گیا — پھر مجھے جوشِ جنوں سوئے بیاباں لے چلا
نہ اڑاتی خاک میری پسِ مرگ اے صبا — جو مری طرف سے نہ دل میں ترے غبار ہوتا
راہِ ناکامی میں مثلِ گرد رہ جائیں گے ہم — قافلہ روحِ رواں کا جب رواں ہو جائیگا
ہو گیا حشر قیامت نے قدم چوم لیئے — ناز و انداز سے جس دم وہ پریزاد چلا
کس نے نقاب چہرے سے اپنے اٹھا دیا — ذرہ کو مہر، مہر کو ذرہ بنا دیا
ادا سے مار، ٹھوکر سے جلادے — قیامت قامتِ جاناں دکھا دے

شاد

لالہ بالمکند باشندہ رہتک شاگرد جناب مرزا مچھو بیگ عاشق لکھنوی، ولادت قریب ۱۸۷۰ تا ۷۵ء، فارسی، انگریزی اور بنگلہ زبانوں سے خوب واقف تھے، اخبار "بھارت متر" کلکتہ کے ایڈیٹر رہ چکے ہیں ،

ہجر میں بیکار کس دن عاشقِ مضطر رہا — درد دل میں سر میں سودا، پاؤں میں چکر رہا

یہ وہی ہے چاہنے والا پُرارماں بدنصیب
ایک مدّت آپ کے زانوں پہ جسکا سر رہا

ہم ہیں اس غیرتِ یوسف کے خریداروں میں
انگلیاں چار طرف اٹھتی ہیں بازاروں میں
مانعِ بوسہ ہے افسوس نزاکت اس کی
ڈر ہے دھبّہ نہ لگے چاند سے رخساروں میں

یہ شوخی رنگ میں پیدا کبھی خدا نہ کرے
ہمارا خونِ جگر اس میں گر ملا نہ کرے
وہ یہ سمجھ کے مرے وقتِ نزع آئے تھے
کہیں یہ جا کے خدا سے مرا گلا نہ کرے

شاد

چوبے رگھوناتھ صاحب باشندہ شکوہ آباد، شاگرد جناب داغ دہلوی، آپ محکمہ مال میں قانون گو تھے۔

توبہ توبہ کہیں منھ پھیریں گے میخانے سے
بہکتے ہم نہیں ناصح ترے بہکانے سے
ضبطِ دل آنکھ میں آنے نہیں دیتا آنسو
الٹی پھر جاتی ہے مے شیشہ میں پیمانے سے

پھولوں میں کیوں نہ تولوں تلوار تیری قاتل
یہ بھی گلے کا میرے اک ہار ہو گئی ہے
کافر تری نظر سے سب کو خدا بچائے
نرگس کو تو نے دیکھا بیمار ہو گئی ہے

محشر میں شاد ان سے کچھ ایسا سوال ہو
کافر بتوں کو بات بھی کرنا محال ہو
ابھی جلدی بھی کیا تو یہ کی نزاع کد
قیامت کو تو ایک مدّت پڑی ہے
جس کو نہ ہو صبر وہ پھر کیوں ہمیں چاہے
یہ کہہ گئے وہ میرے برابر سے نکل کر
اگر کوئی ادھر چھار ہا وارقا رتل
ہنسیں گے یہ زخم جسگر دیکھ لینا

شاد

بابو جانکی پرشاد کائستھ خلف لالہ درگا پرشاد باشندہ فتحپور سیکری ضلع آگرہ ولادت ۱۸۸۸ء آپ اپنے علاقہ کے بہت بڑے رئیس تھے، خواجہ معین الدین چشتی

اجمیری سے آپ کو خاص عقیدت تھی ،

ہوا ہوں جب سے میں مائل معین الدین چشتی کا
مرا دل ہوگیا ہے دل معین الدین چشتی کا

زبانِ شمع شب افروز پر فرطِ محبت سے
ترانہ ہے سرِ محفل معین الدین چشتی کا

گنہ گارِ محبت ہیں نہ ہم بیمارِ الفت ہیں
مگر اچھوں کے بندے ہیں شہیدِ حسنِ صورت ہیں

غبار آیا ہے کچھ میری طرف سے دامنِ دل پر
تری باتوں سے ظاہر صاف آثارِ کدورت ہیں

جنابِ شاد کی تعریف ہم سے ہو نہیں سکتی
سراپا خلق ہیں تفسیرِ لفظِ آدمیت ہیں

غیر سے ملنے سے اور انکار رہنے دیجئے
مجکو بار در آگیا سرکار رہنے دیجئے

نالۂ و زاری سے رغبت ہے اگر تھوڑی بہت
اک مرا بسترپسِ دیوار رہنے دیجئے

شاد

منشی رام پرشاد باشندہ سہارنپور، شاگرد جناب مولوی مقیم سہارنپوری

تری اس بیوفائی پر تو ہم سوجاں سے مرتے ہیں
اگر اے بے وفا تو باوفا ہوتا تو کیا ہوتا

کم قسمتوں کو غیر کی دولت سے کیا مفاد
الٹا پڑا ہے بحر میں کاسہ حباب کا

میں ہوں شہیدِ ناز جو اک گلعذار کا
بلبل طواف کرتی ہے میرے مزار کا

شاد

منشی بدری ناتھ کاستھ خلف منشی ہربنس رائے ساکن موضع چندی پورہ ضلع گیا ولادت ۱۸۸۰ء شاگرد جناب جگبیشرناتھ خلش گیاوی دختر بیتوی، پیشہ مختاری

ٹکرتے ہو دل میرا اٹھی ہیں بیکہ
بڑے بے مروت بڑے بے وفا ہو

شاد

پنڈت دیاکرشن رینہ کشمیری خلف پنڈت اندر نرائن باشندہ ریاست جاوڑا آپ کے دادا ریاست جاوڑا میں دیوان تھے، اور آپ بیسویں صدی کے شروع میں بمقام شیوراج پور ریلوے اسٹیشن ماسٹر تھے ،

دیکھ غافل کہ یہ دنیا ہے سراسر فانی ذرہ ذرہ یہاں تعلیم فنا دیتا ہے
تو لئے پھرتا ہے آنکھوں میں عجب میخانہ اک اشارہ ترا مدہوش بنا دیتا ہے

شاید کہ کچھ بڑھی ہے مری سوزشِ نہاں رکنے لگا ہے ہاتھ بھی اب چارہ ساز کا
جس کو سمجھ رہا ہے تو اک مایۂ حیات وہ شعبدہ ہے حسنِ حقیقت طراز کا

مجنوں کی طرح میرا مقدّر خراب ہے تقدیر رو رہی ہے مری میرے ساتھ ساتھ
اس بیکسی نے ساتھ کہاں تک مرا دیا مرنے کے بعد بھی یہ رہی میرے ساتھ ساتھ
یہ دیکھنا کہ میری تمنا نکل نہ جائے یہ آرزو ہو دفن مری میرے ساتھ ساتھ

وہ آرہے ہیں آج رقیبوں کے ساتھ ساتھ ڈر ہے پیام موت نہ لائے ہوں ساتھ ساتھ

شاداب

منشی خوشوقت رائے باشندہ چاندپور شاگرد جناب قائمؔ و مصحفیؔ

جب تلک ہو کام مژگاں سے تو ابرو مت چڑھا تیر کے ہوتے کوئی کھینچے بھی ہے تلوار کو

شاداں

لالہ بساون لال باشندہ لکھنؤ

یوں داغِ دل ہیں اس مرے سینے کے آس پاس چنے جڑے ہوں جیسے نگینے کے آس پاس

شاداں

مہاراجہ چندو لال بہادر کھتری خلف مہاراجہ نرائن داس باشندہ رائے بریلی، نائب والیٔ حیدرآباد ولادت ۱۷۶۶ء شاگرد جناب شاہ نصیرؔ و شیخ حفیظ الدین فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے "عشرت کدۂ آفاق" آپ کی خاص تصنیف ہے، ۱۸۴۹ء میں وفات کی،

معشوق کے آنے کی شتابی خبر آئے اللہ کرے دل کی یہ امید بر آئے

خورشید خجل ہو کے چھپے ابر کے اندر
محفل میں اگر آج وہ رشکِ قمر آئے
کرتا ہے نثار اس پہ فلک خوشۂ پروین
کانوں میں کرن پھول پہن کر اگر آئے
کس کام کا وہ نخل جسے پھول نہ پھل ہو
ہے شاخ وہی خوب کہ جس میں ثمر آئے
آتا نہیں دلدار نظر کیا کریں شاداں
ہیں منتظر آنکھیں کہ کوئی پل نظر آئے

سب ہوئے محو اسے دیکھ جدھر سے نکلا
تھے تعجب میں کہ یہ چاند کدھر سے نکلا
جب غنچہ نے سر اپنا گریباں سے نکالا
بلبل نے قدم پھر نہ گلستاں سے نکالا
کسی کے پڑ کے گلے دل کا ھار ہو رہنا
بنے تو پھول بنے ورنہ خار ہو رہنا
کیا عاشق کو تو نے یوں نظر بند
کہ جیوں آنکھوں میں ہوتی ہے نظر بند

شاداں

منشی بساون لال کائستھ باشندہ ٹونک، آپ امیر خاں بہادر والی ریاست ٹونک کے میر منشی تھے، بیشتر فارسی کلام کہتے تھے، ایک روز خواجہ امیر خاں باغ کی سیر کر رہے تھے، آپ بھی ان کے ہمراہ تھے۔ نواب صاحب نے فرمایا دیکھو گلاب کیسا پھول رہا ہے، شاداں صاحب نے فی البدیہ مندرجہ ذیل رباعی موزوں کر کے حضور کو سنائی جس سے نواب صاحب بہت محظوظ ہوئے،

گلِ گلاب نے خوبی عجب دکھائی ہے
بہار جامۂ گلگوں پہن کے آئی ہے
جو پوچھو سچ تو ہے یہ برکتِ قدومِ حضور
وگرنہ گل نے یہ خوبی کہاں سے پائی ہے

شاعر

منشی مٹھن لال خلف بخشی سلطان سنگھ قوم کائستھ باشندہ دہلی۔ فارسی سنسکرت۔ اور انگریزی کے عالم تھے، موسیقی میں اچھا دخل رکھتے تھے، آپ نے ایک ضخیم کتاب اردو، فارسی اور ہندی لغات موسوم "خزینۂ ہندی" تصنیف کی تھی،

ہم کو شکوہ کچھ نہیں ہے یار کا دلدار کا
ہے لکھا قسمت میں یارو تفرقہ دیدار کا

نبض مجھ بیمار کی زنہار مت چھوڑے طبیب
سب دوا بیمار کی پرہیز ہے بیمار کا

گر قتل تجھکو ظالم منظور ہے ہمارا
تو دل بھی زندگی سے مجبور ہے ہمارا

شاطر

پنڈت بیلی رام ولد پنڈت متھراداس باشندہ امرتسر، شاگرد جناب ناؔدر قنوجی اردو، فارسی اور انگریزی میں اچھی قابلیت رکھتے تھے۔ بمبئی کی "انجمن ادب" نے آپ کو تاج الشعراء کا خطاب عطا فرمایا تھا، ۱۹۳۲ء میں رحلت کی،

رازِ قدرت سے خبردار گرو نانک تھے
واقفِ عالمِ اسرار گرو نانک تھے
نشۂ حق سے تھے مدہوشِ ازل
بادۂ ناب سے سرشار گرو نانک تھے
ذکرِ معبودِ حقیقی میں زباں تھی مصروف
جنسِ عرفاں کے خریدار گرو نانک تھے
کیوں مہک اٹھتا نہ خوشبو سے دماغِ عالم
نکہتِ گلشنِ اسرار گرو نانک تھے

زندگی زلف کے سودے میں ہماری گذری
قصۂ عمر بھی اک خوابِ پریشاں نکلا
آئینہ اب تو ہوا آپ کا اپنا جوبن
جوہرِ حسن مرادِ دیدۂ گریاں نکلا

تم نے دنیا پہ جب نظر ڈالی
تہہ و بالا زمین کر ڈالی
اٹھ گئے سب حجاب کے پردے
دیدۂ دل سے جب نظر ڈالی
وہ گھڑی کم نہ تھی قیامت سے
ہم نے جب آپ پر نظر ڈالی
وہ عیادت کو آئے غیر کے ساتھ
نظرِ مہر مختصر ڈالی

کام کیا ہے عاشقوں کو نالہ و فریاد سے
مہرِ خاموشی ہو رازِ عشقِ پنہاں کے لئے
بے ثباتیِ جہاں آنکھ میں پھر جاتی ہے
طرفِ گورِ غریباں جو گذر ہوتا ہے

شاکر

پنڈت شیو ناتھ کشمیری خلف پنڈت کاشی ناتھ کول کشمیری باشندہ لکھنؤ، شاگرد جناب مرزا قیصر بخت فروغ دہلوی ولادت قریب ۱۸۷۶ء آپ نے اجمیر میں تعلیم پائی۔ فارسی اور انگریزی زبانوں کے عالم تھے، شروع میں راج بنارس میں ملازمت کی بعد ازاں ریاست گوالیار میں سپرنٹنڈنٹ جنگی و آبکاری کے عہدہ پر مامور رہے،

دل کے آئینہ میں ہے صورت بت بے پیر کی
اس مرقع میں جگہ ہے یار کی تصویر کی

جادۂ دشتِ جنوں روشن ہے مثلِ کہکشاں
پاؤں میں گردش ہے میرے آسمانِ پیر کی

اس خموشی میں بھی سو باتیں نکلتی ہیں صنم
عین گویائی ہے خاموشی تری تصویر کی

پاؤں کے چھالوں سے ہوں مجبور ورنہ لے زمیں
آدھی گردش بانٹ لوں میں آسمانِ پیر کی

ملا ہے حسن تمہیں عشق لازوال مجھے
کمال اُس میں تمہیں اِس میں ہے کمال مجھے

بہت ہی تنگ ہے وحشت میں وسعتِ عالم
الٰہی اس قفسِ تنگ سے نکال مجھے

چلے جو تیرِ مژہ ان کو چھوڑ کر شاکر
تو پھوٹ پھوٹ کے روئے دل و جگر کیسا

نظر نے پھوٹ مچائی وہ خانۂ تن میں
کہ دل بھی صاف اڑا لے گئی جگر کیسا

شاکر

مسٹر پیارے لال باشندہ میرٹھ مقیم لکھنؤ، شاگرد جناب نوبت رائے نظر ولادت ۱۸۸۰ء، رسالہ "ادیب" الہ آباد کے دو سال ایڈیٹر رہے، بعد ازاں لکھنؤ سے رسالہ "العصر" جاری کیا، رباعیات کہنے کی خوب مشق تھی، آخری ایام میں عیسائی مذہب اختیار کر لیا تھا، ۱۹۵۶ء میں وفات کی،

رباعیات

دنیا کو عجب طرفہ تماشا پایا
اک حال پہ قائم نہیں حاشا پایا

نظروں میں جو تولا اسے ہم نے شاکر
تو لا کہیں پایا کہیں ماشا پایا

آنکھوں سے خمار ذوق مستی اترا
خاطر سے غبار رادج ہستی اترا
پہنا جو کفن تو سر گرانی نہ رہی
ہلکے ہوئے ہم کہ رخت ہستی اترا

ناتوانی کا بھلا ہو یہ ہے احساں اس کا
اس کے کوچہ سے جو اٹھتا ہوں گرا جاتا ہوں
پست خم مجکو بڑھاپے میں نہ سمجھے کوئی
بار عصیاں سے زمیں پر میں جھکا جاتا ہوں
وصل کے وعدے رقیبوں سے ادا ہوتے ہیں
میں ہی بد بخت ہوں محروم رہا جاتا ہوں

دل دولت فقر سے غنی کر منعم
کیوں حرص زر و مال میں پابند ہے تو
تم اپنی کرو آپ مدد اے شاکر
ہر طرح کی پھر رفع شکایت ہوگی

شاکر

لالہ کالکا پرشاد ولد لالہ منگل سین قوم کھتری باشندہ بریلی ولادت ۱۸۸۵ء شاگرد جناب نوح ناروی، پیشہ دوکانداری

چاند میں شب کو دن کو سورج میں
ہے جمال اس کا ہے جلال اسکا
شمع سوزاں میں برق تاباں میں
ہے جھلک اس کی ہے جمال اسکا

جائیں کیوں ان کی بزم ناز میں ہم
کرنے دیگی نہ بے قراری بات
واقعات ستم کہیں کس سے
کوئی سنتا نہیں ہماری بات

دنیا بھی مجھ سے پھر گئی ان کی نظر کے ساتھ
کیسا غضب یہ گردش ایام ہو گیا
قاصد نے وہ کہی کہ مرے دم پہ آ بنی
پیغام یار موت کا پیغام ہو گیا

لڑ گئیں جس سے نگاہیں لڑ گئیں	ہو گئی جس سے محبت ہو گئی

شاگرد

منشی طوطا رام۔ ملازم راج کوٹہ

اپنے کوچہ سے تو اٹھوا لے یہ میت میری	ہو نہ ہو گور و کفن، جو بھی ہو قسمت میری
پڑ گئی گورِ غریباں میں یکایک ہلچل	ہائے کس ناز سے ٹھکراتے ہیں میت میری

شام

منشی شام سنگھ باشندہ راولپنڈی

یوسف کے سامنے تجھے بازار لے چلیں	دیکھیں تو کس کو ہو وہ ترے روبرو پسند

شائق

بابو رام سہائے باشندہ بھرت پور شاگرد جناب شیدا دہلوی

میں خط میں لکھنا بھول گیا مدعائے دل	اک مختصر سا ذکر مفصل میں رہ گیا
تیرِ نگاہِ ناز کے انداز دیکھنا	آنکھوں سے ان کی چل کے مرے دل میں رہ گیا

شائق

منشی بھاگیرت لال باشندہ علی گڈھ شاگرد جناب آشفتہ

اے صبا وصل کا میرے نہ اسے دے پیغام	بدگماں مجھ سے ہے کیا جانئے وہ کیا سمجھے
نالۂ گرم مرا آئے اگر جوشوں پر	خاورِ حشر کو اک ذرۂ ادنیٰ سمجھے

شائق

لالہ فتح چند کالستھ خلف لالہ بستی رام باشندہ لکھنؤ شاگرد حضرت ناسخ لکھنوی

دل اپنے قبضہ سے باہر ہے اذنِ یار میں روح	نہ زور دل پہ ہمارا نہ اختیار میں روح
الٰہی تیغِ خطِ یار دل پہ پھر جائے	وہ مرگ زیست ہے نکلے اگر بہار میں روح

اس پری زاد کی جادو میں مقرر آنکھیں	سینکڑوں جی سے گئے اس سے ملا کر آنکھیں
عیب مردم کے جسے دیکھنے کی خو ہو	ہیں اس انسان سے حیوان کی بہتر آنکھیں

مرا پہلو فراقِ یار میں ہے خانۂ ماتم — بجائے یار میں بیٹھے مرے غمخوار پہلو میں
مہندی مل کر کون نکلا چاندنی کی رات کو — سرخ دھبے پڑ گئے ہیں چادرِ مہتاب پر

شائق

بابو بہاری لال ولد بابو ہنومان پرشاد قوم کھتری، باشندہ لکھنؤ، ولادت ۱۸۷۱ء شاگرد حضرت شادؔ پیر و میرؔ لکھنوی،

لگا خدنگِ دو شعبہ مرے نظر کی طرح — بغل میں دل بھی ہے زخمی مرا جگر کی طرح
گر بلندی پر ستارہ ہو مری تقدیر کا — بام پر نظارہ ہو اس ماہِ پُر تنویر کا
شادی کی ہے امید جو پیرانہ سری میں — جھڑتے ہیں مرے پھول چراغِ سحری میں

شایاں

پنڈت پیم نرائن ولد پنڈت کرم نرائن منصف مہوبا، باشندہ بریلی

اس طفل کا جو قول ہے وہ بے ثبات ہے — ہر بات اس کی کھیل تماشے کی بات ہے
کب مثل اس کے کوئی بتِ نیک ذات ہے — فخرِ حرم ہے وہ شرفِ کائنات ہے
قائل نہیں ہیں دیدۂ پُر نم کے سامنے — طوفانِ نوح اگلے زمانے کی بات ہے
دو ایک بوسہ مصحفِ رخسار کا مجھے — مومن پہ فرض حسن کی دینی زکوٰۃ ہے
ہم پھنس گئے ہیں کیسے محبت کے جال میں — دشوار اپنے طائرِ جاں کی نجات ہے
کچھ عجز سے یہ پیرِ فلک پشت خم نہیں — مشہور اس کا نام زمانے میں گھات ہے
شایاں نہیں ہے جائے مسرت نشاطِ دہر — دو چالوں میں یہ بازیٔ شطرنج مات ہے

شایاں

منشی طوطا رام خلف منشی آتمارام، باشندہ لکھنؤ، آپ نے بہت سی فارسی کتابوں کا اردو میں ترجمہ کیا ہے "مہا بھارت" و "الف لیلہ" آپ کی مشہور منظوم تصنیفات ہیں، ۱۸۸۰ء میں وفات کی،

دھوم ہے جب سے تمہارے حسن کی — مصر میں یوسف کا ہے بازار بند
بام پر بیٹھو نہ کھڑکی کھول کر — راستہ ہو جائے گا اے یار بند

کیا عجب اے باغباں بلبل ہو جو جُھن کر کباب / آتشِ گل تیز ہے اور آشیاں نزدیک ہے
بزمِ ساقی میں ہمیشہ دورِ ساغر چاہیے / کوئے قاتل میں سبیلِ آبِ خنجر چاہیے
آئی نہ نظر خواب میں بھی یار کی صورت / دیکھی نہ کبھی طالعِ بیدار کی صورت
رحمت دل ہم سا کہاں میکدۂ عالم میں / آنکھیں بھر آئیں جو بھرتے کہیں ساغر دیکھا
چُلّو ہی میں مئے ناب پلا دے مجھے ساقی / رکھتا نہیں میں ساغرِ بلّور کی خواہش

شباب

منشی بندرا پرشاد کائستھ ولد منشی مانک چند باشندہ سیتاپور، ولادت ۱۸۹۳ء شاگرد جناب سرور علی سرور مرحوم

گرم آہیں جو کبھی ہم عاشقِ ناشاد کرتے ہیں / فلک جلتا ہے اہلِ عرش بھی فریاد کرتے ہیں
زباں سے شور کرتے کرتے جب تھکتے ہیں محبس میں / ترے قیدی لبِ زنجیر سے فریاد کرتے ہیں
ترے ہر وار پر دل سے صدا لے مرحبا نکلی / دہانِ زخم بھی شورِ مبارکباد کرتے ہیں

اس تصور کے میں صدقے وصل ان سے ہو گیا / صورتِ تصویر وہ آئینۂ دل میں رہے
چرخِ کج رفتار نے اچھا کیا ہم سے سلوک / دور ہم، اغیار ہر دم ان کی محفل میں رہے
پہلے تو عشقِ مجازی میں تو بن کامل شباب / ہر گھڑی پھر جلوۂ ذاتِ خدا دل میں رہے

ہمارے نزع کے عالم میں وہ جو آجاتے / زبانِ حال سے کچھ ان سے گفتگو کرتے
مثالِ اشک گراتے نہ آپ نظروں سے / نگاہِ لطف سے جو میری آبرو کرتے

جو چھپائے نہ چھپی وہ تری الفت دیکھی / گل کھلا کوئی تو اڑتی ہوئی رنگت دیکھی
فیضِ سرور سے ہوں ایسا میں سخن سنج شباب / جب غزل تازہ لکھی طبع کی جدت دیکھی

شبنم

بابو بدری ناتھ خلف بابو جے کشن لال قوم کائستھ زمیندار و باشندہ شہر دربھنگہ آپ منشی بہاری لال فطرت کے برادر تھے،

چشمِ بد دور ہے کیا موہنی صورت تیری / دل ہے ہونٹوں پہ فدا، جان نثارِ عارض
بوسے دے دیکے رقیبوں کو رخِ رنگیں کے / کھو دیا آپ سے خود تم نے وقارِ عارض

تپِ فراق ہے جینے سے یاس ہو کہ نہ ہو — جو حال یہ ہے طبیعت اداس ہو کہ نہ ہو
تپِ فراق میں جب وہ مسیح پاس نہیں — کسی سے کام نہیں کوئی پاس ہو کہ نہ ہو

نہ رونے کا پوچھو مرے ماجرا — کہ عمر اپنی اس میں بسر ہو گئی
وہ یہ کہہ کے گھر سے ہمارے گئے — اٹھو جاگو شبنم سحر ہو گئی

شرار

پنڈت رام ناتھ باشندہ جھجر ضلع رہتک

اللہ اللہ کس طرح کے جوہرِ شمشیر ہیں — منتظرِ قاتل کے مقتل میں جو یوں نخچیر ہیں
مجرمِ الفت فقط کیا ایک میں ہی ہوں خلا — عشق ہے گر جرم تو سب قابلِ تعزیر ہیں

شرارہ

بابو دیوی دیال ولد گنجا دھر پرشاد قوم کائستھ باشندہ لکھنؤ ولادت ۱۸۸۵ء فارسی، انگریزی اور ہندی میں اچھی قابلیت رکھتے تھے۔

مسیحا پر ہوا ظاہر نہ چارہ گر ہوئے واقف — اٹھائی جس قدر تکلیف ہم نے دردِ پنہاں سے

شررہ

منشی کندن لال باشندہ سہارنپور، شاگرد جناب بنواری لال شعلہ، آپ گوالیار میں ملازمت کرتے تھے، اخبارات اور رسائل میں آپ کے مضامین اکثر شائع ہوتے رہتے تھے مولانا راسخ دہلوی آپ کے خاص دوست تھے، اور ان کے اخبار "ظریف" کے قلمی معاون تھے، ۱۹۲۱ء میں رحلت کی،

شیخ دیوانہ ہے جنت کی سُنی باتوں پر — مر ہی جائے گا اگر کوچۂ جاناں دیکھا
ہائے گھبرا کے کس انداز سے اس نے پسِ قتل — کبھی خنجر پہ نظر کی کبھی داماں دیکھا

خموشی خوبیِ غنچہ دہن ہے — سخن آموز چشمِ سحر فن ہے
نقابِ روئے رعنائے سخن ہے — وفورِ شوقِ اہلِ انجمن ہے

یہاں بیتابیٔ دل صد زباں ہے ۔ وہاں اک خامشی قفلِ دہاں ہے
آتے ہی جہاں میں فصلِ برسات ۔ جی اٹھے زمیں کے سب نباتات
زبانِ حال کی تقریر ہے تو ۔ کہوں کیا بولتی تصویر ہے تو

شرر

بابو بھولا ناتھ باشندہ دہلی، شاگرد جناب راسخ دہلوی ولادت قریب ۱۸۸۰ء آپ پوسٹل ڈیپارٹمنٹ راولپنڈی میں ملازم تھے ،

شور ہے کنج قفس میں داد کا فریاد کا ۔ خوب طوطی بولتا ہے ان دنوں صیاد کا
ہاں تیرِ ستم دیکھ دہی چھیڑ چلی جائے ۔ ایسا نہ ہو کمبخت یہ زخمِ جگر بھر آئے
دل جلایا کئے ہم سوزِ دروں سے لیکن ۔ نالۂ آہ شرر بار نکلنے نہ دیا
بوسہ گر مانگا تو یہ کہنے لگا ۔ منھ کی تم کھاؤگے ہو کس دھیان میں

شوق

ٹھاکر جانکی سنگھ برادر جناب بہاری سنگھ ضبط شاگرد حضرت فرقت شاہجہاں پوری ،

یاد آئی مجھے اے شوق کسی گل کی ہنسی ۔ برقِ تاباں نے دکھایا جو تبسم مجکو
سائلِ وصل ہوئے جب ان سے ۔ ہم سے حیلے کئے نزاکت کے

شریف

منشی نیاٹک پرشاد کائستھ باشندہ موضع کھتولی ضلع بنارس ولادت ۱۸۴۹ء آپ قریب ۴۵ سال بنارس میں پیشکار رہے ،

چبھے گی نوکِ مژہ کسی کی جو دل میں میرے خدنگ ہوکر
تو آہ و نالے بھی کام اپنا کریں گے تیر و تفنگ ہوکر
جو اُن کی آنکھیں لڑیں تو دل پہ چلا یا بچھ مژہ نے ان کی
یہ وہ ہیں آہو جو چوٹ کرتے ہیں پا کے موقعہ پلنگ ہوکر

صباحتِ رخ کو دیکھ کر دل چلا ہے زلفِ سیہ کی جانب
حبش کو جیسے کوئی روانہ ہوا ہے ملکِ فرنگ ہو کر
مرے لئے تم جگہ نکیرین اپنے دل میں بنائے رکھنا
عجب نہیں کثرتِ گنہ سے رہے مری گور تنگ ہو کر
شریف حصہ میں عاشقوں کے پڑی ہے رسوائی و فضیحت
اگر ہوا بھی تو کیا کرے گا خیالِ ناموس و ننگ ہو کر

بانکپن جھک جھک کے کرتا ہے سلام — اپنے ابرو حبیب وہ خم دیکھتے ہیں
ہو کے سائل ہاتھ پھیلاتے نہیں — ہمتِ اہلِ کرم دیکھتے ہیں
خاک میری لاکھ پابوسی کرے — پر وہ کب زیرِ قدم دیکھتے ہیں

شعلہ

لالہ گنپت رائے رئیس باشندہ شکوہ آباد

وہ شوخ بھی تھامے ہوئے اپنا جگر آئے — اتنا تو مری آہ میں یارب اثر آئے
خنجر سے زباں کاٹ ہی لیتا مری قاتل — شکوہ بھی کبھی مری زباں پر اگر آئے
جبہ کہیں دستار کہیں آپ کہیں ہیں — میخانہ میں اس شان سے زاہد نظر آئے

شعلہ

پنڈت امرناتھ کشمیری مولد لکھنؤ۔ آپ نواب سبحان علی خاں کنبوہ کی سرکار میں ملازم تھے

طاقت ہے کیا جو میں کہوں مجھ پہ ستم ہوا — ہاتھوں سے تیرے جو ہوا ظالم وہ کم ہوا
میں شاہِ ملکِ عشق ہوں مرنے کے بعد بھی — اس دبدبہ سے راہیِ ملکِ عدم ہوا
تابوت میرا تخت ہوا چتر سایباں — یہ زورِ اشک و نالہ کا خیل و خدم ہوا

غبارِ راہ ہیں پر لئے ہوئے عالمِ بالا — فلک پر ایک دن پہونچیں گے ہم اس خاکساری سے
جان دی شعلہ نے حسنِ سبز سے پرہیز کر — حق میں اس بیمار کے پرہیز کرنا سم ہوا

اللہ نے جس دم گل سیراب بنایا　　بلبل کو بھی سرگرم تپ وتاب بنایا

شعلہ

منشی نرائن داس باشندہ بدایوں

دو قالب یک جان کہتے ہیں جس کو وہ بھی تو ہیں　　ہمارا حال ان سے، ان کا ہم سے پھر نہاں کیوں ہو
رہیں گا جب تلک زندہ نہ مانگوں گا کبھی بوسہ　　دہن اس کے نہیں ہے اسکے عاشق کے زباں کیوں ہو
ہماری آہ وگریہ سے ہے قائم یہ جہاں ورنہ　　زمیں پانی پہ کیوں ہو اور زمیں پر آسماں کیوں ہو

شعلہ

ٹھاکر شیولال صاحب رئیس وتعلقدار باشندہ ڈبائی ضلع بلند شہر

ہماری سخت جانی کھول دیگی دم میں سب جوہر　　ذرا ہم بھی تو دیکھیں آپ کی تلوار کیسی ہے
تبسم برق ہے آفت ادا ہے قہر غمزہ ہے　　قیامت ناز ہے لیکن نگاہ یار کیسی ہے
جدھر دیکھو ادھر عالم میں اک شور قیامت ہے　　تری چال آجکل اے چرخ کج رفتار کیسی ہے
ہمیشہ راست گوئی آپ کا شیوہ تھا اے شعلہ　　خلاف شاں مگر یہ آج کی گفتار کیسی ہے

نیند ان کو نہ آئے گی مگر میری بلا سے　　مجھکو بھی کوئی تازہ کہانی نہیں آتی

شعلہ

پنڈت امراؤ سنگھ خلف پنڈت دیوکی نندن وکیل باشندہ دہلی، شاگرد جناب راسخ دہلوی، ولادت قریب ۱۸۶۹ء آپ مختاری کا امتحان پاس تھے موسیقی سے خاص لگاؤ تھا، ۱۹۲۴ء میں وفات کی،

مرتے مرتے بھی رہی دل میں مرے یاد بتاں　　ہائے میں دنیا سے چھاتی پہ یہ پتھر لے چلا
ہاتھ اے مشاطہ مت باندھ اس سراپا ناز کے　　کیا ہوا دزد حنا گر دل چرا کر لے چلا

تیرے کوچہ کی ہوا بھی نہ میسر تھی جنھیں　　وہی اب تو رہا کرتے ہیں اندر باہر
خاک ہی اپنی اٹھے گی تو اٹھے گی واں سے　　ہم ترے کوچے سے بس نکلیں گے مر کر باہر

ابھی ہے دور شعلہ منزلِ عشق دیا دل چھوڑ کیوں تم نے یہیں سے

شعلہ

منشی بنواری لال کائستھ خلف منشی موتی لال باشندہ علیگڈھ، شاگرد منشی ہرگوپال تفتہ، ولادت ۱۸۴۷ء پیشہ وکالت آپ کے والد سہارنپور میں ناظرِ عدالت جج تھے "ارمغانِ شعلہ" اور "بزمِ بندرابن" آپ کی خاص تصانیف ہیں جو غیر ممالک تک پہونچی ہیں، ۱۹۰۳ء میں لاولدی میں وفات کی،

میں جبہ سا ہوں اس درِ عالی مقام کا کعبہ جہاں جواب نہ پائے سلام کا
اے شعلہ کہہ دو بلبلِ خلدِ بریں سے اب گلدستہ باندھ لے مرے رنگیں کلام کا

وہ سخنور ہوں سخن کی جو ستائش چاہوں چیر کر گور نکل آئے ابھی روحِ قتیل
طبعِ عالی کو جو آتا ہے دمِ فکر عرق پنکھا جھلنے کے لیے ہلتے ہیں پرِ جبریل

شرابِ ناب کا کب جیتے جی تک رنگ چھٹتا ہے یہ وہ دھبہ ہے شعلہ جو دھلے گا آبِ کوثر میں
میں وہ گنہگار ہوں پہونچا جو دیر میں رحمت لپٹ کے کہنے لگی تو کہاں رہا
نہ قوتِ بازو نہ کوئی لختِ جگر ہے غربت زدہ ایسا ہوں کہیں گھر ہے نہ در ہے

بیوی کی وفات پر نوحہ کا ایک بند

دامانِ قیامت مرے ہاتھوں سے لپٹ جا او چرخ ستمگر مرے نالوں سے الٹ جا
اے جانِ حزیں جسم سے آنکھوں میں سمٹ جا اے عمر اگر باقی ہے کچھ بیچ سے کٹ جا

اک نزع کا فوٹو ہے جو سینہ میں دھرا ہے
کس کا دمِ آخر مری آنکھوں میں بھرا ہے

شفا

لالہ سوہن لال باشندہ بریلی شاگرد جناب ہوش

دل کو پروا نہیں سختی وہ اگر کرتے ہیں اپنے نالے بھی تو پتھر میں اثر کرتے ہیں

گیسوؤں کا ترے کب پتا نہیں دل ہیں خیال — یہ وہ کافر ہیں کہ کعبہ میں بھی گھر کرتے ہیں

بلا ہو قہر ہو کیا جانے کیا ہو جائے — تمہاری زلف جو برہم ذرا ہو جائے
نصیب شربتِ دیدار ہو اگر ان کا — تو پھر شفا کو نہ کیونکر بھلا شفا ہو جائے

شفق

منشی لالتا پرشاد کائستھ خلف منشی بیجے لال باشندہ لکھنؤ، شاگرد جناب کنور جی مدہوش و آغا علی شمس و شنکر دیال فرحت، فارسی اور انگریزی میں اچھی قابلیت رکھتے تھے، قصہ چہار درویش کو نظم میں "بہارِ شفق" کے نام سے لکھا ہے

بندہ، ناچیز و بے حقیقت ہے — فیضِ مدہوش و شمس و فرحت ہے

گلستاں میں جا کر ہر اک گل کو دیکھا — نہ تیری سی رنگت نہ تیری سی بو ہے
سمایا ہے جب سے تو نظروں میں میری — جدھر دیکھتا ہوں ادھر تو ہی تو ہے
گریباں کیا چاک وحشت میں ایسا — نہ سینے کے قابل نہ جائے رفو ہے

کسی صورت نہیں کعبہ سے کم ہے صورتِ جاناں — اگر واں چاہِ زمزم ہے تو یاں چاہِ زنخداں ہے
صنم کے کعبۂ رخ پر جو تل ہے چوم لے زاہد — کہ بوسہ سنگِ اسود کا بھی اک فرضِ مسلماں ہے

اس لئے خاک پہ بیٹھا ہوں میں — کہ اٹھا کر وہ نظر دیکھیں تو
کبر کیوں کرتے ہیں یہ دنیا میں — پہلے اصل اپنی بشر دیکھیں تو

چار عنصر یوں سنبھالے ہیں دلِ مردہ مرا — جس طرح بوجھ ایک کا بعدِ فنا ہو چار پر
سر پھرا ہے نہیں میرا جو میں باندھوں دستار — ایک موجود تو ہے گنبدِ گردوں سر پر

شفق

منشی رام نرائن ساکن شہر کول، شاگرد بابو بنسی دھر مخلص

گردشِ تقدیر ہے تو میرے گھر کی راہ سے　　پھر گیا کیوں ہائے اپنے عہد و پیماں کی طرح
لائے اس شوخِ ستمگر کو مرے گھر کھینچ کر　　طفلِ اشک اپنے جو مچلے طفلِ ناداں کی طرح

تھی وصل میں التفات کی بات　　بھولیں گے کبھی نہ وہ رات کی بات
خلوت میں چلو تو کچھ کہیں ہم　　ہے وصل کا وصل بات کی بات

شفق

لالہ رام نرائن شاگرد جناب تپش

گریں پروانے لاکھوں جس طرح اک شمعِ روشن پر　　فدا یوں ہے زمانہ اس پری پیکر کے جوبن پر
اگر وعدہ ہے ہم سے خوں بہا دینے کا محشر میں　　چھڑک لے خوں ہمارا اے ستمگر اپنے دامن پر

جلتا ہے سوزِ رشک سے خورشید کس لئے　　ہاں ہاں ہمیں ازل سے ہے وہ شمع رو پسند

شفق

منشی دولت رائے گلفروش باشندہ دہلی، شاگرد جناب ذوق دہلوی، غدر کے بیس سال بعد تک زندہ رہے،

پسِ مرگ مرے مزار پر جو دیا کسی نے جلا دیا
اسے آہ دامنِ بادنے سرِ شام ہی سے بجھا دیا
مجھے دفن کر چکو جس گھڑی تو یہ کہنا اس سے کہ اے پری
وہ جو تیرا عاشقِ زار تھا تہہ خاک اس کو دبا دیا
مری آنکھ جھپکی تھی ایک پل یہی دل نے چاہا کہ اٹھ کے چل
دلِ بے قرار نے آخرش مجھے چٹکی لے کے جگا دیا

اگر اس سے کہتا نہ اتنا تو تو نہ رکتا تجھ سے وہ تند خو
شفق آہ تو نے یہ کیا کیا اسے عشق اپنا جتا دیا

پسِ مردن بھی گردش ہے زبس میرے مقدر میں
بگولے کی طرح رہتی ہے میری خاک چکر میں

الٰہی کیا کرے دیوانۂ الفت کہاں جائے
قرار آتا ہے صحرا میں نہ جی لگتا ہے اب گھر میں

خدا کے سامنے آنے تو دو مغرور قاتل کو
قیامت ہم بھی اک برپا کریں گے آج محشر میں

فراقِ یار میں کیا لطف ساقی بادہ نوشی کا
بجائے مے ذرا سا زہر بھر دے میرے ساغر میں

دلِ محروم کا مدفن زیارت گاہ بن جائے
شفق چھوٹی سی اک تربت بنا دو کوئے دلبر میں

شفیق

رائے لچھمی نرائن کھتری خلف رائے منسارام باشندہ اورنگ آباد دکن، شاگرد جناب غلام حسین آزاد بلگرامی، آپ اور آپ کے والد ریاست حیدرآباد میں عہدۂ جلیلہ پر ممتاز تھے۔ فارسی کلام زیادہ کہتے تھے، آپ کی تصانیف میں اثر آصفی، اثر حیدری تذکرۂ گل، مرآۃ الہند وغیرہ ہیں، ۱۷۹۸ء میں وفات کی،

تشنہ لب ہوں شراب کی سوگند
جل گیا جی کباب کی سوگند

دور کر دے حجاب کو اپنے
چادرِ ماہتاب کی سوگند

بے سخن ہوں ترا دہن دیکھے
یار رہا حاضر جواب کی سوگند

دلِ صاحب ہے کیا پریشاں آج
زلف کے پیچ و تاب کی سوگند

جان جنگل میں یوں نہ جاؤ تم
دل جلا کوئی سانس بھرتا ہے

خاک سے اسکی نرگس اگتی ہے
جو ترا منتظر ہو مرتا ہے

اپنے بندوں میں جان دیکھو بھلا
کوئی اس طور ظلم کرتا ہے

ہمیں کنجِ قفس میں چھوڑ کر صیاد جاتا ہے
خدا جانے کہ ہم سے خوش ہے یا ناشاد جاتا ہے

بہار آئی جنوں نے سر اٹھایا ہے خدا حافظ
نسیمِ صبح نے دل کو سنایا ہے خدا حافظ

میں اپنے دردِ دل کہنے کے صدقے
ترے سن سن کے چپ رہنے کے صدقے

مرا دل لینے تک ہی آشنا تھا
تری آنکھیں پھر لینے کے تصدّق

شفیق

لالہ تلسی رام باشندہ ہوشیار پور، شاگرد جناب کیول رام ہوشیار

مرے سینہ کی سوزش کا بیاں کیا ہے
فلک آہوں کا میری اک دھواں ہے،

شکر

منشی رادھا کشن کایستھ باشندہ مراد آباد

دیکھ تو اے چشم سیلِ اشک طغیانی میں ہے
گھر سنبھال اپنا کہ دیوارِ مژہ پانی میں ہے

شکن

منشی بال سروپ ساکن سہارنپور

ترے ہاتھوں کی دستاویز ہیں زخم جگر میرے
قیامت میں دکھاؤں گا تری تحریر کے بدلے

شکنؔ پھر ایشیائی شاعروں کا رنگ جم جائے
اگر پیدا ہو پھر کوئی بیاںؔ و میرؔ کے بدلے

شگن

منشی بال سروپ باشندہ میرٹھ شاگرد جناب محمد مرتضیٰ بیاںؔ

پردہ میں رکھا تجکو تری شرم و حیا نے
پھر چشم سے کہیئے کہ تجھے کیا نظر آیا

کیا جھک کے کہا کان میں اس زلفِ دوتا نے
شاید دلِ پُر پیچ کچھ ایسا نظر آیا

شگفتہ

منشی بدھ سنگھ آہنگر باشندہ دہلی شاگرد جناب بھورے خاں آشفتہ، آپ شاہ عالم ثانی کے دور میں ہوئے ہیں،

پروانہ وار جل کر گو خاک ہو گئے ہم
پر شمع رو نہ چھوٹا اپنی شرارتوں سے

ٹوٹے پڑے ہیں ساغر ٹکڑے گلابیاں ہیں
ساقی کے میکدہ میں یہ بد شرابیاں ہیں

شگفتہ

منشی خیراتی لال کائستھ خلف منشی طوطارام باشندہ لکھنؤ شاگرد جناب نسیم دہلوی طبیعت موزوں و فکر رسا رکھتے تھے، فن شاعری وسپہ گری میں استاد مانے جاتے تھے، صاحبِ دیوان وصاحبِ تلامذہ ہوئے ہیں. ۱۸۹۶ء میں بعمر ۸۸ سال وفات کی

بشکلِ ناخنِ انگشت سر کٹانے سے — حیات ملتی ہے جب انتقال ہوتا ہے
سرشکِ چشم دکھاتی ہے گرمیاں اپنی — کمی پہ جب عرقِ انفعال ہوتا ہے

ادب بخشا ہے ایسا ربطِ الفاظِ مناسب نے — دو زانوں ہے مری طبعِ رسا ترکیبِ اردو سے
وہ لکھے ہیں مضامینِ شرر انگیز نامے میں — کہ شعلے ہر زماں اٹھتے ہیں بازوئے کبوتر سے
صاف کیا ہو صحبتِ ظاہر سے باطن کا غبار — منہ نظر آتا نہیں آئینۂ تصویر میں
دیکھو نگاہِ شوق سے میری طرح مجھے — یہ مدعا ہے اور کوئی مدعا نہیں
اٹھا نہ گر کے کبھی فرشِ خاک سے ہرگز — مری طرح مرا آنسو بھی ناتواں ٹھیرا
نہ شرماؤ آنکھیں ملا کر تو دیکھو — ملاقات ہے ہم سے تم سے کبھی کی

شمس

بابو کنہیا لال باشندہ فرخ آباد، شاگرد جناب شیدا مرادآبادی

مجذوب بھی حیران ہے سالک بھی پریشاں — کیا رازِ خدا آئے بھلا عقلِ بشر میں
اس طرح سے کوئی پئے تفریح چلا ہے — ہے تیر وکماں ہاتھوں میں خنجر ہے کمر میں

کرتے ہیں وہ نہال رقیبوں کو ہر گھڑی — دشمن وہ میرے اس دلِ مضطر کے ہو گئے
تصویرِ یار آتی ہے ہر دم ہمیں نظر — نقشہ یہ دل کے چوکھٹے میں کون جڑ گیا

شمسی

لالہ سورج پرشاد خلف منشی چونی لال باشندہ فرخ آباد، شاگرد جناب گوری شنکر مجذوب فرخ آبادی،

پھل زیست کے دیئے مجھے گیا گیا وصال نے
مجکو کیا نہال بتِ نونہال نے

دعوائے حسن شمس و قمر کو ازل سے تھا
رد کر دیا مگر ترے حسن و جمال نے

واللہ منکرانِ قیامت کو اے صنم
قائل اگر کیا تو تمہاری ہی چال نے

اے یار تیرے لب سے مقابل ہو لعل کیا
نادم ازل سے کر دیا منہ کے اگال نے

اس رشکِ آفتاب کا شمسی ہوں مبتلا
بخشا ہے نور نور کو جس کے جمال نے

شمیم

پنڈت شیونرائن رینہ وکیل عدالت جالندھر خلف پنڈت اندرنرائن رینہ ۱۸۵۹ء
میں آپ لاہور میں پیدا ہوئے تھے، شاگرد جناب مولانا حسین احمد آزاد، ۱۹۳۶ء
میں وفات کی۔

بجز اک موجِ خوں رکھا ہی کیا ہے لالہ زاروں میں
دھرا کیا ہے جز افغانِ مسلسل آبشاروں میں

یہ سب نیچر کی مایا ہے لبھاتی ہے طبیعت کو
عجب قدرت نے مقناطیس بھر دی گلعذاروں میں

یہ ننھی سی زمیں اپنی اور اس پہ ناز ہو اتنا
بھرے ہیں لاکھوں عالم اے فلک تیرے ستاروں میں

نہیں ویراگ بھاتا زندہ دل رندوں کے کانوں کو
کرو کچھ تذکرہ عیش و طرب کا بادہ خواروں میں

مرنے کا مرے جا کے کسی نے جو کیا ذکر
کہنے لگے ہاں آئی ہے ہم کو بھی خبر آج

دل کھول کے بس آج تو پی لوٹے گلگوں
ساقی نے دیا کھول ہے میخانہ کا در آج

زمانے کی رفتار اک رہنما ہے
چلو اس طرف کو جدھر کی ہوا ہے

کتابیں ہوں نیچے کتابیں ہوں اوپر
یہی ان دنوں زندگی کا مزا ہے

شمیم قومی عروج و پستی کے سارے ساماں ہیں اپنے بس میں
کرے گی وہ قوم کیا ترقی جو خود نہ بدلے گی اپنی رسمیں

شمیم

بابو چھتر پل باشندہ بھرت پور، شاگرد جناب شیدا دہلوی، ۱۹۱۱ء میں دہلی میں مقیم تھے، بعد کو وطن چلے گئے تھے،

چھالے جو کچھ پڑے تھے مری سوزِ آہ سے
گردوں پہ آ رہے ہیں نظر مہر و ماہ سے
ناکام تیرے در سے پھرا ہے یہ کون آج
حسرت ٹپک رہی ہے یہ کس کی نگاہ سے

قالبِ خاکی میں دل تھا دل میں تھا وہ جلوہ گر
بت مرا کعبہ میں تھا کعبہ یہ بتخانے میں تھا
پردہ دارِ رازِ الفت بن گئی تھی بے خودی
ورنہ یارا ضبط کا کب تیرے دیوانے میں تھا

غنیمت ہے وہی دم زندگی میں
گذر جائے جو حق کی بندگی میں
رخِ روشن پہ لہراتی ہے کاکل
یہ ناگن کھیلتی ہے چاندنی میں
مثالِ آئینہ حیراں ہوئے کیوں
نظر آیا تمھیں کیا آرسی میں

اٹھتی ہے کس مزے کی خلش ہر نفس کے ساتھ
کانٹا تری نظر کا کہیں دل میں رہ گیا
داغِ جگر سے مٹ گئی تاریکیِ فراق
روشن چراغ آ کے پھر اپنے گھر میں ہے
عشق پردہ نشیں کا پاس رہا
رازِ دل لب سے آشنا نہ ہوا

شمیم

منشی شیر سنگھ باشندہ موضع گوری ڈاک خانہ گورسہائے گنج ضلع فرخ آباد، شاگرد جناب عزیز لکھنوی،

مجنوں صفت شمیم جو دیوانے بن گئے
ہندوستاں میں نجد کے ویرانے بن گئے
ساقی کے لطفِ عام سے رندوں کے واسطے
دنیا کے گوشے گوشے میں میخانے بن گئے
ویران رکھیئے یا انھیں معمور کیجیے
سب کے دلوں میں آپ کے کاشانے بن گئے
ہمدردیوں کو ان کی بنایا شریکِ حال
ہشیار اپنے کام میں دیوانے بن گئے

رفتہ رفتہ دل کی بے تابی نے چھیڑا سازِ دل
کھلتے کھلتے کھل گیا آخر ہمارا رازِ دل

چشمِ خوننابہ فشاں جب کر رہی ہو انکشاف
ہمنشیں پھر چھپ سکے کیوں کر ہمارا رازِ دل

سننے والوں پر نہ بیتابی کا عالم ہو عیاں
عشق کی مضراب نے چھیڑا ہے میرا سازِ دل

دلوں کو کرب و اذیت کا میزباں دیکھا
کہیں بھی چین کو ہم نے نہ میہماں دیکھا

قدم جما نہ سکے پھر تو، ہجر کے صدمے
خیالِ یار کو جب دل میں میہماں دیکھا

شنکر

منشی دیا شنکر باشندہ دہلی، حیدرآباد دکن میں وفات کی

اثر سے خالی اگر ہے فغان بلبل کا
ہوا ہے چاک گریبان کس لیے گل کا

ان طبیبوں سے کچھ ہوا نہ علاج
عشق کا درد لا دوا دیکھا

دیکھ گریاں مجھے وہ ہنستا ہے
خندۂ گل ہے ابر کا رونا

شوخ

منشی بنواری لال ولد منشی کشن نرائن شفیق، باشندہ لکھنؤ ولادت ۱۸۸۸ء شاگرد جناب دوار کا پرشاد افق، آپ خاندانی شاعر ہیں اور شعر خوب کہتے تھے،

دل کو سکوں ہو کیسے اس ہاں پہ اس نہیں پر
کچھ کچھ ہے مسکراہٹ کچھ کچھ شکن جبیں پر

ژولیدہ گفتگو کا دشوار تھا سلجھنا
کل بات کچھ ہوئی تھی الجھے کہیں کہیں پر

مستِ الست ہوں نہ مرا ظرف دیکھیے
چلو لگا لیا وہی پیمانہ ہو گیا

مذہب پرستِ دہر کی خودداری دیکھنا
کعبہ بنا یا جس جگہ بتخانہ ہو گیا

مے کے پینے سے نہیں ہوتا ہے کوئی بھی گناہ
شرط اتنی ہے کہ بڑھ جائے نہ پیمانے سے

وہ گلکدۂ دہر کو میخانہ بنا دے
ممکن ہے کہ ہر پھول کو پیمانہ بنا لے

شوخ

بابو فتح چند صاحب مہاجن رئیس باشندہ لکھنؤ، طبیعت میں نفاست ذہن میں رسائی اور زبان میں شوخی ہے،

لطف سے بڑھ کے ستم میں مجھے ملتا ہے مزہ — پیار کرتا ہوں جنھیں میں وہ جفا کرتے ہیں
تیر سے کم نہیں گو اصل میں وہ تیر نہیں — دل کو مجروح ترے ناز و ادا کرتے ہیں
لوگ کہتے ہیں مسیحائے زمانہ جنکو — لیجیے وہ مرے مرنے کی دعا کرتے ہیں

ذکرِ مے کچھ مے نہیں ہے جس سے توبہ ٹوٹ جائے — شیخ اگر لب تک مرے ذکرِ شراب آیا تو کیا
مغفرت ہوتی اگر رونے کو آجاتے حسیں — تربتِ عاشق پہ رونے کو سحاب آیا تو کیا

سر کی نقابِ رخ جو تری جلوہ گاہ میں — اک خیرگی سی ہو گئی پیدا نگاہ میں
اللہ صبر دے مجھے یا اس کو دے وفا — دو التجائیں ہیں یہ تری بارگاہ میں

اٹھاؤ ساغر بھرو صراحی چلو گلستاں میں بادہ خوارو — کہ لطف اب ہوگا میکشی کا وہ ابر گردوں پہ چھا رہا ہے
غمِ محبت نے اے ستمگر کیا ہے اس گھر کو ایسا ویراں — نہ کوئی حسرت رہی ہے دل میں نہ کوئی اب مدعا رہا ہے

شور

بابو مدن موہن لال اہلکار کچہری فتح گڈھ ولد لالہ چھیدی لال مختار

ہم کو آبادی سے مطلب ہے نہ ویرانے سے — رات دن غم میں پھرا کرتے ہیں دیوانے سے
گرم آہوں میں نمی ہو مژۂ تر کی اگر — گرمیوں میں اسے ترجیح دوں خسخانے سے
نہ پئیں گے نہ پئیں کے کبھی ہرگز مۓ ناب — عہد و پیمان کیا ہے ترے پیمانے سے
ہم کہانی تری سنتے ہیں شب و روز اے یار — کام شیریں کے نہ لیلیٰ کے ہے افسانے سے
شور کو تم سے تمھیں اس سے بھی رغبت کیا گیا — سو خفا ہو گئے تم غیر کے بہکانے سے

شور

پنڈت برج کشور زتشی ولادت ۱۸۶۴ء باشندہ دہلی، فارسی اور انگریزی کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد آپ ریاست گوالیار میں ملازم ہو گئے تھے، اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے،

قدر انساں کی ہوا کرتی ہے مرجانے کے بعد　　پھول سے پیدا ثمر ہوتے ہیں مرجھانے کے بعد
آپ کی نیچی نگاہیں کچھ تو کہتی ہیں ضرور　　فرق آتا ہے نظر میں دل میں فرق آنے کے بعد

لے چلی دل کی خلش جانب صحرا مجکو　　آنکھ دکھلائیگا کیا پاؤں کا چھالا مجکو
ساتھ آئے تھے رفاقت کو اسی دن کیلئے　　چل دیئے ہوش و خرد چھوڑ کے تنہا مجکو

میں کیا قاصد لکھوں خط میں فراقِ یار کا مضموں　　عبارت طول ہوگی حرفِ مطلب مختصر ہوگا
پُرسشِ روزِ جزا پر دادخواہی میں نے کی　　کاتبِ تقدیر نے دفتر کا دفتر رکھدیا
ہمارا دم اکھڑتا ہے وہ دم غیروں کا بھرتے ہیں　　برا ہو ایسے جینے کا نہ جیتے ہیں نہ مرتے ہیں
بیقراری مجھے کیوں کرتی ہے رسوا دن کو　　رات کیا رونے کو لے دیدۂ گریاں کم ہے

شوق

ڈاکٹر مہادیو پرشاد کائستھ ولد منشی بھیروں پرشاد باشندہ لکھنؤ، ولادت ۱۸۹۰ء، شاگرد جناب ریاض، پیشہ ڈاکٹری ہومیوپیتھک،

شوق رسوا ہو نہ کوئی اس نظر سے دیکھنا　　بزم میں آنسو نہ نکلیں چشم تر سے دیکھنا
دولتِ دیدار سنتا ہوں لُٹے گی حشر میں　　دیکھنے والو انھیں میری نظر سے دیکھنا
شکر ہے اتنا تو شب کو پوچھتے ہیں غیر سے　　یہ صدا نالوں کی آتی ہے کدھر سے دیکھنا

پسِ مردن بھی سب کہتے ہیں کچھ ہے سانس بسمل میں　　یہ کیا اعجاز ہے یارب ہوائے کوئے قاتل میں
بتوں کا نام تو وردِ زباں ہر وقت رہتا ہے　　خدا کو یاد کرتا ہے مگر انسان مشکل میں

یہ سچ ہے شوقؔ کہنے کو تو اس دنیا میں لاکھوں ہیں
وہ انساں ہے جو کام آئے کسی بیکس کی مشکل میں

اپنی زلفوں کی تو سن لیجئے نہ سنیئے میری
کان میں کہتی ہیں کچھ حالِ پریشاں میرا

چھائے تلووں میں خلشِ دل ہیں ہاں پر کانٹے
شوقؔ منہ دیکھتے ہیں خارِ مغیلاں میرا

اب ہو کہ نہ ہو حشر میں دیدار کسی کا
ہے ناز کہ میں بھی ہوں گنہ گار کسی کا

کچھ دیر سے مطلب ہے نہ کعبے سے غرض ہے
منہ دیکھتے ہیں کافر دیندار کسی کا

مر کے کیا قبر میں راحت ہوگی
آنکھ کھلتے ہی قیامت ہوگی

تم دمِ نزع ذرا ہٹ جانا
نگہہ یاس قیامت ہوگی

شوقؔ

بابو آنندی پرشاد کھتری خلف رائے شنکر رائے باشندہ دہلی، شاگرد جناب مرزا سالکؔ، آپ انگریزی اور فارسی کے عالم تھے سنسکرت سے بھی واقف تھے، کچھ دنوں دفتر نہر میں ملازمت کی، ۱۲۹۸ھ؁ ہجری میں بعمر ۲۸ سال وفات کی،

اک وہ کہ ان کے ظلم کی عالم میں دھاک ہے
اک ہم کہ شہر شہر میں شہرے وفا کے ہیں

قانونِ عشق و رسمِ محبت کو دیکھئے
مجھ سے گلے انھیں مری مہر و وفا کے ہیں

شوقؔ دیوانہ ہے اے حضرتِ ناصح بیشک
ہرزہ گوئی میں مگر آپ سے بہتر ہوگا

زہر کھاؤں کہ ہو سچ جھوٹ سب اسکا معلوم
شہر میں شہرہ ہے اس بت کی مسیحائی کا

نازش ہے اپنے حسن پہ جتنی کہ آپ کو
کچھ اس سے کم نہیں ہے غرورِ وفا مجھے

آجائے موت بھی تو یہ جانوں کہ وہ بھی آئے
بگڑیں یہ کچھ حواس مرے اضطراب میں

شوقؔ

لالہ روشن لال فن موسیقی اور ستار نوازی میں کمال رکھتے تھے

گردشِ چشم دکھا نا نہ گُل اندام کہیں　　ورنہ ٹوٹیں گے صراحی کہیں اور جام کہیں
عقدۂ دل نہ کھلا ناخنِ تدبیر کیساتھ　　آخرش کام پڑا پنجۂ تقدیر کے ساتھ

شوق

لالہ بھوگی لال

کہیں مرقد پہ آ نکلا بتِ پیماں شکن میرا　　گلے میں ہوگیا زنار ہر تارِ کفن میرا
کہیں وہ شوخ بھی آجائے لڑکوں میں تماشے کو　　مبارک جب مجھے اے شوق ہو دیوانہ پن میرا

شوق

رائے دولت رائے باشندہ لکھنؤ ولد رائے شیو سنگھ قوم کائستھ، شاگرد جناب میندڑو لال زار لکھنوی

یادِ دنداں میں رہی جانبِ اختر آنکھیں　　کیا کہوں بند ہوئیں رات نہ دم بھر آنکھیں
شوقِ دیدار سے ازبس کہ ہیں مضطر آنکھیں　　ہیں کبھی گھر کی طرف اور کبھی باہر آنکھیں
تھا ازبس پیشِ نظر اس رخِ روشن کا خیال　　ہم لڑاتے رہے خورشید سے دن بھر آنکھیں
نہیں معلوم ترے طالبِ دیدار کو آہ　　خواب کیا چیز ہے لگ جاتی ہیں کیونکر آنکھیں
دیکھ لے شوق ذرا گلشنِ عالم کی بہار　　بند ہو جائیں گی اک روز مقرر آنکھیں

شوق

بابو شند پرشاد ہیڈ کلرک محکمہ جنگلات ریاست ریواں

اداسی دیکھ لو دیوار و در کی　　لئے جاتے ہو رونق سارے گھر کی
نہ خواہش مال کی مجکو نہ زر کی　　ہوس ہے دل کو وصلِ سیمبر کی

شوق

حکیم لکھن لال ولد منشی دینا ناتھ باشندہ بریلی شاگرد جناب قیصر بریلوی و امیر مینائی لکھنوی، ابتدا میں آپ پٹواری تھے، بعد کو ملازمت ترک کرکے پیشہ طبابت اختیار کیا تھا، صاحبِ تلامذہ ہوئے ہیں، قریب ۱۹۱۳ء میں وفات کی،

ہمیشہ رہتے ہیں دل میں وہ میرے گھر کی طرح　　مگر کبھی بھی نہ آئے نظر نظر کی طرح

بیخودی ہو تو غم گردش ایام نہ ہو
یہ وہ عالم ہے جہاں صبح نہ ہو شام نہ ہو
ہے فضیلت مجھے اس زلف کے دیوانوں پر
جائے دستار رہے سر پہ ہیں زنجیر کے پیچ
بلا سے نالہ کرے دل مرا کہ آہ کرے
خدا کرے کہ وہ صنم پھر ادھر نگاہ کرے
ناتواں تھا عاشق ناکام بیدم ہو گیا
دیکھنا تیرا نگاہِ ناز سے سم ہو گیا
کہتے تھے تابِ دید نہیں آفتاب کو
ہے امتحان آج اٹھاؤ نقاب کو
یہ مانا کچھ نہیں حاصل فغاں سے
مگر دل دوسرا لاؤں کہاں سے

شوق

منشی شیو چرن لال کائستھ باشندہ قصبہ زید پور ضلع بارہ بنکی، آپ فیض آباد میں سرکاری ملازم تھے، درو پدی چرتر، وشال اجودھیا کے مصنف ہیں، قریب ۱۹۱۲ء میں وفات کی،

کرشن بھگتی

اے شوق کر سکے کوئی کیا شام کی ثنا
ممکن نہیں زبان و قلم سے جو ہو ادا
رکھتا ہے اپنے رحم سے احباب کی حیا
پیدا نہیں ہے اس کی نوازش کی انتہا
مجھکو اسی کے رحم پہ تکیہ مدام ہے
میرا تو دستگیر وہی ایک شام ہے

وہ مہرباں جو ہو تو کسی کا خطر نہیں
اعدائے روزگار سے کچھ اس کو ڈر نہیں
دریا ہے مستفید اسی کے نوال سے
خورشید جلوہ گر ہے اسی کے جلال سے

شوق

پنڈت جگموہن ناتھ رینہ کشمیری ولد پنڈت دیشیشور ناتھ رینہ مولد اندور ولادت ۱۸۶۲ء شاگرد جناب امیر مینائی لکھنوی، آپ ۱۸۹۰ء میں صوبہ متحدہ آگرہ و اودھ میں ڈپٹی کلکٹری کے عہدہ پر سرفراز ہوئے۔ شاعری کا شوق بے حد تھا، ادب کی ہزاروں کتابیں آپ کے کتب خانہ میں موجود تھیں،

"بہارِ گلشنِ کشمیر" کے مصنف ہوئے ہیں ،

حرم ناز کہاں اور سرِ نیاز کہاں ۔ کہاں کا سجدہ کسے ہوش ہے نماز کہاں
یہ مانا حسنِ حقیقت عیاں مجاز میں ہے ۔ مگر وہ جلوہ ہے اے چشم امتیاز کہاں
علاج کس کا کریگا یہ پوچھتا کیا ہے ۔ بتائیں کیا تجھے ہے درد چارہ ساز کہاں
علاوہ بیخودیِ شوق میں مزہ اے شوقؔ ۔ جنون و عشق میں باقی ہے امتیاز کہاں

اس آزادی سے کیا حاصل جو کھٹکے سب کی آنکھوں میں ۔ وہی کنجِ قفس ہو ہم ہوں اور ضبطِ فغاں پھر ہو
مجھے رہ رہ کے آتا ہے خیال اپنے نشیمن پر ۔ کہیں ایسا نہ ہو بجلی نصیبِ آشیاں پھر ہو

نظر ہے سوئے قاتل شوقِ بسمل دیکھتے جاؤ ۔ اِدھر آؤ ذرا اندازِ قاتل دیکھتے جاؤ
تمنّاؤں کو ملتے خاک میں تم نے نہیں دیکھا ۔ اِدھر آؤ مآلِ حسرتِ دل دیکھتے جاؤ

کب سے ہوں سر میں عشق کا سودا لیے ہوئے ۔ پھرتا ہوں اک ہجومِ تمنّا لیے ہوئے
دستِ جنوں نے سر پہ اٹھائی ہے کیا زمیں ۔ ہر نقشِ پا ہے منزلِ صحرا لیے ہوئے

کسی حیلے اجل نہیں ٹلتی ۔ کچھ بہانا نظر نہیں آتا
نقشِ ہستی مٹا رہا ہے کوئی ۔ یہ مٹانا نظر نہیں آتا
شوقؔ کس رنگ میں ہو تم ڈوبے ۔ کیا زمانا نظر نہیں آتا

شوق

پنڈت پرتھی ناتھ کشمیری خلف پنڈت نرنجن داس باشندہ الہ آباد ، ولادت ۱۸۸۳ء ،

اگر دل ضبط سے تنگ آ کے سرگرم فغاں پھر ہو ۔ زمیں بدلے نئی صورت وہ دورِ آسماں پھر ہو
نہ وہ بدلے نہ دل بدلا نہ دل کی آرزو بدلی ۔ تو کیونکر اعتبارِ انقلابِ آسماں پھر ہو

تڑپ نصیب ہوئی سوزشِ نہاں سے ہمیں | وفورِ غم میں تشفّی ملی فغاں سے ہمیں
یہ چار تنکے ہی بس کائنات ہے اپنی | قفس میں ڈال نہ صیّاد آشیاں سے ہمیں

چوٹی میں اس نے اپنی جو گوندھا ہے ہار کو | باندھا ہے پیچ زلف میں گویا بہار کو
مٹ کر بھی میں جہاں میں رہا صورتِ غبار | ارماں تھا دل سے اپنے نکالیں غبار کو

نظم "حُبِّ وطن" کے دو بند

ترا ہی نام زمانے میں سب سے پیارا ہے | تو دل کا نور ہے آنکھوں کا میری تارا ہے
کوئی ملا نہ زمانے کو چھان مارا ہے | جسے یہ کہہ سکیں ہم تیرے تو ہمارا ہے

جہاں میں جن کی ریاضت وطن پرستی ہے
انہی کی زندگی ہے اور انہی کی ہستی ہے

دفا سے شوق جو دل بے قرار ہو جائے | تو جلد ختم جدا انتظار ہو جائے
ہراس کیا ہے جو وہ جاں نثار ہو جائے | وطن کا ڈوبتا بیڑا بھی پار ہو جائے

جہاں میں کام وہ کر جاؤ آن رہ جائے
جو مٹ بھی جاؤ تو مٹنے کی شان رہ جائے

شوق

منشی جگناتھ پرشاد کائستھ باشندہ دہلی، شاگرد جناب آغا شاعر دہلوی

آپ کا دیوان موسوم بہ "آئینۂ شوق" ۱۹۱۱ء میں شائع ہو چکا ہے،

ہم کو معلوم ہوا دل میں ہے تصویرِ عدو | نیچی نظریں کریں سر نہ جھکائیں کیونکر
دم میں دم آئے ذرا چین ملے دل ٹھہرے | قصّۂ دردِ شبِ ہجر سنائیں کیونکر

کبھی گلہ کبھی پیغام ہے صفائی کا | عجیب ڈھنگ نکالا ہے دلربائی کا
بھرے جو کان رقیبوں نے ہو گئے بدظن | یقین کرنے لگے اب سنی سنائی کا

ہماری سی کر ڈیا لی اٹھائے تو جانیں | مری جان یہ حوصلہ ہے کسی کا
ذرا دل سے اے شوق ہشیار رہنا | کہ آنکھوں میں دم آچلا ہے کسی کا

چلے ہو غیر کی باتوں میں آکر | دغا دیگا تمہیں الفت جتا کر
نہیں طرفِ حرم تو بتکدہ چل | کوئی تو کام اے مردِ خدا کر

شوق

بابو شری کرشن چندر ایم. اے. ایل. ایل. بی خلف ماسٹر مرلی دھر قوم کائستھ باشندہ ہردوئی، پیشہ وکالت ۱۹۲۸ء میں عالم جوانی میں انتقال کیا،

تمہاری ذات فخرِ نازِ ہستی ہے گرونانک | تمہاری یاد یادِ حق پرستی ہے گرونانک
صفائے قلب جو دنیا میں ڈھونڈے سے نہیں ملتی | ترے بازارِ عرفاں میں وہ سستی ہے گرونانک
سحابِ قدس بیشک ذات تھی تیری حقیقت میں | تری تصویر سے رحمت برستی ہے گرونانک
گلِ مضموں چڑھانا چاہتا ہے شوق قدموں پر | جو سچ پوچھو اسکی پیرہ دستی ہے گرونانک

اس کا اندازِ جفا روز نیا ہوتا ہے | پیار کرتے ہیں اگر ہم تو خفا ہوتا ہے
سرنگوں ہے یہ فلک پھر بھی ہے سرکش کتنا | اس کا ہر دور بہ اندازِ جفا ہوتا ہے
جور پر جور جفاؤں پہ جفائیں جھیلیں | دیکھیں وہ شوخ بھی پابندِ وفا ہوتا ہے

شوق

رائے ٹھاکر پرشاد کھتری باشندہ حیدرآباد، آپ مہاراجہ سرکشن پرشاد کے عزیزوں میں تھے، رسالہ "آصفی" جو مہاراجہ صاحب کی ادارت میں نکلتا تھا، اس کے مہتمم رہ چکے ہیں

جب کہا میں نے کہ مرتا ہوں تو بولے ہنسکر | کہیں منہ سے بھی کہا کرتے ہیں مرنے والے
حسن اور عشق کا جھگڑا نہ مٹا ہے اب تک | ہار کر بیٹھ رہے فیصلہ کرنے والے
بیکسی رو کے جنازے پہ مرے کہتی ہے | چھوڑ کر مجکو کہاں جاتا ہے مرنے والے

شہرت

منشی ہیرالال ڈپٹی کلکٹر دیوان ریاست الور خلف منشی ایدل رائے دیش ساہوکار باشندہ بلند شہر، شاگرد جناب پرمیسری سہائے مسرور،

رہے دیر و حرم میں جس کے جویا رات دن شہرت — وہ نکلا دل کے پہلو میں کہاں ڈھونڈا کہاں پایا
نہ کر محرومیٔ دیدار کا شکوہ تو اے زاہد — پڑا ہے پردہ آنکھوں پر تری زعم عبادت کا
آبِ خنجر کی لگائی ہے ستمگر نے سبیل — دہنِ زخمِ جگر کو لبِ ساحل سمجھا
چھپتے اگر وہ ہم سے تو چھپتا نہ رازِ عشق — پردہ رہا اسی میں کہ پردہ نہیں رہا
ہوا معلوم چھٹنا عمر بھر بندِ تعلق سے — غمِ دنیا سے گر چھوٹے غمِ عقبیٰ نکل آیا
ہوا اچھا سمجھ کر اپنے دل میں ہم چلے آئے — نہ تھا بدمستیٔ ساقی سے رنگِ انجمن اچھا
اک سرسری نگاہ سے ہوا کام ہی تمام — یہ تیرِ نیم کش بھی بڑا کارگر ہوا

شیام

منشی پربھو دیال عرف شیام بابو خلف ماسٹر شنکر دیال عاشق باشندہ اکبرآباد (آگرہ) ولادت ۱۸۹۶ء، شاگرد جناب سید نثار علی شاہ نثار

کیونکر چھپے کسی سے حقیقت کا ماجرا — کثرت سے ہے عیاں تری وحدت کا ماجرا
سوزِ فراق دردِ دل منتا غمِ فراق — پوچھو نہ مجھ غریب سے غربت کا ماجرا
یہ کہہ کے میری شمعِ لحد ہو گئی خموش — ناگفتنی ہے صاحبِ تربت کا ماجرا

کوئی اتنا تو کرے سوزِ محبت پیدا — شمع نے آگ لگا رکھی ہے پروانوں میں

شیدا

منشی گوپال کرشن باشندہ سہارنپور۔ شاگرد جناب کلبِ حسین خاں نادر

جستجو سے جہاں میں کیا نہ ملا — مثلِ عنقا پر آشنا نہ ملا
دیکھی دریا دلی تری ساقی — ہم کو قطرہ شراب کا نہ ملا

تین کانے کے سوا آیا نہ اسکا کوئی داؤ — اپنے پو بارہ پڑے تو غیر ششدر رہ گیا
نظّارے سے مت منع کرو چشم کو اپنی — کم ہوتی ہے پرہیز سے بیمار کی طاقت

شیدا

منشی گور پرشاد ولد منشی بالا پرشاد پیشکار شاگرد جناب ضیغم

ساقیا جھوم کے آج آیا ہے پھر ابر بہار — صدقہ میخانہ کا دے ڈال کوئی خم مجکو

شیدا

پنڈت شیو ناتھ رئیس جاوَرا برادر جناب عاشق جاوَرا۔ شاگرد جناب نظام

ہے خریداروں کا مجمع ترے در پر دن رات — تو وہ یوسف ہے تجھے حاجتِ بازار نہیں
قبر سے نکلوں گریبانِ کفن کو کرکے چاک — بعد مردن پاؤں آہٹ گر تری رفتار کی

شیدا

چودھری بابو رام کائستھ خلف چودھری لال بہاری زمیندار باشندہ قصبہ مچھریٹہ ضلع سیتاپور، شاگرد جناب ظہور، ولادت ۱۸۵۰ء فارسی زبان میں فارغ التحصیل تھے کلام صوفیانہ کہتے تھے، آپ کے فرزند چودھری رام سروپ بھی شاعر تھے اور ضبط تخلص رکھتے تھے، ۱۹۲۶ء میں وفات کی،

نظم

جب وہ پردہ رخ انور سے اٹھا دیتے ہیں — جلوۂ طور سرِ بام دکھا دیتے ہیں
ہجر میں ابر کی صورت جو رُلا دیتے ہیں — وصل میں برق کی مانند ہنسا دیتے ہیں

بگڑی حالت کا بنانا انھیں دشوار نہیں
مجکو جز ان کی مدد غیر کی درکار نہیں

کیا کروں سیرِ چمن کیا گلِ خنداں دیکھوں — بوئے گل سونگھوں میں کیا رنگِ گلستاں دیکھوں
چشمِ مشتاق سے کیا روئے حسیناں دیکھوں — کس لئے مصر میں جاکر مہِ کنعاں دیکھوں

کوئی جز اس کے نہیں ہے مجھے منظورِ نظر
حسن و خوبی میں نہیں دیکھا کوئی اس سے بہتر

اس کا دیوانہ ہوں دیوانۂ دنیا میں نہیں — حسنِ فانی کے لئے محوِ تماشہ میں نہیں
کنجِ وحدت سے نکل کر کہیں جاتا میں نہیں — دشت پیمائی کا دلدادہ و شیدا میں نہیں

جس کو آزاد کیا اس نے وہ کب ہوگا اسیر
لوگ کرتے ہیں مری قید کی ناحق تدبیر

فصلِ گل آئی بڑھے کاش مرا جوشِ جنوں — اس قدر آبلہ پائی سے مرے ٹپکے خوں
دامنِ دشت کو ہمرنگِ گلستاں کر دوں — عمر بھر باغ میں جانے کا کبھی نام نہ لوں

روکشِ گل ہوں ترا بلبلِ شیدا ہوں میں
رخِ رنگیں کا ترے محوِ تماشا ہوں میں

کس نے پردہ سے رخِ روشن نمایاں کر دیا — ذرۂ خاکِ زمیں کو ہمسرِ تاباں کر دیا
یکساں ہیں مجھے گلشنِ توحید میں دونوں — گل دوست اگر ہوگا عدو خار نہ ہوگا
تو بے نیاز ہے ترے سب ہیں نیازمند — اس ناز اس ادا کا کوئی نازنیں نہیں
کیوں کعبہ و کنشت میں ہوتا ہے تو خراب — جس کی تجھے تلاش ہے ظالم یہیں نہ ہو
عجب کیا ہے صنم گر پتلیاں آنکھوں کی بول اٹھیں — تو وہ رشکِ مسیحا ہے کہ ہے اعجاز آنکھوں میں

شیدا

منشی گورچرن لال خلف منشی گومتی پرشاد قوم سریواستو باشندہ بنی نگر پرگنہ لاہرپور ضلع سیتاپور ولادت ۱۸۹۵ء تلمیذ منشی نوروز علی عاشق سیتاپوری پیشہ معلمی، صاحبِ تلامذۂ کثیرہ ہوئے ہیں،

تقسیم کی دوئی یہ مجھے ناپسند ہے — توبہ کا در کھلا درِ میخانہ بند ہے
سعی بیکار ہے اے تند ہوائے محشر — دیکھ تو کس کا چراغِ تہِ داماں ہوں میں
اب کہاں جائیں ٹھکانہ بھی کہیں ہے انکا — میرے مرنے پہ نہ ماتم کریں ارماں کیونکر

شیدا

منشی پنّو لال باشندہ فرخ آباد۔ شاگرد جناب شائق فریدآبادی

کچھ نہ کچھ صدمۂ دلِ غم جان کو لے آتا ہے — یار کی بزم سے کوئی نہیں پھرتا خالی
ہم جدھر دیکھتے ہیں آنکھ اٹھا کر شیدا — اچھے لوگوں سے نظر آتی ہے دنیا خالی

بارِ عصیاں تھا گراں مجھ سے اٹھایا نہ گیا — داورِ حشر کو منھ اس سے دکھایا نہ گیا
ایسا پُر درد تھا قصۂ شبِ فرقت کا مری — وہ اسے سن نہ سکے مجھ سے سنایا نہ گیا

شیدا

منشی چندی پرشاد کائستھ خلف منشی رام جیداس باشندہ دہلی ولادت ۱۸۷۸ء شاگرد جناب مولانا عبدالرحمٰن راسخ دہلوی، آپ کے بزرگ بادشاہ اکبر کے زمانہ میں قصبہ جاج مؤ ضلع کانپور سے آکر دہلی میں آباد ہو گئے تھے اور دربارِ اکبری میں بعہدہ میر منشی شاہی ممتاز ہوئے، آپ عربی اور فارسی کے عالم جیّد تھے، دادا اور والد بھی شاعر تھے اور شوق و حقیر تخلص رکھتے تھے، آپ رسالہ "کمال" دہلی کے ایڈیٹر رہ چکے ہیں، سید نواب حسین صغیر ہنسوی، صدیق حسین صدیق، حکیم مدن لال مدن، بابو چھتر ل شمیم بھرت پوری آپکے نامی شاگردوں میں تھے،

بہار بسنت کے چند بند

ہنگامۂ ہستی ہے کیا جوشِ مسرت میں — وہ جلوہ ہے عکس افگن آئینۂ فطرت میں
قدرت کے مرقعے ہیں رنگینیِ فطرت میں — ایک کیف ہے مستی کا ہر غنچہ کی نکہت میں
لطفِ اثرِ صہبا سبزے کی لہک میں ہے
اندازِ عروسانہ پھولوں کی مہک میں ہے

رنگینیٔ فرحت زا معمور فضا میں ہے — اک نشہ کی کیفیت جنگل کی ہوا میں ہے
فردوس کا کل نقشہ ذرّوں کی قبا میں ہے — ہر سمت جو منظر ہے حوروں کی ادا میں ہے
طاؤس خراماں ہیں یا رقص بگولوں کے
کانٹے بھی بیاباں کے سب دستے ہیں پھولوں کے

پیغام مسرت کا لیکر ہے بہار آئی — اب جھومتی آنکھیں ہیں اب مست ہے بینائی
ہر پھول ہے گلشن کا اک ساغرِ صہبائی — مشتاق کے دل سے ہے اب دور شکیبائی

گلگوں جو حسینوں سے اس دور میں چھنتی ہے
افزوں نہ ہو کیوں صحبت موسم یہ بسنتی ہے

پردے میں حقیقت کے یہ حسنِ مجاز آیا — ہر ذرہ پکارا اٹھا وہ محرمِ راز آیا
پھر برق صفت جلوہ باسوز و گداز آیا — پھر کن کے ترانے کا بجتا ہوا ساز آیا

پھر روح نئی آئی ہر پیکرِ گلشن میں
پھر پھول نئے پھولے صحرا کے بھی دامن میں

ہم بھی آئینہ ہیں آئینۂ حیرت کے سوا — خود تماشہ ہیں تماشائے حقیقت کے سوا
لاکھ ارمانوں میں ہے ایک خیالِ جاناں — نظر آتا نہیں کچھ وحدت و کثرت کے سوا

ترے دہن کا معمہ کب انتخاب نہیں — یہ وہ سوال ہے جس کا کوئی جواب نہیں
ہر ایک ذرہ سے ہے رمزِ معرفت پیدا — یہ کون کہتا ہے دنیا کھلی کتاب نہیں

یہ بھی ہیں شاید شرابِ معرفت کے تشنہ کام — حضرتِ شیدا کا کل کچھ ذکر میخانہ میں تھا
ہوش آ گیا تو آپ تھے غائب نگاہ سے — آپ آ گئے تو پھر سر دیا کا نہ ہوش تھا
آج خورشیدِ قیامت کے چھٹیں گے چھکّے — جل کے فرقت میں شرارِ دلِ سوزاں نکلا
طالبِ دیدار سے بھی لن ترانی کیا ضرور — برق کے پردہ میں یہ کیا نازِ معشوقانہ تھا
دکھائی رحمتِ باری نے شانِ غفاری — جہان بھر میں نہ کوئی گناہگار رہا

شیدا

منشی ایشری پرشاد کائستھ ولد منشی لیکھراج باشندہ بہیڑی ضلع بریلی
ولادت ۱۸۶۷ء پیشہ معلمی، شاگرد جناب سوزنؔ ،

تصوّر میں درِ جاناں پہ پہونچا لامکاں ہوکر — ہوا جلوہ فگن دل میں نہ آنکھوں سے نہاں ہوکر
جنوں ہمکو بتائے اور کوئی شغل وحشت کا — گریباں اڑ چکا سارا ہمارا دھجیاں ہوکر

شیدا

منشی گور چرن لال کائستھ ولد منشی گومتی پرشاد وطن نبی نگر پرگنہ لاہل پور ضلع سیتاپور ولادت ۱۸۹۵ء شاگرد جناب میر نور وزعلی عاشق سیتاپوری،

رند وہ رند کہ خم پینے سے بھی عار نہ ہو — مست وہ مست کہ تا حشر جو ہشیار نہ ہو
کون وہ دل ہے جو صرفِ غم دلدار نہ ہو — وہ مکاں کون ہے جو جلوہ گہہِ یار نہ ہو
اک نہ اک روز تمہیں دیکھ ہی لیں گے شیدا — پردہ جب ہے کہ قیامت میں بھی دیدار نہ ہو

پھر بہار آئی ہے پھر جوشِ جنوں بڑھتا ہے — چارہ گر ہوں گے رفو چاکِ گریباں کیونکر
اب کہاں جائیں ٹھکانا بھی کہیں ہے ان کا — میرے مرنے پہ نہ ماتم کریں ارماں کیونکر

سمجھیں نہ آپ اس کو مرے دل کا آبلہ — سو حسرتیں ہیں دفن ذرا سے مزار میں

شیدا

ٹھاکر بھیروں سنگھ جھالا مصاحب سرکار بھلوہ

جفا کر کے کہتے ہیں خاموش رہنا — کہ نالے ترے ہم کو رسوا کریں گے
کہا رحم کیجئے تو بولے یہ ہنس کر — کہ پھر آپ الفت کا دعویٰ کریں گے

شیدا

دیوان کشن گوپال صاحب رئیس و تحصیلدار باشندہ وزیر آباد ضلع گوجرانوالہ

دیکھ لیں گے زہد و تقویٰ حضرتِ زاہد کا ہم — ہوگیا گر اس بتِ کافر ادا کا سامنا
کچھ نہ نکلا منہ سے شیدا لن ترانی دیکھ لی — ہوگیا جب اس بتِ کافر ادا کا سامنا

یہ لطف و مدارات بلا وجہ نہیں ہیں — وہ ظلم میں تازہ کوئی ایجاد کریں گے

لب تشنہ چلے ایک ہمیں بیٹھ گئے پہروں — ساقی ترے میخانہ کو کیا یاد کریں گے

شیدا

منشی بہاری لال باشندہ مین پوری، شاگرد رشید جناب طاہر

وہ جگہ کونسی ہے جس میں نہیں اسکا گذر — مسجدوں میں وہی جلوہ وہی بتخانے میں
محتسب کی حکومت نہ یہاں قاضی کی — دَور دَورا مرے ساقی کا ہے میخانے میں

بیقراری سے ہے کیفیتِ رقصِ بسمل — دیکھ لو سیر کہ مقتل میں تماشا ہوں میں
میری آنکھوں سے غمِ ہجر میں بہتے ہیں اشک — اپنی تقدیر کے لکھے کو مٹاتا ہوں میں

یہی گلہ ہے کہ خط گیا، نہ آئی ہچکی تک — کیا نہ یاد کبھی بھولے سے تم نے جا کے مجھے
خطا کسی کی ہو کوئی ہو موردِ الزام — بتوں نے طعنے دیئے آہ نارسا کے مجھے

اثر کیسا الٰہی آہِ سوزاں نے دکھایا ہے — کہ میرا جی جلایا ہے بتوں کا دل دکھایا ہے
دعا وردِ زباں ہے وصل کی مسجد میں بیٹھا ہوں — خدا سے لَو لگائی ہے بتوں سے دل لگایا ہے

ہر اک حسین کا نہ شیدا ہو کہدو شیدا سے — جو قدر دل کی کرے اس کو دلربا سمجھے
ساقی نے ذرا پھیر لیں آنکھیں تو یہ سمجھے — لبریز ہوا عمر کا پیمانہ ہمارا
عاشق کو نہ کر وقتل کہ پچھتاؤ گے — قدرِ اربابِ وفا بعدِ فنا ہوتی ہے

شیدا

پنڈت کاشی ناتھ باشندہ دہلی شاگرد شاہزادہ میرزا قیصر بخت فروغ
آپ محکمہ پولس میں انسپکٹر تھے،

کرے نگاہ دمِ ذبح وہ مرے سر پر — حباب جس نے نہ دیکھا ہو آبِ خنجر پر
نظر کی طرح تمہاری بھی آمد و شد ہو — ہماری آنکھ کا پردا اگر پڑے در پر

رگِ گلو سے مرے خون کی جو نکلے دھار
رکھ اس کو او ستم آرا تو اپنے خنجر پر
سبک ہوں پھول کی صورت نگاہِ عالم میں
الٰہی میں بھی جگہ پاؤں ان کے بستر پر

شیدا

بابو رام رچھپال سنگھ کھتری باشندہ دہلی، آپ کو نثر اور نظم دونوں میں کمال حاصل تھا، ابتدا میں دو چار غزلیں منشی بہاری لال مشتاق کو دکھلائیں، پھر کسی سے اصلاح نہیں لی، ۱۸۸۶ء میں آپ نے ایک رسالہ دہلی سے "اخبار دوست" جاری کیا جو آب و تاب سے نکلا، یہ دور اخبارات کا ابتدائی دور تھا، کچھ روز بعد یہ پرچہ بند ہوگیا، ۱۸۹۵ء میں اخبار "سول اینڈ ملٹری نیوز" لدھیانہ کے ایڈیٹر مقرر ہوگئے، اس کے بعد آپ لاہور چلے گئے اور اخبار "کیسری" اور "ہندوستان" کے ایڈیٹر رہے، بعد ازاں "اودھ" اخبار لکھنؤ کے ایڈیٹوریل اسٹاف میں ملازم ہوگئے مگر پنجاب کی محبت نے انھیں زیادہ دنوں لکھنؤ میں نہیں رہنے دیا اور پھر لاہور کو اپنا مسکن بنا لیا۔

قیامت ڈھائیں گے رفتار سے اصلا نہ مانیں گے
وہ جب تک حشر ہی برپا نہ ہو لیگا نہ مانیں گے
اگر وہ صاف باطن ہیں اگر وہ دل کے اچھے ہیں
بُرا ہرگز ہماری صاف باتوں کا نہ مانیں گے
بجز عشقِ بتاں عشقِ خدا ہم مان لیں کیونکر
اگر ہم مان بھی لیں حضرتِ شیدا نہ مانیں گے

کٹتے ہی سر کے ملکِ عدم کو پہونچ گئے
یہ سچ کہا کسی نے کہ سر بارِ دوش ہے
کیا زلف میں پتہ دلِ خانہ خراب کا
بیچاری زلف آپ ہی خانہ بدوش ہے
دل بھن رہا ہے خونِ جگر پی رہا ہوں میں
سرگرم ایک انجمنِ نادُ نوش ہے

دیکھا عدو کو اس نے تو بسمل کیا مجھے
کیا بات میرے شوخ کی ترچھی نظر کی ہے
آہِ شرر فشاں نے جگر تک جلا دیا
اے دل ہوس ابھی تجھے باقی اثر کی ہے
کس کی نگاہ پھر گئی آنکھوں کے سامنے
پاؤں کی سدھ ہے اب نہ خبر مجھکو سر کی ہے

بہارِ حسنِ بتِ گلعذار دیکھیں گے
ہم آج صنعتِ پروردگار دیکھیں گے
ہماری آنکھوں سے دیکھیں اگر دوئی والے
تو ایک سمجھیں گے گردش ہزار دیکھیں گے
ہم اپنے جذبۂ دل کو بھی آزماتے ہیں
کہ کس طرح نہیں آتا ہے یار دیکھیں گے

یہ سر وبالِ دوش ہے اور جاں عذاب ہے
قاتل لگا نہ دیر کہ کارِ ثواب ہے
شیدا وطن میں چین نہ غربت میں منزلت
اے ننگِ خانماں تری مٹی خراب ہے

شیدا

ٹھاکر گجادھر پرشاد رئیس و زمیندار کجولیا ضلع سیتاپور

بروزِ حشر تمہیں دور ہی سے دیکھ کے ہم
پکار اٹھیں گے کہ دیکھو وہ فتنہ جو آئے
لئے ہوئے کئی بیٹھے ہیں بوتلیں شیدا
کہو کہ شیخ نہ اسوقت رو برو آئے

شیدا

پنڈت گنگا پرشاد باشندہ رامپور شاگرد جناب تسلیم لکھنوی

وہ گئے غیر کے گھر مجھ سے بگڑ کر دیکھو
یوں بگڑ جاتا ہے دم بھر میں مقدر دیکھو
رقصِ بسمل کی ذرا سیر گھڑی بھر دیکھو
تیغ کھینچی ہے تو اک ہاتھ لگا کر دیکھو
کیسے ارمان سے میں دیکھ رہا ہوں تم کو
میری جانب تو ذرا آنکھ اٹھا کر دیکھو
پھر اسی طرح نکالو مرے دل کی حسرت
پھر مجھے تم اسی انداز سے ہنسکر دیکھو
کیا کہوں تم سے مزہ عشق میں کیا ہے ناصح
تم بھی دل اپنا کسی بت سے لگا کر دیکھو
حال ابتر ہے بہت ہجر میں میرا شیدا
دیکھنے اب بھی نہ آیا وہ ستمگر دیکھو

گھیرے ہوئے ہو چارہ گر و مجھ کو کس لئے
کیا دیکھتے ہو کوئی تماشا نہیں ہوں میں
میری وفا کی ایک زمانے میں دھوم ہے
نزدیک آپ کے مگر اچھا نہیں ہوں میں
میں نے کہا، نہ میرے ہوئے تم نہ غیر کے
بولے، کہ تم کو کیا جو کسی کا نہیں ہوں میں

پونچھتے ہیں اپنے دامن سے وہ اشک — آنسوؤں کی یہ روانی اور ہے
عمر جاتی ہے نظر آتی نہیں — اپنی کشتی کی روانی اور ہے
قتل ہو کر زندۂ جاوید ہیں — یہ ہماری زندگانی اور ہے

شیدا

پنڈت مادھورام ساکن سہارنپور

اے تیغِ نا امیدی زخمی نہ کر مرا دل — امیدِ وصلِ جاناں مہمان ہے یہیں پر

شیفتہ

بابو سوہن لال صاحب آپ علیگڈھ میں ڈپٹی کلکٹر رہ چکے ہیں

دل دیکھے یوں نہ رنج محبت میں چاہیئے — کچھ شکر کی جگہ بھی شکایت میں چاہیئے
ساقی وہی نگاہ وہی آنکھ پھر رہے — اک جام اور مجکو مروّت میں چاہیئے
اے شیفتہ نہ آپ بگاڑیں رقیب سے — دشمن سے دوستی بھی ضرورت میں چاہیئے

دل کہاں سے کہاں کو جا نکلا — تم تو تم وہ بھی بے وفا نکلا
ہاتھ قاتل کا جب پڑا بھرپور — زخم کے منہ سے مرحبا نکلا
غیر کے ساتھ اور یہ رسوائی — نام یہ آپ کا بُرا نکلا
شرم کیا کیا نہ تھی گناہوں سے — درِ توبہ مگر کھلا نکلا

(ص)

صابر

اکھوری شیتل پرشاد کائستھ خلف اکھوری لچھمن سہائے باشندہ مگدھ ضلع گیا

ولادت ۱۸۶۲ء صاحبِ دیوان ہوئے ہیں،

گردشِ چرخ سے گھبراتا ہے کیوں دل میرا — شاید اس پردہ میں پنہاں کوئی حکمت ہوگی
بڑھنے لگا تعظیم کو ہر خارِ مغیلاں — دیکھا جو کہیں دشت میں مجھ آبلہ پا کو

صابر

لالہ بھولا ناتھ صاحب باشندہ کنجاہ صوبہ گجرات شاگرد جناب قدسی

چمکا ہے داغ دھوکے نہ چھوٹے گا حشر تک — لایا ہے رنگ خون شہیداں نئے نئے
سر کاٹ کر کیا ہے سبکدوش یار نے — کرتا ہے مجھ غریب پہ احساں نئے نئے
محتاج وحشت اپنی نہیں ہے بہار کی — ہوتے ہیں روز چاک گریباں نئے نئے

صابر

پنڈت بشمبر ناتھ سپرد خلف رائے اجودھیا پرشاد اسسٹنٹ کمشنر صوبہ اودھ آپ مدت تک اضلاع اودھ میں منصرم رہے۔ پنڈت تربھون ناتھ ہجر آپ کے فرزند تھے، آپ زیادہ تر نظم کہتے تھے،

رامائن کے چند شعر "تقریر سیتا جی"

یہ کہتے کیا ہو یہ تقریر کیا ہے — تمہارے خواب کی تعبیر کیا ہے
نہیں کھلتا ہمیں یہ نالۂ زار — تمہارے راز کی تفسیر کیا ہے
کوئی پوچھے جو ہم سے اپنی تدبیر — بتائیں ہم اسے تدبیر کیا ہے
جو ہیں تقدیر پہ شاکر وہی لوگ — سمجھتے خواب ہیں تقدیر کیا ہے

رامچندر جی کا سیتا کو خطرات صحرا سے آگاہ کرنا

سن اے سیتا سن اے میری پیاری — کہ آئی ہے مرے کہنے کی باری
یہ تیری آرزو اور یہ تمنا — کہ تو مسکن کرے صحرا کو اپنا
یہ بے سود اور نادانی کی تجویز — یہ نافہمی کی کم سمجھی کی تجویز
ہراس و یاس ہے سامان صحرا — مصیبت کا ہے گھر دامان صحرا
غم و اندوہ سے صحرا بھرا ہے — نہیں صحرا ترے رہنے کی جا ہے
کہاں تو اور کہاں وہ دشت ادبار — کہاں تو اور کہاں دامان کہسار

صاحب

منشی صاحب رائے کائستھ باشندہ لکھنؤ۔ آپ نواب آصف الدولہ کے عہد کے شاعر تھے، تاریخ گوئی میں کمال رکھتے تھے۔ ایک روز نواب آصف الدولہ بہادر عیش باغ کے پھاٹک سے گذر رہے تھے، صاحب رائے بھی ہمراہ تھے، دیکھا کہ پھاٹک پر جو مٹی کا شیر بنا ہوا ہے اس کے منہ میں ایک طوطے نے اپنا گھر بنایا ہوا ہے، نواب صاحب نے صاحب رائے کی طرف مسکرا کر دیکھا تو صاحب رائے نے عرض کیا

قربان شہ کے صدقے کیا عدل کا نشاں ہے ۔۔۔ کہ شیر کے دہاں میں طوطے کا آشیاں ہے

کرچکا مجھ کو نہایت عشق کا آزار زار ۔۔۔ سانس بھی لینا ہوا ہے اب مجھے ہر بار بار
عشق وہ شے ہے کہ رسوائی سے کرتا ہے فنا ۔۔۔ آہ پائے اس طرح منصور سا سردار دار

صادق

لالہ دوارکا پرشاد خلف کنور بہادر وکیل عدالت دیوانی فرخ آباد

جسم حیراں ہے جاں کو سکتا ہے ۔۔۔ کون اس بت کو دیکھ سکتا ہے
اپنے بسمل کو دیکھ او قاتل ۔۔۔ وہ تڑپتا نہیں سسکتا ہے
چشم کو کب کھلی ہے کیوں یارب ۔۔۔ آسماں کس کی راہ تکتا ہے
صادق اس سے نہ دون کی لینا ۔۔۔ وہ بھی سچ بولنے میں یکتا ہے

صادق

اکھوری پربھو نرائن مختار باشندہ رانچی

کہتے ہیں وصل ہوگا محشر میں ۔۔۔ ہم گنے جاؤ دن قیامت کے

صادق

پنڈت دیبی پرشاد ولد پنڈت کشن لال باشندہ بریلی ولادت ۱۸۲۴ء شاگرد جناب جلیس و منیر شکوہ آبادی، قوی ہیکل اور زور آور آدمی تھے، لالہ مادھو رام جوہر اور کلب حسین خاں نادر سے بھی کبھی کبھی اصلاح لے لیتے تھے۔ ۱۹۲۱ء میں بعمر

۹۷ سال وفات کی،

کہیو میرا یہ پیام اس مہ کنعانی سے
کھینچ کھینچوا کے مجھے اپنی شبیہ مانی سے

خوف دوزخ کا نہیں اور نہ جنت کی ہوس
ہم غرض رکھتے ہیں اس صورت نورانی سے

ذہن تنگ کی توصیف کمر کی تعریف
ہو نہیں سکتی ہے حیران ہوں حیرانی سے

کیوں نہ برسات میں ہو سبز دوپٹے کی بہار
رنگ بہتر نہیں دنیا میں کوئی دھانی سے

کیا عجب ہے جو عنایت سے خدا کی صادق
بڑھ کے ہو میری غزل سعدی و خاقانی سے

خوش طینتی سے اے دل ہوتا ہے نام سب کا
نافہ سے اپنے آہو مشہور ہے ختن میں

سخت دل سوز سے خالی نہیں ہوتے صادق
دیکھ پتھر کے بھی سینہ میں شرر ہوتا ہے

صادق

بابو چھجو سنگھ بی۔ اے باشندہ بلند شہر ولادت ۱۸۹۲ء پیشہ وکالت

نہ لے ساتھ اپنے گناہوں کا توشہ
عدم کے مسافر سفر کرنے والے

غم و رنج و اندوہ و حرماں فقط ہیں
تسلی تری ہر زماں کرنے والے

کیا اعتبار ہستی ناپائیدار کا
اک کھیل ہے کہ دم میں بنا اور بگڑ گیا

ظالم نے دشمنی سے مجھے یاد جب کیا
ہچکی ہی لیتے لیتے مرا دم اکھڑ گیا

اس نے خنجر جو پئے قتل اٹھانا چاہا
ہم تو ہم غیر نے گردن کو جھکانا چاہا

صادق

لالہ بہت رام صاحب آپ بریلی میں قانون گو تھے

میرے دل حزیں کو تم افگار کر چلے
لے واہ وا میاں یہ بھلا پیار کر چلے

دل کے تئیں تو کہتے ہیں سب خانۂ خدا
تم خانۂ خدا کو بھی مسمار کر چلے

ہے زلف و رخ کا اس کے ہر دم مجھے تصور
کس طرح خوش نہ گذرے لیل و نہار میرا

صبا

لالہ کانجی مل باشندہ فرخ آباد مقیم لکھنؤ، شاگرد جناب مصحفی، صاحبِ دیوان ہوئے ہیں، جوانی میں انتقال کیا،

چلے دامن اٹھا کر یہ کہو اس شوخ قاتل سے ۔۔۔ کہ یہ مدفن نظر آتا ہے رنگیں خونِ بسمل سے
صبا ہم نے تو ہرگز کچھ نہ دیکھا جذبِ الفت میں ۔۔۔ غلط یہ بات کہتے ہیں کہ دل کو راہ ہے دل سے

مصوّر جبکہ زلفِ یار کی تصویر کھینچے ہے ۔۔۔ تو ہاتھ اپنا وہ دہشت سے درِ تحریر کھینچے ہے
مجھے آتا ہے تجھ پر رحم اس قاتل کے کوچہ میں ۔۔۔ لئے جاتا ہے نامہ آج تو لے نامہ بر کس کا
مجلس سے اٹھ کے جب وہ رشکِ قمر گیا ہے ۔۔۔ اپنا تو روتے روتے نورِ نظر گیا ہے
افسوس وہ آرام عدم میں بھی نہ پایا ۔۔۔ جس کے لئے دنیا سے سفر ہم نے کیا ہے

صبا

مرزا راجہ شنکر ناتھ بہادر پیشکار نظامت شاہی دہلی، خلف مرزا راجہ رام ناتھ بہادر شاگرد جناب سعادت یار خاں رنگین،

کیا پوچھتے ہو جور و ستم مجھ سے یار کا ۔۔۔ دیکھو نہ حال میرے دلِ بے قرار کا
دل جب اس کی نگاہِ مست کا مخمور ہوا ۔۔۔ ہر خوشہ کیفیتِ بادۂ انگور ہوا
ہوں میں صدقے ترے بہلانے کے ۔۔۔ زور ڈھب یاد ہیں نہ آنے کے

صبا

منشی رائے کنور رئیس باشندہ صاحب گنج

کیونکر ہو دید ہم کو رُخِ لاجواب کی ۔۔۔ سو باریاں جھپک گئی آنکھ آفتاب کی
منھ تک رہے ہیں ہم نہیں بنتا کوئی جواب ۔۔۔ کیا بات ہے مرے سخنِ لاجواب کی

صبا

منشی چند بہاری لال کائستھ خلف منشی گوبند نرائن باشندہ جے پور، ولادت ۱۸۸۵ء شاگرد و جانشین میرزا محمد تقی بیگ مائل دہلوی، آپکے بزرگوں کا وطن

نارنول اور کوٹ پتلی رہا، اس کے بعد ریاست جے پور میں سکونت اختیار کر لی آپ کے بزرگ سلطنتِ مغلیہ میں معزز عہدوں پر ممتاز رہے، والد منشی گوبند نرائن صاحب فارسی کے بڑے عالم تھے، اور ان کی تصنیف "انشار گوبند نرائن" فارسی زبان میں طبع ہو کر راجپوتانہ میں کافی شہرت حاصل کر چکی ہے

وہ نگاہیں کیا پھریں ہم سے زمانہ پھر گیا
آہ، جیسی چیز کا الٹا اثر ہونے لگا
اب وہ پوچھیں یا نہ پوچھیں کچھ گلہ ان سے نہیں
آپ اپنے حال سے میں بے خبر ہونے لگا
پست ہو جاتی ہے ہمت کام کچھ بنتا نہیں
نا امیدی کا جہاں دل میں گذر ہونے لگا
اس حجاب آمیز شوخی کی ادا ہی اور تھی
وصل کا اقرار جب منھ پھیر کر ہونے لگا
اس تخلص کے سبب خلق خدا کہنے لگی
اس کے کوچہ میں صبا کا بھی گذر ہونے لگا

کام دنیا میں کسی کا بھی نہ چلتے دیکھا
رنگ دنیا کا کئی بار بدلتے دیکھا
شیخ صاحب تمہی ایمان سے کہہ دو تم نے
میکدہ سے کوئی ناکام نکلتے دیکھا
سنگدل ایک جو دیکھا تو ترا دل ہم نے
ورنہ آہوں سے تو پتھر بھی پگھلتے دیکھا
نہ کھلا پر نہ کھلا راز کسی پہ تیرا
ہوش ادراک کو بھی ہاتھ ہی ملتے دیکھا

عمر بھر جوش مرے دیدۂ گریاں میں رہا
میں دریائے محبت کے ہی طوفاں میں رہا
بعد مرنے کے کھلا حال بڑی چیز تھے شیخ
شور ماتم کا بہت جلسۂ رنداں میں رہا
قدرتی ہو گئی اس کو رگِ گل سے الفت
فصلِ گل میں جو کوئی تار گریباں میں رہا

کدورت سے ہی شیخ و برہمن کے سب یہ جھگڑے ہیں
اگر دل صاف ہو پھر کوئی جھگڑا ہو نہیں سکتا
جہاں دل ایک ہو جاتے ہیں آنکھیں چار ہوتی ہیں
وہاں پردہ کرے کوئی تو پردا ہو نہیں سکتا
لگی رہتی ہیں آنکھیں مصحفِ رخسارِ لیلیٰ پر
ترا اے قیس اب مکتب میں پڑھنا ہو نہیں سکتا

جو دم بھر کے لئے جوشِ شباب آیا تو کیا آیا
چھلکتا سامنے جامِ شراب آیا تو کیا آیا
ہوا اس سے نہ خشک اپنا ذرا سا دامنِ تر بھی
سوا نیزے پہ یارب آفتاب آیا تو کیا آیا

خدا کی خدائی بھی اس دل پہ قرباں
جو نورِ محبت سے معمور نکلا
وہ ہوں کشتۂ لن ترانی، کہ میری
جہاں قبر کھودی وہاں طور نکلا
یہی مے تھی پیتے تھے جس کو صبا ہم
تنک ظرف بیچارہ منصور نکلا

صبا

منشی گوبند لال پسر منشی گوکل چند باشندہ لکھنؤ ولادت قریب ۱۲۳۰ھ ہجری آپ سرکار رامپور میں ملازم تھے، اردو، فارسی، اور عربی زبانوں کے ماہر تھے، اور تینوں زبانوں میں شعر کہتے تھے، فارسی کلام زیادہ کہتے تھے،

ذکرِ خال وخط بھی رہے صافِ جاناں میں نہیں
زاغ وطوطی کی حکایت اس گلستاں میں نہیں
گرمیاں وہ کر کے غیروں سے جلاتے ہیں مجھے
میں مسلماں جیتے جی ہندو کا مردا ہو گیا

صبح

منشی شنکر پرشاد کائستھ باشندہ قصبہ بلگرام ضلع ہردوئی شاگرد جناب مولانا قدر بلگرامی۔ ۱۸۷۲ء میں آپ اردو میڈل اسکول سانڈی میں ہیڈ ماسٹر تھے، منشی حفیظ اللہ خاں حفیظ آپ کے خاص شاگردِ رشید تھے،

نہ تو آرزو مجھے نام کی نہ تو حوصلہ ہے نشان کا
نہ ہے شوق گنبدِ قبر کا نہ لحد کے اونچے مکان کا
تجھے دیکھ لے جو کہیں ذرا ہے یہ آدمی کو مجال کیا
تری بارگاہ میں اے خدا نہیں دخل کچھ بھی گمان کا
مرے مرنے کی جو خبر سنی تو یہ آئے کہتے جنازہ پر
کہ یہ صبح کیا ہی جوان تھا مجھے غم ہے ایسے جوان کا

ہونے دو شورِ فغاں ہونے دو
رازِ پوشیدہ عیاں ہونے دو

صبر

منشی اجودھیا پرشاد کائستھ باشندہ دہلی، شاگرد جناب منشی بسنت سنگھ نشاط و شاہ نصیر و مومن

بدنامیاں ہیں باعثِ نام آوری یہاں
ہم جانتے تھے عشق میں کچھ عزّ و شاں نہیں

زیست کم حسرت بہت کس کس کا شکوہ کیجئے
طالعِ خوابیدہ کا یا دیدۂ بیدار کا

دل لگانے کو بتاتا ہے تو مشکل ناصح
ترے نزدیک چھڑانا مگر آساں ہوگا

ہمیں گماں کہ وہ آئے ہمارے قابو میں
انھیں یقیں کہ مرے ہاتھ اک شکار آیا

صبر

منشی اجودھیا پرشاد کالستھ خلف منشی خیراتی لال باشندہ سکندرہ شاگرد جناب ضیغم

مارتا ہے مار سر کھاتا ہے سنبل پیچ و تاب
مشکِ چیں نے چین پائی ہے یہ وہ گیسوئے دوست

دل مرا فانوسِ شمعِ عارضِ جانانہ ہے
طائرِ فکرِ تصورِ صورتِ پروانہ ہے

تیرے دل کے پہ کہیں گردِ کدورت دور ہو
پس کے میں سرمہ بنوں گر یہ تجھے منظور ہو

صبر

لالہ سیتارام باشندہ لکھنؤ، شاگرد جناب شیخ امیر اللہ صاحب تسلیم، آپ نواب مرزا محمد تقی خاں بہادر افسر کے یہاں دیوان تھے،

دستِ رنگیں سے جو سلجھاتے ہیں اکثر گیسو
خونِ عشاق کا کرتے ہیں سراسر گیسو

کی تری زلف کی تقلید بہت سنبل نے
پر بنائے نہ بنے بال برابر گیسو،

کم نہ الجھن ہوئی اس کی نہ اسے نیند آئی
میں نے سلجھائے بہت یار کے شب بھر گیسو

ایک دل لینے کو دونوں نے کمر باندھی ہے
ضد پہ گر کاکلِ پیچاں ہے تو ہٹ پر گیسو

صبر

پنڈت بشن ناتھ عرف ہنڈو، آپ پنڈت رتن ناتھ سرشار کے ہمعصر تھے، فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں کلام کہتے تھے، مگر فارسی کلام زیادہ کہتے تھے،

مژگاں کی تیزیاں دمِ خنجر سے کم نہیں
ابروئے یار تیغِ دو پیکر سے کم نہیں

دل ہو چکا ہے خون زیادہ نہ چھیڑیئے
اک ایک بات آپ کی نشتر سے کم نہیں

گل میں اس عارضِ گلرنگ کی ہے بو پیدا
چشمِ نرگس میں ہے اس آنکھ کا جادو پیدا

وہ مرغِ نالہ کش ہوں کہ جب میں ہوا اسیر
صیّاد بازوؤں کی صدا پر پھڑک گیا

صبور

کنور گوپال سہائے کائستھ ولد راجہ جیالال گلشنؔ، باشندہ لکھنؤ، ولادت ۱۸۲۳ء شاگرد جناب خواجہ حیدر علی آتشؔ لکھنوی، آپ عہدِ شاہی میں بخشی فوج تھے، پھر انگریزی حکومت میں نائب تحصیلدار رہے، آخر عمر میں ریاست گوپال پور کے نائب مقرر ہوئے، ۱۹۰۱ء میں وفات کی،

جب نہ اثباتِ دہن ٹھہرا یہی ثابت ہوا
بات جو ہے یار کی وہ غنبر کی آواز ہے

مالِ دنیائے دنی کی میں نہیں رکھتا ہوس
بندیاں روزِ ازل سے بابِ حرص و آز ہے

رازقِ مطلق کو عشرت میں نہ بھولے آدمی
بند ہے گر ایک در تو دوسرا در باز ہے

صحرائی

لالہ بلدیو سہائے باشندہ کوئٹہ بلوچستان، اکثر رسائل کی ایڈیٹری بھی کی ہے رسالہ "نوشیروان" کوئٹہ بلوچستان کے مالک تھے

چرخ پر پھیلا ہوا ہے ایک عالم نور کا
ہے گماں ہر ایک تارے پر چراغِ طور کا

لیلیٔ شب نے بھرے ہیں زلف میں موتی نئے
ہر دم نظارہ بن جاتا ہے گھونگھٹ حور کا

جب چنی تاروں کی افشاں لعبتانِ چرخ نے
اور ہی کچھ ہو گیا تھا رخ شبِ دیجور کا

عکس ہے تاروں کے آئینے ہیں موجیں بحر کی
قطرے قطرے پر ہے دھوکا ساغرِ بلّور کا

فضا سکوں سے بھری ہوئی ہے نسیم کی موج مشک بو ہے
چمن کے گوشے بسے ہوئے ہیں نوائے طوطی کی لَے میں تو ہے

کی مدارات نظر شمعیں جلادیں دور تک
یاسمیں کی چرخ پر سیمیں بچھادی دور تک

صدر

منشی لچھمن پرشاد کائستھ ولد منشی نوبت رائے باشندہ لکھنؤ ولادت ۱۸۶۷ء شاگرد جناب منشی خیراتی لال شگفتہؔ، آپ کو عربی اور فارسی پر ملکۂ کامل حاصل

تھا ہر صنفِ سخن پر قدرت حاصل تھی، صنعتِ غیر منقوط میں اردو کلام بہت کہا ہے، نامی استاد ہوئے ہیں، آپ بشیشور پرشاد منوّر کے خسر تھے، ۱۹۳۲ء میں وفات کی،

بندۂ عشق ہوں مذہب کا مرے نام نہیں
کفر سے کام نہیں تابعِ اسلام نہیں

ہر گھڑی وردِ زباں جس کو ترا نام نہیں
نام لینے کے بھی قابل وہ بدانجام نہیں

طرفہ ہے جلوہ گہہ یار کا عالم، کہ جہاں
دن نہیں رات نہیں صبح نہیں شام نہیں

دل کے خوش کرنے کو میں کچھ کبھی کہہ لیتا ہوں
صدؔر اس فن سے مجھے کچھ ہوسِ نام نہیں

ثباتِ دہر ہماری نظر میں خاک نہیں
کہ اس مکان کے دیوار و در میں خاک نہیں

ازل سے حصہ میں خاک و باد و آتش و آب
کچھ اور ان کے سوا میرے گھر میں خاک نہیں

شباب ہی سے ہوئے صدؔر اپنے بال سفید
اڑی تھی ایسی کبھی دوپہر میں خاک نہیں

گلکاریاں تھیں رزدِ حنا کی نظر فریب
دستِ صنم تھا یا سبدِ گلفروش تھا

وہ ردِّ خلق تھا میں جہاں میں کہ بعدِ مرگ
احباب کو جنازہ مرا بارِ دوش تھا

باتوں پہ کان رہے منوّر یہ تھی نظر
میں ان کی بزم میں ہمہ تن چشم و گوش تھا

جہاں گردش میں جامِ بادۂ گلفام آتا ہے
ہمیں جمشید کا عبرت سے یاد انجام آتا ہے

اٹھو استقبال کو بہرِ خدا اے قالبِ خاکی
لحد پر فاتحہ پڑھنے وہ سیم اندام آتا ہے

ہمدم نہیں انیس نہیں آشنا نہیں
آ اے اجل کہ زیست کا تنہا مزا نہیں

تنہا کو بھی جہاں میں نہیں کنجِ عافیت
کیا بے قرار طائرِ قبلہ نما نہیں

عدم سے آئے جائیں گے عدم کو
ہماری ابتدا اور انتہا کیا

ہمیں اپنے مقدر سے ہے شکوہ   تمہاری بیوفائی کا گلا کیا
بہار آئی گلستاں میں تو آئے   اسیرانِ قفس کو لے صبا کیا

بہار آئی تو آئے ہمصفیرو مجھ کو کیا مژدہ   قفس سے میں اگر نکلا بھی تو بے بال و پر نکلا
ہمراز بیخودی ہے ہمدرد بیکسی ہے   غربت میں بھی وہی ہے جو رنگ ہے وطن میں
یہاں تک عشق میں حاصل فروغِ دیدۂ دل تھا   نگاہِ قیس میں آٹھوں پہر بے پردہ محمل تھا
نقصانِ فکر اس سے کچھ اے ہم نفس نہیں   قائل مرے سخن کے اگر سنّو ہیں دشمن نہیں

مثنوی سداما غیر منقوط

سداما اسم اک مردِ دل آگاہ   ہوا دورِ سوم[۱] کا کامل آگاہ
دل اس کا لا طمع گو اک گدا وہ   مگر دردِ دل اس کا لا دوا وہ
کہ ہمسر[۲] کا سوالِ دام و درہم   ہوا اس کو دمِ صمصام ہر دم
عدو ہر طرح وہ حرص و ہوا کا   رہا معکوس کاسہ اس گدا کا
سوالِ مدعا اک عار اس کو   سدا ہر[۳] کا کرم درکار اس کو
مآلِ کار ہمسر کا کُڑھا دل   کہا دکھ دور ہو اد مردِ کاہل
اگر سرگرمِ راہِ دوارکا ہو   تو حاصل دل کا سارا مدعا ہو
ہر اک کا مصدرِ اکرام وہ دھام   سراسر موردِ الہام وہ دھام
ہر اس کا حاکم و دارا و داور   دلارامِ دو عالم اسمِ اطہر
الم ہو دور اگر اس کا کرم ہو   سراسر سہل ہر کارِ اہم ہو
اگر ہو مرحلہ اس راہ کا سر   سرورِ روح حاصل ہو سراسر
گدا محوِ صلاحِ کار ہو کر   کلام آرا ہوا اس طرح رو کر
کہ سردارِ دو عالم وہ گدا ہم   ملک کا ہو گدا کس طرح ہمدم

۱ دواپر جگ ۲ بیوی ۳ پرماتما

صریر

پنڈت گنگارام خلف پنڈت دبیی سنگھ باشندہ گنج پورہ ضلع کرنال ولادت ۱۲۶۷ھ
شاگرد جناب مرزا یوسف علی خاں عزیز، آپ روپڑ میں اپیل نویس تھے،

پچھتاتے ہیں وہ کرکے مجھے قتل کس لیے — اوّل نتیجہ سوچے نہ انجام کار کا
کر اب تو چاک چاک گریباں مرا جنوں — ہوں گا حساب روزِ جزا تار تار کا

تو نے چھیڑا مجھے برا ہی کیا — غیر جو کچھ کیا بھلا ہی کیا
شب عدو بزم میں جلا ہی کیا — یار ساغر ہمیں دیا ہی کیا

اک دلِ غمخوار تھا سو اس کو سودا ہو گیا — حیف نادان عاشقِ زلفِ چلیپا ہو گیا

صفا

رائے منّو لال اخبار نویس باشندہ لکھنؤ خلف رائے پورن چند، شاگرد جناب میر تقی میر، آپ فارسی اور عربی کے عالم تھے اور مہاراجہ جھاؤ لال (نائب نواب آصف الدّولہ) کے داماد تھے، صاحب دیوان ہوئے ہیں،

سامنے تیرے ہو حور و پری کا منہ کیا — کیا چلے آگے ترے کبکِ دری کا منہ کیا
شکر و تل نظر آتے ہیں رخ و خالِ سیاہ — ان کے ہم ذائقہ ہوں تل شکری کا منہ کیا
لب رنگیں کے مقابل ہوں ترے یار کبھی — لعل و یاقوت و عقیق جگری کا منہ کیا
تابِ غفلت ہے جو ہو حال سے میرے غافل — لے نہ ہر آن خبر بے خبری کا منہ کیا
خوبصورت جو بہت حور کو سمجھا ہے صفا — تو نے دیکھا نہیں اس رشکِ پری کا منہ کیا

چرخ کو کب یہ سلیقہ ہے ستمگاری میں — کوئی معشوق ہے اس پردۂ زنگاری میں
کیا ہنسی آتی ہے مجھ کو حضرتِ انسان پہ — فعلِ بد تو خود کرے لعنت کرے شیطان پہ

صفی

منشی کوڑے سنگھ خلف لالہ مہر سنگھ زمیندار باشندہ رسول پور ضلع میرٹھ، شاگرد جناب ذکی دہلوی و شوکت میرٹھی، آپ کی طبیعت کا رجحان زیادہ تر تصوف کی طرف مائل تھا، ذوقِ سخن بیحد تھا، آپ کی وفات کے بعد آپ کے فرزند بختاور سنگھ نے آپ کے دیوان کو شائع کرایا تھا،

عدم آغازِ عالم ہے فنا انجامِ دوراں ہے
مثالِ خواب حائل ہے یہ قصہ درمیاں اپنا

جو دیکھے چشمِ حق بیں سے فنا میں ہے بقا پنہاں
بنا ہر قطرہ گم ہو ہو کے بحرِ بیکراں اپنا

طلسمِ جلوہ رنگن آئینہ ہے خود نمائی کا
تصور دل میں غیر از ذات لائیں ہم کہاں اپنا

چمن کے رنگِ تغیر کا ہے نظر سے خطاب
وہ گل ہے کونسا جس کو غمِ خزاں ہی نہیں

عبرت پذیر گردشِ دوراں سے ہو صفی
جائے بہار صاف نمودِ خزاں ہے اب

اگر چشمِ حق بیں سے ہم دیکھتے ہیں
تو دل ہی میں دیر و حرم دیکھتے ہیں

سازِ تارِ نفس کی ہے یہ صدا
دارِ دنیا ہے مثلِ خوابِ غلط

حیف ہم نے قیامِ دنیا میں
دم کی دم صورتِ حباب کیا

صغیر

پنڈت شیام منوہر ناتھ کول کشمیری خلف پنڈت بیجناتھ کشمیری باشندہ لکھنؤ، ولادت ۱۸۷۸ء آپ کے والد تحصیل نویلی نظامت سوائی مادھو پور ریاست جے پور میں ناظم تھے، وہیں آپ کی ولادت ہوئی۔ آپ اپنی قابلیت کی بنا پر ترقی کرتے کرتے ایڈیشنل شیشن جج اناؤ مقرر ہو گئے تھے، شاعری مایۂ ناز نہیں سمجھتے تھے بلکہ مذاقِ سخن بخیال دفع الوقتی رکھتے تھے،

وحشت کا مری رنگ ہے غربت کا وطن میں
بیگانہ ہوں سبزہ کی طرح صحنِ چمن میں

حیرت ہے کہ دل ڈوب کے رہ جاتے ہیں کیونکر
قطرہ نہیں پانی کا ترے چاہِ ذقن میں

انساں کی طبیعت پہ ہے موقوف غم و عیش
ہے شامِ غریباں میں نہ کچھ صبحِ وطن میں

اک آہ سے کہیے تو دھویں اس کے اڑادوں
رکھا ہے بجز نام کے کیا چرخِ کہن ہیں

اسے دے جام ساقی ہو جسے درکار پیمانہ
مئے الفت پلا رندوں کو بھر بھر کر سبو برسوں
دلِ سادہ ہمارا مکر سے تسخیر کرنے کو
بنا جادو نظر معجز بیاں وہ تند خو برسوں
مجھے پیارا ہے پیری میں بھی دل گو اب ہے ویرانہ
یہ وہ گھر ہے رہی جس میں کسی کی آرزو برسوں
اسی کا سجدہ کچھ مقبول ہے محرابِ ابرو میں
کرے پہلے جو آبِ تیغِ قاتل سے وضو برسوں

بدلا شباب شیب سے دنیا بدل گئی
اگلی سی اب زمین کہاں آسماں کہاں
ہستی سے نیستی کو بھلا کیا مناسبت
اس شوخ کا مکان کہاں لامکاں کہاں
ہونے کو ہر جگہ ہیں سخنور بہت صفیر
لیکن یہ لکھنؤ کی مصفّا زباں کہاں

نہیں یارا مرے غم کے رقم کا
کلیجہ چاک ہوتا ہے قلم کا
تغافل بھی ہے ظالم کا قیامت
یہ دل مشتاق ہے مشقِ ستم کا
صفیرِ خستہ جاں سے پوچھئے حال
شروعِ عشق میں ضبطِ الم کا

صمیم

منشی تلسی داس باشندہ دہلی، آپ ہندی طب اور ستار نوازی میں کمال رکھتے تھے،

بھولی بھالی تری صورت سے بڑے دھوکے ہیں
تو تو عیاروں کا عیار ستمگر نکلا

صنم

بابو امبکا سہائے کائستھ خلف منشی جگناتھ سہائے باشندہ ہرنام دہہ ضلع گیا شاگرد جناب خلش گیا وی، ولادت ۱۸۸۰ء

بے فائدہ کیوں ہاتھ اٹھاتا ہے دعا کو
معلوم ہے دل کا ترے سب حال خدا کو
لکھ آج صنم تو وہ پھڑکتے ہوئے اشعار
تڑپا دے غزل اپنی سنا کر شعرا کو

صوفی

منشی چنّی لال کائستھ خلف لالہ بلاس رائے باشندہ قصبہ بلاسپور علاقہ ریاست رامپور، ولادت ۱۸۵۸ء، شاگرد جناب مولوی یوسف خاں یوسفؔ آپ فارسی اور عربی سے واقف تھے،

لکھا ہے یک قلم جو وصفِ روشن روئے جاناں کا
بجا ہے نام دیوانِ تجلّی میرے دیواں کا
طبیعت رات بھر اس فکر میں اُلجھی رہی لیکن
نہ بندش میں مری مضمون آیا زلفِ پیچاں کا

حسن کیونکر نہ جوانی میں بھلا ہووے دو چند
وقت پر باغ میں آتی ہے بہار آپ سے آپ

صولت

منشی پیارے لال ولد منشی ہیراج بہادر قوم کائستھ سریواستو، پیدائش ۱۸۹۳ء، شاگرد جناب سیّد فرزند حسین ذاخر، آپنے اردو اور فارسی کی تحصیل اپنے بزرگوں سے کی تھی بقدرِ ضرورت انگریزی سے بھی واقف تھے، ادب سے خاص دل چسپی تھی، رسالہ "نظارہ" لکھنؤ میں نائب مدیر کے فرائض انجام دے چکے ہیں

یہ عالم ہے فنا میں دل کے اجزائے پریشاں کا
بگولے ڈھونڈتے پھرتے ہیں ہر ذرہ بیاباں کا
حدودِ قید میں بھی اے جنوں حاصل ہے آزادی
سمٹ آیا ہے آنکھوں میں مری نقشہ بیاباں کا
اثر کیسا زمیں پر پڑ رہا ہے شام کا یارب
بھیانک ہوتا جاتا ہے سماں گورِ غریباں کا
اندھیرا دیکھ کر مرجائیں گے گھٹ گھٹ کے دیوانے
مناسب ہو تو دروازہ کھلا رہنے دو زنداں کا

الجھن سوا نہ کیوں ہو مرے قلبِ زار کی
ٹھنڈی ہوا چلی ہے چمن سے بہار کی
مضطر ہوں آرزو سے دلِ بیقرار کی
اے بیخودی یہ راہ نہیں کوئے یار کی
پنہاں کسی کی زلف میں تارا سحر کا ہے
ہوتی نہیں جو صبح شبِ انتظار کی
پھولوں کی تھی ہوس تو اسیرِ قفس ہوا
اب دیکھوں کیا دکھائے تمنّا بہار کی
تم آئے مرمٹوں کا ستارہ چمک گیا
دامن تک آکے بڑھ گئی عزت غبار کی

تم نے نقاب الٹ کے سرِ قبر کیا کیا   تو پھیکی پڑ گئی ہے چراغِ مزار کی

جنوں کا جوش ہے زنداں میں وحشی تم نہیں سکتا   نگاہیں کھینچے لاتی ہیں دمِ وحشت بیاباں کو

صہبا

منشی مکند سہائے ولد منشی چنّی لال باشندہ صاحب گنج (گیا) شاگرد جناب حکیم سید منیر الدین کیفی و مولوی کاہش جونپوری فارسی میں ذی استعداد تھے عربی سے بھی واقف تھے،

رخ پہ ہلتی ہے تری زلفِ دوتا کیسی کچھ   شام سے سر پہ ہے نازل یہ بلا کیسی کچھ
پان کھاتے تو وہ کچھ اور ہی ساماں کرتے   پانی پانی جگرِ لعلِ بدخشاں کرتے

صید

لالہ برہم دیو سہائے خلف لالہ بلدیو سہائے قوم کایستھ باشندہ موضع نجابت پرگنہ اردل ضلع گیا، ولادت ۱۸۷۶ء شاگرد جناب ستم گیاوی و خلش گیاوی، آپ عدالت کلکٹری میں مختار تھے اور میونسپل کمشنر بھی رہ چکے ہیں، فوٹو گرافی، باغبانی اور ستار نوازی سے خاص لگاؤ تھا، صاحبِ دیوان ہوئے ہیں،

جلوہ افگن ہے وہی دونوں جگہ پر ناصح   مرتبہ کم نہیں کعبہ کا بھی بتخانے سے
دل جل کے رہیں جو ہرِ شمشیر کی صورت   سیماب ہے دل میرا ہیں آئینہ اگر آپ
سزا کس کو ملی تھا جرم کس کا   لڑی ان سے نظر دل پہ لگی چوٹ

(ض)

ضبط

منشی کنہیا لال سررشتہ دار کچہری کلکٹری ضلع فرخ آباد ولد منشی موہن لال باشندہ مراد آباد، قریب ۱۸۹۰ء میں وفات کی،

ہوا کچھ زور و زاری سے نہ زر سے   نہ نکلا کام دل اس سیمبر سے

وہ کوٹھے پر چڑھے تو چشمِ بد دور | اتارا چاند کو سب کی نظر سے
تڑپتا ہے وہ زخمی نیمجاں آج | جسے مارا تھا کل ترچھی نظر سے
مبارک ضبط عشقِ تیغِ ابرو | سبکدوش ہو گئے اب بارِ سر سے

ہم نے عالم میں کیا نہیں دیکھا | ہاں حسیں با وفا نہیں دیکھا
جس نے منھ آپ کا نہیں دیکھا | اس نے نورِ خدا نہیں دیکھا
حورِ جنّت کو تو خدا جانے | آدمی آپ سا نہیں دیکھا
بحرِ ہستی میں آج تک اے ضبط | کوئی بھی آشنا نہیں دیکھا

ضبط

منشی من موہن لال کائستھ ولد منشی بالا پرشاد باشندہ صفی پور ضلع اناؤ ولادت ۱۸۸۳ء شاگرد جناب رادھے لال مست صفی پوری، آپ جنابہ عمدہ بیگم صاحبہ تعلقدار یہ صفی پور کے مختارِ عام تھے،

مجرمانِ عشق کو قاتل سبکدوشی کہاں | بارِ سر جاتا رہا تو بارِ احساں ہو گیا
زخم نے لطفِ نمک پاشی نہ پایا تھا ہنوز | واہ ری قسمت وہاں خالی نمکداں ہو گیا

بادۂ عشق کا ہوں متوالا | جو نہ اترے کبھی وہ مستی ہے
آدمی سب کچھ اور کچھ بھی نہیں | اس کی ہستی عجیب ہستی ہے

ضبط

چودھری رام سروپ کائستھ ولد چودھری بابو رام شیدا، باشندہ مچھریٹہ ضلع سیتا پور ولادت ۱۹۰۰ء شاگرد جناب مولانا محمد عبد الباسط قیس بھوانی آپ کلکٹری سیتا پور میں ملازم تھے، ادائے بیان میں جدت ہے،

چمکے گا اس طرح مزارِ زحساب داغ | کھائیگا جس کو دیکھ کے یہ آفتاب داغ
دل کی لگی بجھانے کو کافی ہے اتنا آب | کیا کیا جھلک رہے ہیں مثالِ حباب داغ

دل ہے کسی تصورِ پیہم سے جلوہ زار — ہے ماہتاب داغ کبھی آفتاب داغ
صبحِ شبِ وصال کا تارا کہوں اسے — یا دے گیا ہے مجکو یہ میرا شباب داغ
غنچہ کو اک شگوفے سے گلزار کردیا — آئے نہ وہ تو دل میں پڑے بے حساب داغ
چین اک گھڑی نہیں ہے مجھے ضبط کیا کروں — مٹ جائے دل سے دور ہو خانہ خراب داغ

شیخ کی آنکھ لڑ گئی جلوہ گہِ مجاز میں — بت سے لگا چکے ہیں دل کیا لگے جی نماز میں
قاتلِ سنگدل نے منہ پھیر لیا جو بعدِ قتل — حسرتِ دید رہ گئی چشمِ شہیدِ ناز میں
حسرت و رنج و درد و غم میرے قدیم مہرباں — آگے ہوئے شریکِ غم میری شبِ دراز میں
عشقِ بتاں میں مر مٹا راہِ خدا بھی پا گیا — رازِ حقیقت آشنا ضبط کھلا مجاز میں

وصل سے خوش نہ ہوا ہجر سے نالاں نہ ہوا — میں وہ انساں ہوں کہ مجھ سا کوئی انساں نہ ہوا
آنکھ وہ آنکھ نہیں جس میں نہ ہو دید کا شوق — دل وہ کیا دل ہے کہ جس دل میں تو مہماں نہ ہوا

مخمس بہار

پھولی نہیں سماتی خوشی سے ہزار اب — ہے نغمہ زن کہ آئی ہے فصلِ بہار اب
غنچے چٹک کے کہتے ہیں یہ بار بار اب — فیضِ بہار سے گلِ رنگیں ہیں خار اب
دامانِ دشت و کوہ بھی ہیں لالہ زار اب

باہر ہے نامیہ بھی حدِ اختیار سے — گل کھل رہے ہیں بید کی بھی شاخسار سے
پیہم صدا ہے یہ لبِ شاخِ چنار سے — محروم کوئی شے نہیں فیضِ بہار سے
خاکِ چمن بھی بن گئی مشکِ تتار اب

بادِ صبا کو چین کہاں بیقرار ہے — بلبل کے چہچہے ہیں سریلی ملار ہے
فصلِ بہار دوشِ صبا پر سوار ہے — گلہائے خرمی کا کھلا لالہ زار ہے
درد و الم ہیں سب مرے دل سے فرار اب

ضبط

لالہ بہاری سنگھ۔ شاگرد جناب کریم بخش فرقت شاہجہانپوری

بھرے ہیں دید کے ارمان دل میں مدت سے
ادھر بھی ایک نظر اے صنم خدا کے لئے
جو دیکھا دم میں ہزاروں کے دم فنا کرتے
قدم قضا نے ستمگر تری ادا کے لئے

ضمیر

رائے بلونت سنگھ رئیس باشندہ میرٹھ شاگرد جناب محمد امداد حسین ظہور

خاک اڑتی ہے بام پر در پر
یہ بھی نقشہ ہے اک مرے گھر کا
کیوں ہوا ہو گئی برنگ صبا
کیا ہوا حال جان مضطر کا
پائے مجنوں میں خار دشت ضمیر
کام کرتے ہیں نوک نشتر کا

ہوگا ہمارا ضبط کسی کو کہاں نصیب
جلتے ہیں مثل شمع زباں پر فغاں نہیں

ضمیر

منشی گنگا داس رمال کشمیری باشندہ دہلی شاگرد جناب شاہ نصیر دہلوی

روکش ابر بہاری کیا یہ چشم زار ہے
خندہ زن گل پر بھی زخم سینۂ افگار ہے
میں بتاتا ہوں ضمیر اب کچھ تجھے بھی ہے خیال
چشم خواب آلود اس کی فتنۂ بیدار ہے

جس کو دیکھا کانپتا ہے وہ شرارت سے تری
برق کو بھی ابر میں ہم تو تپاں دیکھا کئے
تو بگڑ بیٹھے ذرا سی بات پر
تھی نہ یہ امید ہم کو آپ سے

قطعہ ہولی

شب کو گیا جو ہولی کی محفل میں اے ضمیر
دل چسپ کیا ہی خوب تھا ہر اک مکان زرد
اس انجمن کی تجھ سے میں تعریف کیا کروں
پہنے لباس بیٹھے تھے سب مہربان زرد
روشن کئے تھے جھاڑ نشیمن کے گرد کل
تھیں زعفرانی سب چھتیں اور سائبان زرد
حوریں نژاد رنڈیاں بیٹھی تھیں صف بہ صف
ہولی کے کنٹھے پہنے ہوئے نوجوان زرد

پشواز حبیت ان کی مرے دل میں کھپ گئی | تھا حاشیہ کناری کا اور درمیان زرد
ڈالے سبھی نے ہار گلوں کے گلے کے بیچ | سر خوش تھے اپنے حسن میں سب گلرخان زرد
پچکاریوں کی لہروں کی تھی مار اک طرف | کیسر کے رنگ سے تھے زمیں آسمان زرد
رنگوں سے قمقموں کی تھی آپس میں مار دھاڑ | تھا سرخ گر کبھی تو کبھی تھا مکان زرد
ان سب کے درمیان تھا مسند پہ دلربا | سونے کا آگے رکھے ہوئے پاندان زرد
القصہ اپنے حسن میں ہر ایک شاہ وقت | پر دیکھ اس کو ہو گئے سب بدگمان زرد
اس شب سے میری آنکھوں میں یرقان ہو گیا | یاں تک کہ میرے ہو گئے سب استخوان زرد

ضیا

پنڈت پرسہائے خلف جی جی رام منصف ضلع مین پوری باشندہ بنارس شاگرد جناب نادر

حور سے دی اسکو نسبت بس قصور اتنا کیا | اس نے غصہ ہو کے مجکو جا بجا رسوا کیا
زلف کی مجکو قسم کھال اسکی کھینچوں گا ضرور | میرے جاناں کا کسی نے بال اگر بیکا کیا
آشناؤں کے کنارہ سے کنارہ کش رہا | ساتھ غیروں کے مگر دریا مین وہ تیرا کیا
ماہ کے ہالے نے کی حلقہ بگوشی آن کر | اس پری نے زیب گوش اپنی اگر بالا کیا
جب عماری پر سوار اس شوخ کو دیکھا ضیا | قیس دل نے پھر خیال محمل لیلی کیا

(ط)

طالب

پنڈت الائچی رام خلف پنڈت سوبی رام، باشندہ جلال آباد ضلع امرتسر، شاگرد جناب عبدالغفور صاحب نساخ۔ ۱۸۶۱ء میں آپ کی شاعری کا عروج تھا۔

ذرا ادھر کو بھی تشریف لاؤ گے کہ نہیں | مرا بھی خانۂ ویراں بساؤ گے کہ نہیں
سخن سے شوم بھلا جو کہ دے جواب شتاب | اجی تم اتنا تو فرماؤ آؤ گے کہ نہیں

مجھ پر وہ ظلم یار نہ اغیار نے کیا
جو کچھ کہ بخت و چرخ ستمگار نے کیا
آیا نہ رحم پر دلِ صیاد دام میں
نالہ ہزار مرغِ گرفتار نے کیا

بے گناہوں کو قتل کرتے ہو
روزِ محشر کا تم کو ڈر ہی نہیں
ہم تو مرتے ہیں ایک مدت سے
واہ جی تم کو کچھ خبر ہی نہیں

طالب

پنڈت کشن لال کشمیری اکاونٹینٹ محکمہ نہر جمن دہلی باشندہ دہلی، شاگرد جناب محمد حسین آزاد و نواب مرزا اظہر، آخری عمر میں آپ نے ملتان میں سکونت اختیار کر لی تھی اور وہیں وفات کی،

شکوے کیا کیا کیجیے اس چرخ کج رفتار کے
اسکی چالوں نے تو یاں صدہا کو برہم کر دیا
اوس ڈالی ہے فلک نے اس چمن پر ہے غلط
اپنے ہی اشکوں سے ہم نے کارِ شبنم کر دیا

دل سے جو مجھکو عشق ہے اس بے نیاز کا
مائل نہ عشوہ پر ہوں نہ قائل ہوں ناز کا
طالب اسی کو رہتی ہے اسرار کی خبر
ہے رازدار خود جو ہر اک دل کے راز کا

گرچہ قاموس کے ہے پار فضیلت سب کی
جانتے پر نہیں ناموس میں اور ننگ میں فرق
ہم نے سو ڈھنگ زمانے کے بدلتے دیکھے
لیکن آیا نہ یہاں اپنے کبھی ڈھنگ میں فرق

عقبیٰ میں کام ہوگا نہ کچھ رنج و غم کے ساتھ
دنیا کے مخمصے یہ یہیں تک ہیں دم کے ساتھ
ماتم سرا نہ کیوں کہیں دنیا کو ہمدمو
ہستی میں ہم نے پاؤں رکھے چشم نم کے ساتھ

محفل سے گر عدو کو اٹھایا نہ جائے گا
تو ہم سے بزم یار میں جایا نہ جائے گا
میں جاؤں اس جہان سے یا جان تن سے جائے
پر ہائے کوئے یار سے جایا نہ جائے گا

خود فراموشی وہاں بردہ فروشی ہے یہاں
چاندنی چوک ہے یہ معصر کا بازار نہیں

دل لگی کے واسطے دہلی میں ہے مٹیا محل
کون جائے خاک اڑانے ملکِ بیکانیر کو

طالب

منشی ٹھاکر پرشاد کائستھ باشندہ قصبہ مانک پور ضلع پرتاپ گڈھ۔ ولادت ۱۸۴۳ء شاگرد جناب ولایت حسین ولایت صفی پوری، آپ فارسی میں اچھی قابلیت رکھتے تھے، آپ کے دادا ہنومان پرشاد کو بھی فارسی زبان پر اچھی دستگاہ تھی، ابتدائی درسیات انھیں سے پڑھیں، ۱۹۰۴ء میں وفات کی،

حشر کا دن بھی ہے طالب سامنا بھی یار کا
دیکھئے دکھلائے کیا کیا ولولہ دیدار کا

کیوں نہ مجھ شوریدہ سر کو چھوڑ دیں ہوش و حواس
کیا سپاہی ساتھ دیں بگڑے ہوئے سردار کا

آسمانِ بے ستوں سے طرفہ قدرت ہے عیاں
دیکھتے ہیں چھت پتہ چلتا نہیں دیوار کا

ابر چھایا ہے چمن پر ہے کرم باری کا
ساقیا جلد پہونچ وقت ہے میخواری کا

تجھ کو یوسف جو نہیں کہتے تو باعث یہ ہے
حوصلہ تا نہ کرے کوئی خریداری کا

ان حسینوں کا بھی دل آئے کسی پر طالب
پھل ملے ان کو بھی عاشق کی دل آزاری کا

خانۂ چشم سے یوں اشک نکل کر آئے
جس طرح سیپ سے موتی کوئی باہر آئے

ہاتھ خالی ہی رہا دونوں جہاں میں اپنا
نہ لئے جاتے ہیں کچھ ساتھ نہ لیکر آئے

جھمگھٹا بادہ کشوں کا ہے یہاں اے واعظ
اس اکھاڑے میں کدھر آپ بھٹک کر آئے

گل ہے بلبل سے خفا گل سے صبا بگڑی ہے
بعد مدت کے گلستاں کی ہوا بگڑی ہے

نقش برآب ہے یہ نقش و نگارِ دنیا
خانۂ دھر کی اوّل سے بنا بگڑی ہے

راہ بھولے مرے گھر کی تو گئے غیر کے گھر
ہائے کیسی مری تقدیر خدا بگڑی ہے

خون کرنا اسے منظور ہے خود طالب کا — اس لیئے خنجر قاتل سے حنا بگڑی ہے

طالب

منشی دیانک پرشاد کائستھ خلف منشی روشن لال باشندہ بنارس ولادت ۱۸۵۵ء شاگرد جناب راسخ دہلوی، آپ کے والد تحصیل بنارس میں قانونگو تھے، آپ نے الہ آباد ہائی کورٹ سے مختاری کی سند حاصل کی مگر آپ کلکتہ چلے گئے اور ڈرامے لکھنے شروع کئے جو بہت مقبول ہوئے اور والیانِ ریاست نے اس صلہ میں آپ کو تمغات عطا فرمائے، بعدازاں آپ بمبئی چلے گئے، اور ۱۹۲۰ء میں وہیں وفات کی،

آنکھیں مری نثار ہیں ابروئے یار پر — پتلی کا ناچ دیکھیئے خنجر کی دھار پر
بدلا نہیں ہے رنگ یہ موئے سیاہ نے — فرمان انتقال کا آیا ہے تار پر

ہزار جان کے دشمن تھے ایک یار نہ تھا — ہزار غم تھے مگر ایک غمگسار نہ تھا
عدم سے بھیجتے احباب کو خبر طالب — ہزار حیف کہ کچھ اپنا اختیار نہ تھا

زاہد کو رات دھن ہوئی گیسوئے حور کی — اندھے کو گیا اندھیرے میں سوجھی ہے دور کی
عصیاں شمار میں نہیں آتے تو غم نہیں — رحمت تو آڑے آئے گی ربِّ غفور کی

مرنا یہاں ہمارا جینا یہاں ہمارا — ہندوستاں کے ہم ہیں ہندوستاں ہمارا
یونان میں بھی ہم ہیں ایران میں بھی ہم ہم — چرچا یہاں ہمارا شہرہ وہاں ہمارا

ہجر کی شب کر گئی اندھیر کیا — صبحِ محشر میں ہیں جلوے شام کے
رو سیاہوں میں ہوئے ہم سرخرو — کیا کرشمے ہیں مئے گلفام کے

خضر سے راہِ میکدہ پوچھیں　　آدمی ہیں یہی ٹھکانے کے

طالب

بابو اقبال بہادر کائستھ ولد منشی دوارکا پرشاد نشاط زمیندار باشندہ موضع سرئیاں ضلع سیتاپور، ولادت ۱۸۸۳ء، شاعری میں کسی کے شاگرد نہیں تھے،

تبسم زیرِ لب شرم آنکھ میں چٹکی نمکداں پر　　وہ کس انداز سے رکھتے ہیں مرہم زخم پنہاں پر
جگر پر ہاتھ قسمت پر نظر سر پائے درباں پر　　کسی کو آہی جائیگا ترس حالِ غریباں پر

حاصل ہر دو جہاں ہے قیدِ تنہائی مجھے　　اپنے منہ سے کوئی کہدے اپنا سودائی مجھے
ہائے وہ مایوسیِ شوقِ نگاہِ واپسیں　　دم بخود تھی دیکھکر چشم تمنائی مجھے

تمنا ہے اگر راہِ طلب میں کامیابی کی　　حصولِ مدعا کی ترک طالب آرزو کردے

طالب

پنڈت نندلال کول کشمیری ولد پنڈت ٹھاکر پرشاد کول ساکن سری نگر، ولادت ۱۸۹۹ء شاگرد جناب امیر الدین امیر کشمیری و رام سہائے تمنا لکھنوی و برج موہن کیفی، فارسی زبان میں منشی فاضل وادیب فاضل کے سند یافتہ تھے پیشہ معلمی تھا،

شکوۂ جورِ فلک کب ہے مگر افسوس ہے　　درد اپنے حق میں کاوش ہائے مژگاں ہوگئیں
بند رکھتا ہے زبانِ التجا شوقِ سکوت　　اپنی پُرحیرت نگاہیں چشم حیراں ہوگئیں

کیا کہیں تم سے کہ کیا سمجھے ہیں ہم رازِ حیات　　آنے جانے کا اسے ایک بہانا جانا
واہدی خواب میں بھی چشم بصیرت جو کبھی　　ہم نے دنیا کو دو رنگی کا تماشا جانا

جن کو رفیق سمجھے تھے نشتر سے کم نہیں　　پہلو میں ایک خار ہے میرے بجائے دل

بچپن کا اک رفیق تھا اب وہ بھی چھٹ گیا ‏ دل میرا آشنا ہے نہ میں آشنائے دل

ہے اضطرابِ شوق نقابِ رخِ امید ‏ تارِ نگاہ پردۂ مژگاں سے کم نہیں
طولِ شب فراق کا چمکا ستارہ کیا ‏ داغِ جگر بھی شمعِ شبستاں سے کم نہیں
اصلاح اچھے اچھوں کو مل جاتی ہے یہاں ‏ بزمِ مشاعرہ بھی دبستاں سے کم نہیں

یہ خمیازہ نہیں ضبط و حیا کا گر تو پھر کیا ہے ‏ مری میت پہ اب وہ بن کے ماتم دار بیٹھے ہیں
بحرِ ہستی میں حباب آسا کوئی دم بھر گئے ‏ کس کو ہے معلوم آئے کس طرح کیونکر گئے
جلوۂ حسنِ ازل تصویرِ حیرت کر مجھے ‏ لب پہ حسن و عشق کی پھر داستاں کوئی نہ ہو
ایک تنکا تک نہ چھوڑا ہستیٔ موہوم کا ‏ اس چمن سے آشیاں ہم دوش پر لیکر چلے
ہم نے دنیا کی دورنگی کو تماشا جانا ‏ ایک اندازِ مدد جزرِ تمنا جانا

طالب

بابو منوہر لال کھتری حلف رائے بالمکند کھتری زمیندار، باشندہ چکوال صوبہ پنجاب ولادت ۱۹۰۰ء پیشہ وکالت۔ آپ کے بزرگ پشاور سے آ کر چکوال میں آباد ہو گئے تھے، آپ ہنوز بقیدِ حیات ہیں اور دہلی میں مقیم ہیں،

خوگرِ آزارِ دردِ قوم ہو کر دیکھ لے ‏ لذتِ دردِ جگر تیری دوا ہو جائیگی
رشک کھائے گی تری پستی پہ رفعت دیکھنا ‏ جب تری پستی حقیقت آشنا ہو جائیگی
شعلۂ حبِّ وطن سے ہے فروغِ زندگی ‏ ورنہ کچھ تیری ہستی کی فضا ہو جائیگی

فائدہ جس سے ہو صفائی کا ‏ فی الحقیقت وہ کام اچھا ہے
دل کو قابو میں چاہیئے رکھنا ‏ اسپ کب بے لگام اچھا ہے
جس نے ترکِ دنیا کیا طالب ‏ اس سے ترکِ سلام اچھا ہے

قیامت واسطے سرمایہ داروں کے بپا ہوگی　　یہی ڈر ہے ٹھکانہ ان غریبوں کا کہاں ہوگا
خدا کی سرزمیں تنگ آئیگی سرمایہ داروں پہ　　زمیں کا ذرّہ ذرّہ ان کے حق میں آسماں ہوگا

علامہ بن گیا کوئی مولانا بن گیا　　کوئی ادب کی شمع کا پروانہ بن گیا
قادر کلام کوئی، کوئی قادرِ زباں　　دو مقتدر ملے جسے وہ کیا نہ بن گیا

طاہر

منشی خیراتی لال مالک اخبار "خیر خواہ اودھ"

اب تک دہانِ غنچہ گلوں سے نہ وا ہوا　　منقار بلبلوں کی کھلی بھی تو کیا ہوا
وصفِ دہانِ یار میں طاہر نہ ہو خموش　　گویا زبان منھ میں نہیں ہے تو کیا ہوا

کس کا یہ روئے کتابی یاد آیا بزم میں　　چشمِ حیرت حلقہ زن ہے حلقۂ زنجیر پر

طاہر

پنڈت شنکر دیال باشندہ گورکھپور

ہمارے دل میں یوں ارماں ہیں بند　　کہ بو جس طرح رہتی ہے کلی میں
پری رویوں میں بھی ہے کتنی شوخی　　اڑایا کرتے ہیں مجکو ہنسی میں
گھٹا جس دم اٹھی چپکے سے پی لی　　بہت اچھی ہے عادت شیخ جی میں

طاہر

لالہ چندولال خلف منشی رام پرشاد طاہر باشندہ گوالیار، شاگرد جناب مرزا صابر،

تمام عمر رلایا ہے خاک میں مجکو　　غضب ہے اس پہ جو دل میں ترے غبار رہے
کوئی نہ ہم سا ملے گا جو اس ستم پر بھی　　ہزار جان سے یوں آپ پر نثار رہے
مدام ان سے رکھو پاک الفت اے طاہر　　کہ عمر بھر یونہی اخلاص اور پیار رہے

یہ کہتے شبِ غم بسر ہو گئی ۔۔۔ سحر ہو گئی اب سحر ہو گئی
کہاں ہم کہاں وہ ملاقات ہو ۔۔۔ یہ قسمت سے اے نامہ بر ہو گئی

طبیب

لالہ بابو لال شاگرد جناب صادق اکبرآبادی (آگرہ) آپ ۱۸۹۲ء میں آگرہ میں طالب علمی کی زندگی بسر کر رہے تھے۔

افشاں چنا کئے میں رہا انتظار میں ۔۔۔ تارے ہی گنتے رات کٹی ہجرِ یار میں
بعدِ فنا بھی دل نہیں رہتا قرار میں ۔۔۔ بجلی تڑپ رہی ہے ہمارے مزار میں
مٹی یہ آج اپنی ٹھکانے سے لگ گئی ۔۔۔ لاشہ ہمارا دفن ہوا کوئے یار میں

طپش

منشی اوما شنکر ولد منشی شیو پرشاد دیوان نواب صاحب فرخ آباد شاگرد جناب طالب حسین مجیبؔ، آپ سرکار انگریزی میں ملازم رہے اور پیشکاری اور قانون گوئی کی خدمات انجام دیتے رہے، بعد ازاں ریاست رامپور میں ملازم ہو گئے، ۱۹۰۸ء میں قریب پچاس ساٹھ سال کی عمر میں وفات کی،

اٹھایا لطف کیا ہم نے دو روزہ زندگانی کا ۔۔۔ ادھر آیا ادھر جاتا رہا عالم جوانی کا
سرشکِ خوں ہے آنکھوں میں تو دل بھی خوں گرفتہ ہے ۔۔۔ وہ ساغر ہے یہ شیشہ ہے شرابِ ارغوانی کا
کبھی چوٹی جو اس رشکِ قمر کی آئی ایڑی تک ۔۔۔ زمیں پر ہو گیا عالم بلائے آسمانی کا

دو جہاں میں مجھے اندھیر نظر آئے گا ۔۔۔ منہ چھپا مجھ سے نہ او چاند سی صورت والے
جن کو دنیا سے ہے مطلب نہ غرض عقبیٰ سے ۔۔۔ وہی دارین میں ہیں عیش و فراغت والے

اسے منظور ہے پردہ طلب ہے دید کی مجھکو ۔۔۔ نظر دونوں کی ہے دونوں طرف سے ایک چلمن پر
وہی ہے رشتۂ الفت جسے زنار کہتے ہیں ۔۔۔ کہیں تسبیحِ زاہد پر کہیں دوشِ برہمن پر

بلندی میں زیادہ کون قصرِ دل سے ملتا ہے — اسی بستی میں رہ کر عرش کی منزل سے ملتا ہے
کمالِ عشق میں پھر جستجو باقی نہیں رہتی — جو ہے معشوق خود وہ عاشقِ کامل سے ملتا ہے

ناز دکھلاتی ہے وہ ابروئے خمدار مجھے — اپنے قبضہ میں کرے گی یہی تلوار مجھے
جب ازل میں ہوئی تقسیم بنامِ عاشق — باغ بلبل کو ملا کوچۂ دلدار مجھے

طرّار

منشی چھوٹن لال کپور ولد رائے جگّو مل کپور باشندہ حیدرآباد دکن، شاگرد جناب محشری صاحب، آپ رائے بشن سنگھ خوشتر کے برادرِ اکبر تھے، ذوقِ سلیم رکھتے تھے، گورو نانک دیوجی سے آپ کو خاص عقیدت تھی،

دمِ آخر ہے نگاہوں میں جمالِ گرو نانک — جان جاتی ہے تو آتا ہے خیالِ گرو نانک
آدمی کیا ہے فرشتے بھی یہی کہتے ہیں — دونوں عالم میں نہیں کوئی مثالِ گرو نانک
کیوں ہے طرّار تجھے خوف سیہ کاری کا — کم ہے کیا وسعتِ دریائے نوالِ گرو نانک

ظلم بھی خود ہی کریں اور خفا بھی خود ہوں — ہائے ابتک نہ انھیں طرزِ محبت آئی
آرزوؤں نے کیا حشر بپا اے طرّار — وہ نہ آئے سرِ بالیں تو قیامت آئی
توبہ توبہ تمہیں لیلیٰ سے میں کیا نسبت دوں — وہ بھی کیا چیز ہے معشوق ہے دیوانے کا

طرب

منشی دھومی لال برادر زادہ راجہ کنول نین قوم کائستھ، شاگرد جناب شاہ نصیر دہلوی، آپ اکبر شاہ ثانی کے عہد کے امرا میں تھے، مشکل اور سنگلاخ زمینوں میں شعر کہتے تھے، صاحب دیوان ہوئے ہیں

ہزاروں بار آیا ابر گھر کر خوب سا برسا — اگا سبزہ نہ ہرگز دل جلوں کے آہ مدفن پر
طرب نے دوستی میں ان بتوں کی جو اٹھایا غم — نہ ہو یہ صدمۂ غم اے خدا دشمن کے دشمن پر

سخت جانی میں شہادت کے ہیں ارماں کتنے — عاشقوں کے ہیں ترے گنجِ شہیداں کتنے
عشوہ و غمزہ و زلف و نگہہ و ابرو و ناز — آہ پیدا ہوئے اک جان کے خواہاں کتنے

جو گرا آنکھوں سے پھر ہوتا نہیں ہے سر بلند — کس نے دیکھا ہے کہ اشک آنکھوں سے پھر گر کر اٹھا
وصل اس صنم کا دیکھئے حاصل ہو کب طرب — کوئی فال آپ دیکھئے قرآں نکالئے
تو ہم بھی ہوئے جاتے ہیں روپوش جہاں سے — تم چہرہ کو پردہ سے اگر وا نہیں کرتے
اس نے چہرہ پہ دکھا زلفِ پریشاں ہم کو — کر دیا از سرِ نو بے سر و ساماں ہم کو
اک بار کر دو قتل کہ جھگڑا ہی یہ چک جائے — ہر روز کا تو جور و ستم اٹھ نہیں سکتا
ابر و مینا و مے و ساقی و مطرب ہے طرب — کیا مزہ تھا جو مرے پاس وہ دلبر ہوتا
تیرے مجنوں کے گلے میں نالۂ آہنگ گداز — آن کر اٹکا تو پانی طوقِ گردن ہو گیا

طرب

منشی موتی لال کھتری باشندہ دہلی شاگرد حضرت شاہ نصیر

نہیں گوندھی ہے چوٹی دستِ مشاطہ نے جاناں کی — یہ مشکیں باندھ لی ہیں اس نے دزدِ دین و ایماں کی

طرب

منشی گوپال سہائے خلف پنڈت برج لال باشندہ بین پوری مقیم فتحگڈھ

سورج میں یہ ضیا نہ ضیا ہے یہ ماہ میں — تم سا نہیں ہے ایک ہماری نگاہ میں
طے کر گیا وہ منزلِ عشق خرامِ ناز — پامال ہو گیا جو محبت کی راہ میں
سوئے نصیب کو نہ جگایا حضور نے — آئے نہ ایک رات مری خواب گاہ میں
منظورِ ہر نظر ہے خرامِ ادائے یار — آنکھوں کو لوگ کیوں نہ کریں فرش راہ میں
احباب سرفراز ہوں دشمن ہوں پائمال — ہے یہ دعا طرب کی جنابِ الٰہ میں

طرز

منشی گردھاری لال قوم کائستھ باشندہ امروہہ، شاگرد جناب قیام الدین قائم

کھا زلف میں بل جو گو شوارا ٹوٹا — جانے کس کا تھا یہ دل جو بچارا ٹوٹا

دھڑکے ہے مرا جی کہ خدا خیر کرے　　　اس رات میں بے طرح ستارا ٹوٹا

نہ سلجھا شانے کے ہاتھوں نہ زلف سے تیری　　　نپٹ کو پیچ پڑا ہے معاملہ دل کا
آہ اس شوخ نے احوال نہ پوچھا ہرگز　　　لڑ چکا رو ٹھ چکا بیٹھ رہا مل دیکھا

طرفہ

رائے کشن سنگھ ولد جگو مل قوم کھتری باشندہ حیدرآباد دکن، شاگرد جناب محشری ولادت ۱۲۹۵ء فصلی، فارسی پر اچھی دستگاہ تھی، صاحب دیوان ہوئے ہیں

در مدح گرو نانک

ہو ایسی جلوہ فگن دل میں صورتِ نانک　　　جگر میں جلتی رہے شمع وحدتِ نانک
ہو دل کی آنکھوں میں پیدا وہ روشنی یارب　　　جدھر میں دیکھوں نظر آئے صورتِ نانک
مجھے ہے فخر کہ ہوں خاندانِ حضرت سے　　　تو مجھ پہ کیوں نہ رہے پھر عنایتِ نانک

برشِ تیغِ نظر خنجرِ براں میں نہیں　　　جو خلش اس میں ہے خارِ مغیلاں میں نہیں
چشم پُر خون نے طرفہ کے کھلائے وہ گل　　　پھول ایسے کسی گلچیں کے بھی داماں میں نہیں

طلب

منشی رام نرائن شاگرد جناب اعظم حیدرآباد سندھ

جو نہ جنوں نے گھر میں نہ رہنے دیا مجھے　　　تیرا خیال باعثِ ترکِ وطن ہوا
عشاق اٹھ کھڑے ہوئے آنے سے اسکے آج　　　دشمن ہی وجہِ برہمیِ انجمن ہوا

طوبیٰ

راجہ نہال سنگھ راجہ کپور تھلہ شاگرد جناب محی الدین غلامی

میں صدقے اس نزاکت کے کمر لچکا نہ کھا جائے　　　چھری باندھی تو باندھی تم نے کیوں تیغا گراں باندھا

طپش

منشی مکندلال باشندہ اجیت پور شاگرد جناب طپش

کہا جو میں نے وفا کو تو ہنس کے فرمایا　　جفا کو چھوڑ دیں کیا ہم بھلا تمہارے لئے

(ظ)

ظالم

منشی ظالم سنگھ برہمن، آپ بیگم سمرو صاحبہ کی سرکار میں متصدی تھے، جب بیگم صاحبہ موصوفہ نے وفات پائی اور ان کا پرگنہ سرکار میں ضبط ہوا تو خانہ نشین ہو گئے اور بیکاری سے پریشان ہو گئے، آخر تعلیم اطفال کو ذریعہ معاش بنایا۔ اور غریبانہ زندگی بسر کرنے لگے،

ہم رہے گلچیں ہمیشہ گرچہ باغ عشق سے　　مفلسی کا داغ سوزاں تر ہے داغ عشق سے
دن تو رو پیٹ کر کٹا لیکن　　ہجر کی رات کیا پہاڑ آئی

ظاہر

منشی رام پرشاد کھتری باشندہ دہلی، شاگرد جناب مرزا رحیم الدین ایجاد آپ کے بزرگ ملازم سرکار شاہی رہے، خود ۱۸۵۵ء میں اہلمد مقرر ہوئے، پھر دہلی کے محکمۂ کلکٹری میں کافی عرصہ تک سررشتہ دار اور ناظر رہے، ۱۸۶۴ء میں آپ گوالیار تشریف لے گئے اور بعد حصول سند وکالت ۱۸۹۹ء تک وکالت کرتے رہے، ۱۸۹۹ء کے آخیر میں مہاراجہ سندھیا والی گوالیار کی قدر دانی سے ضلع گرد گوالیار میں مجسٹریٹی کے عہدہ پر ممتاز ہوئے، فن تاریخ گوئی میں اچھی مہارت رکھتے تھے، صاحب دیوان ہوئے ہیں،

کیوں نہ آوارہ پھریں عمزدگان دہلی　　کہ ہے عنقا کے نشیمن میں نشان دہلی
کوئی ظاہر میں نہ تھا اس کی خرابی کا سبب　　اپنے اعمال ہوئے آفت جان دہلی
صبح پیری کے ہے کا فور سے اسکو نسبت　　گل سے رخسار جو رکھتے تھے جوان دہلی
اک فلک اور بنا اپنے ستانے کے لئے　　جب اٹھا دل سے مرے دود فغان دہلی

بے سبب اس کی اٹھا کر جھڑکیاں ہر بار کی
آپ ہم نے خو بگاڑی ہے بتِ عیّار کی
ابر اٹھا دیکھے کعبہ کی جانب سے وہ شیخ
خوب سنتا ہے خدا رندانِ بادہ خوار کی
کچھ اڑا دی کچھ بہا دی کچھ گرا دی بعدِ مرگ
کیا ہماری خاک کی ظالم نے مٹی خوار کی

سارے افلاک نظر آئیں گے مانندِ حباب
موجزن اپنے اگر اشک کا طوفاں ہوگا
تیغ دو مجکو کہ اپنا گلا کاٹ لوں آپ
مفت میں آپ کا سر پہ مرے احساں ہوگا

میں تو مر کر بھی نہ نکلا حلقۂ ماتم سے ہائے
گرد میری قبر کے بھی حلقۂ احباب تھا
کیا بجھا تا آتشِ شوقِ شہادت وقتِ قتل
ہاتھ میں سفاک کے خنجر بھی تو بے آب تھا

ناز اس کے اٹھاتے ہیں جو ہم اور زیادہ
کرتا ہے وہ بت ہم پہ ستم اور زیادہ
سلجھاتا ہے شانہ اسے جتنا دمِ تزئین
پڑتے ہیں تری زلف میں خم اور زیادہ

مانند شمع و شبنم یوں دن بسر کریں گے
مر مر کے شام کی ہے رو رو سحر کریں گے
کیا تھا ابر نے چشمِ تر کو
لگا دی آگ اس نے میرے گھر کو
تم لڑاتے ہو غیر سے آنکھیں
یہ لڑائی نہیں تو پھر کیا ہے
آنکھ ہے پر نظر نہیں آتا
مثل نرگس ہیں ہم چمن کے بیچ
آنکھ مجھ سے لڑائے جاؤ تم
یہ لڑائی ہے دلربا بہتر

ظریف

لالہ بینی پرشاد ولد لالہ روشن لال باشندہ لکھنوء شاگرد حضرت مصحفی صاحب دیوان ہوئے ہیں ،

ترے عشق میں ہت مہ لقا گئی مفت میں ساری مشقتِ دل
رہا موردِ درد و الم ہی سدا ہوئی شاد کبھی نہ طبیعتِ دل

ہے ظریفؔ کو تجھ سے چشمِ وفا کوئی اور بھی اس کا ہے تیرے سوا
مری جان جو تو نہ سنے تو بھلا کہے جا کے وہ کس سے مصیبتِ دل

ظریف

لالہ نتھو مل باشندہ دہلی شاگرد جناب نسیم بھرت پوری

قبول ہوتی ہے منت نہ التجا میری
یہ بت ذرا نہیں سنتے مرے خدا میری
مجھے بتائی بھی جاتی نہیں خطا میری
مجھی سے پوچھ رہے ہیں مگر سزا میری
شبِ فراق کے صدمے سہے نہیں جاتے
الٰہی آج کہاں مر رہی قضا میری
ستم ہے یہ کہ ستم بھی وہ اب نہیں کرتے
سمجھ گئے ہیں پسند اسکو ہے جفا میری
کسی کے سامنے کیوں جاؤں التجا لے کر
ظریفؔ کیا نہ سنے گا مرا خدا میری

نہ کہیے حسیں کوئی ہم سا نہیں ہے
خدا کی خدائی میں کیا کیا نہیں ہے
نہ جھک جھک کے منھ نزع میں میرا دیکھو
نکلتا ہے دم کچھ تماشا نہیں ہے
ترا تیر کیوں جم کے بیٹھا ہے دل میں
اگر یہ ہماری تمنا نہیں ہے
شبِ غم جو نکلے تو کس طرح نکلے
مرا دم عدو کی تمنا نہیں ہے
ظریفؔ ایک ہی زندہ دل آدمی ہے
کبھی تم نے کیا اسکو دیکھا نہیں ہے

جب کہا ان سے کہ کچھ حال بھی دل کا جانا
ہنس کے فرمایا کہ جھوٹے کا کلیجا جانا
پھر وہی تیر لگانا کہ تڑپ جائے دل
پھر کن انکھیوں سے مجھے دیکھ کے شرما جانا

ظہور

منشی جگل کشور کائستھ خلف منشی جے گوبند پرشاد رئیس باشندہ لکھنؤ شاگرد جناب خواجہ حیدر علی آتش لکھنوی، آپ راجہ جیالال گلشن کے داماد تھے ،

ادھر دیکھتا ہوں اُدھر دیکھتا ہوں
تجھے دل میں ہی جلوہ گر دیکھتا ہوں
سمجھتا ہوں تیری میں یہ لن ترانی
پسِ پردہ پیشِ نظر دیکھتا ہوں

ذرا فکرِ عقبیٰ بھی بہرِ خدا کر — کہ دنیا کو میں پُر خطر دیکھتا ہوں
وہی راست و چپ ہے، وہی پیش و پس ہے — وہی جلوہ گر ہے جدھر دیکھتا ہوں
رخِ یار سے دی جو تشبیہ اس کو — دماغِ قمر عرش پر دیکھتا ہوں
ظہور اس صبیح قد کی نازک کمر کو — رگِ گل سے باریک تر دیکھتا ہوں

ظہور

لالہ شیو سنگھ باشندہ دہلی شاگرد جناب انعام اللہ خاں یقین

بہا اس بے بہا کا کیا بھلا ہو — سرِ قاتل پہ جس کا خوں بہا ہو
چشمِ گریاں حسن سے معمور ہے — چاندنی برسات کی مشہور ہے

ظہیر

لالہ پیارے لال کائستھ باشندہ دہلی شاگرد جناب مرزا غالب دہلوی، سنہ ۱۸۷۴ء میں عالمِ شباب میں وفات کی،

رات دن ایک سا رہتا ہے اجالا مرے گھر — آتشیں آہ ہے یا آٹھ پہر کی بتی
پڑ گئی رکھتے ہی ناسورِ جگر میں ٹھنڈک — اس کا پیکاں بھی ہے کیا خوب اثر کی بتی
شبِ فرقت کا اندھیرا نہ گیا پر نہ گیا — کام کچھ موم کی آئی نہ اگر کی بتی
رات گھر اس کے دیئے میں کہیں جلتی تھی ضرور — تارہائے نگہِ اہلِ نظر کی بتی
شمع کی مجھکو ضرورت نہیں واللہ ظہیر — میری روشن ہے ہر اک مصرعِ تر کی بتی

(ع)

عابد

پنڈت کیشو ناتھ معروف بہ موہن لال رئیس باشندہ جاؤرا

کچھ تو دنیا میں مزے لوٹے ہیں آ کر قیس نے — کوہکن نے اپنی محنت ہائے کیوں برباد کی

عابد

منشی دیبی دیال خلف منشی بسنت رائے قوم کائستھ باشندہ قنوج، ضلع

فرخ آباد، آپ قنوج میں وکالت کرتے تھے، ۱۲۹۱ھ ہجری تک حیات تھے، دیوان ان کی زندگی میں ہی شائع ہو چکا تھا،

کہا میں نے کہ کہتا ہوں میں سوزِ دل سرِ محفل — کہا اب تک یہ پوشیدہ ہے سب پڑا جا چپ چپ
کہا میں نے پریشاں حال کس نے کر دیا مجھکو — کہا دشمن مری ہے زلف کی کالی بلا چپ چپ
کہا میں نے یہ کس سرمے نے میری کھولدیں آنکھیں — کہا میرے قدم کی خاک ہے یہ توتیا، چپ چپ

آیا گلشن میں جو خنداں گلِ رعنا میرا — خوب سرسبز ہوا نخلِ تمنّا میرا
ہجرِ مہوش میں جو کاہش مجھے ہر شب میں رہی — بدر نے سیکھ لیا ہے وہی گھٹنا میرا

جوانی ہے جو لطفِ عمر پیری ہے مآل اس کا — مثل مشہور ہے یہ، ساتھ ہے چولی سے دامن کا
ملنا اگر ہو وصل کا وعدہ ہو راست رات — کہتے کبھی ہو صبح کبھی شام واہ واہ
سوزِ فرقت نے جو اشکوں کا بہایا دریا — اس میں ماہی کی جگہ ہوں گے سمندر پیدا
عقبیٰ میں جب کہ دیکھے گا حق نامۂ عمل — عابد جھکا کے سر کو کہے گا خطا معاف

عاجز

منشی کملا پرشاد صاحب

بغیر دیدارِ روئے زیبا تڑپتے کب تک رہا کرینگے — اجل تو جھگڑا چکا دے اپنا فراق میں جی کے کیا کرینگے
بھرا ہے دل میں غبارِ کلفت تپ جدائی کی ہے حرارت — اگر ہے سوزِ دروں سلامت دھوئیں کلیجے سے اٹھا کرینگے

لائی نہ کبھی نکہتِ گیسوئے معنبر — چل دور ہو اے بادِ صبا یاں سے ہوا ہو
عاجز نہ رکھو چشمِ وفا ماہ رخوں سے — جب تک کہ نبھے تم سے محبّت کو نبا ہو

عاجز

لالہ موہن لال باشندہ دہلی

آ کر بسا ہے جب سے وہ گلرو بباغِ دل — تب سے ہوا ہے کیا تر و تازہ دماغِ دل

عاجز کو احتیاج نہیں ہے شراب کی پُرہے ہمارا خونِ جگر سے ایاغ دل

عاجزؔ

منشی زورآور سنگھ کھتری باشندہ دہلی نبیرہ جناب نندرام مخلص
شاگرد جناب نصیر الدین عزیبؔ

عاشقوں کو ترے اک جا نہیں آرام کہیں دن کہیں رات کہیں صبح کہیں شام کہیں
شبِ مہتاب کس کمبخت کو ہجراں کی بھاتی ہے کہ اس سے گرمیِ روزِ قیامت یاد آتی ہے

عاجزؔ

منشی ننھے لال کائستھ خلف منشی بہادر لال باشندہ لکھنؤ ولادت ۱۸۷۲ء
شاگرد جناب سید محمد سجاد حسین وقار لکھنوی، چھ ماہ کی عمر میں آپ کو چیچک نکل آئی تھی جس کی وجہ سے آنکھوں کی بینائی جاتی رہی تھی، خداداد ذہانت وجودت طبع کی رہبری سے جادہ علم پر تیزی سے گامزن رہے، فارسی، عربی، اور سنسکرت پر اچھی دستگاہ تھی، فن موسیقی جناب رام داس سے حاصل کیا، ۱۹۲۵ء میں وفات کی، بعد وفات آپ کا دیوان موسوم "نظم دلکش" شائع ہوا،

بن گیا ماتم کدہ دل حشر برپا ہو گیا اٹھ گئے پہلو سے وہ خونِ تمنا ہو گیا
خوف سے کانٹوں کے ہم نے گل نہ توڑے باغ میں عیش کی خواہش میں ہم کو غم کا کھٹکا ہو گیا
ہو گئے بے چین وہ بھی سن کے حالِ دردِ دل گوش زدان کے ہمارا جب فسانا ہو گیا

میں رہا باقی نہ سوزِ داغِ ہجراں رہ گیا اک فقط ذکرِ چراغِ زیرِ داماں رہ گیا
خاک کے پتلے کو حق نے کر دیا سب کچھ عطا کونسی نعمت سے یہ محروم انساں رہ گیا

راحت و تکلیف کی اس کے خبر ملتی نہیں جو یہاں سے داخلِ شہرِ خموشاں ہو گیا
نزع کی حالت میں یہ عالم رہا تقریر کا اقربا بھی مدعا سمجھے نہ مجھ دلگیر کا
اسی سے اچھے برے کی تمیز کر لینا عطا کیا ہے ہمیں حق نے آئینہ دل کا

عارف

چودہری شیو نرائن خلف چودھری بابو لال باشندہ عظیم آباد، ولادت قریب ۱۸۷۰ء، شاگرد جناب شاد عظیم آبادی،

ازل سے لائے تھے مستی جو اس کی خو نہ گئی — جو تھی خمیر کے اندر وہ رنگ و بو نہ گئی
یہ طنز کرتی ہے پھولوں سے کھل کھلا کے کلی — تمہارا رنگ نہ بدلا ہماری خو نہ گئی
تو خال و خط کے محاسن کو چھوڑ اصل کو دیکھ — مکیں کی زینت و رونق مکاں کو چھو نہ گئی
ہیں رو کے اشکوں سے خود اپنے ہو گیا ظاہر — حریم دل میں تری یاد بے وضو نہ گئی
وہ نخل تازہ تریں تھا خیال اے عارف — کہ سوکھ جانے پہ بھی طاقت نمو نہ گئی

عاشق

ماسٹر شنکر دیال کائستھ ولد منشی گردہاری لال ساکن سانڈی، آپ انگریزی اور فارسی کے ایم۔ اے تھے، ۱۹۱۸ء میں بعمر ۶۶ سال انتقال کیا،

پھر تمنا کا ہوا جوش کہ اقرار کرے — پھر تغافل نے نکالا نیا طرز انکار

عاشق

منشی بھولا ناتھ پنڈت ولد پنڈت گوپی ناتھ دیوان سرکار امجد الدولہ

غیروں کی بغل میں تو مری جان رہا گرم — اس رشک سے آنکھوں سے مری خون بہا گرم
قیس نادان سراسر نظر آیا مجھکو — جائیے دشت میں کیوں کوچۂ دلدار کو چھوڑ

عاشق

منشی رام سنگھ کھتری باشندہ دہلی، شاگرد جناب غلام حسین تجلی و شاہ نصیر

حیرت زدہ میں دیکھوں ہوں یوں اسکی بزم میں — تصویر جیسے دیکھے ہے تصویر کی طرف

عاشق

منشی عجائب رائے صاحب

جس کی غیروں سے لڑ رہی ہو نگاہ — ہم کو اس کی کٹار نے مارا

عاشق

منشی سدا سکھ صاحب

شام سے تا صبح عاشق نے بقولِ میر آہ
تجھکو بالیں پر نہ دیکھا کھولی سو سو بار آنکھ

عاشق

پنڈت دیارام صدر الصدور بنارس باشندہ دہلی خلف پنڈت روپ چند

محفل میں جاؤں اس کی میں کتنا ہی آڑ کر
لیکن وہ اٹھ ہی جاتا ہے پھر مجکو تاڑ کر

باہر نکل نہ دیدۂ و دل سے تو میری جاں
بستے ہوئے گھروں کو نہ ظالم اجاڑ کر

زلفوں کا تیری دستِ تطاول دراز ہے
دل عاشقوں کا چھینتی ہے مار دھاڑ کر

میرا بناؤ اس سے بنے کس طرح کہ آہ
وہ دیکھتا ہے مجکو تو تیور بگاڑ کر

عاشق اگرچہ یار نہیں تجھ سے بولتا
بول اس سے جس طرح بھی بنے چھیڑ چھاڑ کر

عاشق

پنڈت شیام نرائن خلف پنڈت رام نرائن باشندہ دہلی

نہ بیقرار ہو اے دل اسے بلائیں گے
جلیں گے غیر مگر ہم مزے اڑائیں گے

سوالِ بوسہ کیا میں نے تو یہ ہنس کے کہا
کہ آج آپ وہی کل کا رنگ لائیں گے

جو بات بات پہ روٹھے علاج کیا اس کا
کہاں تلک اسے ہر روز ہم منائیں گے

کریں گے عشق میں ہم تلخ جانِ شیریں کو
مزہ جو صورتِ فرہاد کچھ نہ پائیں گے

اٹھائے صدمۂ فرقت زیادہ تر عاشق
اب آگے ہم نہ کسی سے بھی دل لگائیں گے

عاشق

منشی بانکے سنگھ باشندہ فرخ آباد، شاگرد جناب مولوی غیاث الدین رامپوری

جو وہ وفا نہیں قولِ وصال کرتے ہیں
تو اس جہان سے ہم بھی وصال کرتے ہیں

ہم اپنے جسم کو اس ماہ کے فراق میں آہ
گھٹا گھٹا کے مثالِ ہلال کرتے ہیں

ہمارے سینہ پہ کالا سا لوٹ جاتا ہے
جب اس کی زلفِ سیہ کا خیال کرتے ہیں

لگی ہے جب سے کہ تاک اپنی دخترِ رز پر
مدام میکدہ کا ہم خیال کرتے ہیں

نزاکت ان کی ہو کس طرح سے بیاں عاؔشق　　خیالِ بوسہ سے لال اپنے گال کرتے ہیں

عاشق

راجہ کلیان سنگھ کائستھ خلف راجہ شتاب رائے ناظم عظیم آباد، باشندہ پٹنہ صاحبِ دیوان ہوئے ہیں،

مچایا ہے جگر نے حشر کا سا شور پہلو میں　　اگر دیکھا ہے یہ حالِ دلِ رنجور پہلو میں

عاشق

لالہ سمپت لال باشندہ فیض آباد، شاگرد جناب مخلص خیر آبادی

میں نے پوچھا کہ مرے دل کا اشارا سمجھے　　بولے کس ناز سے وہ "تیرا کلیجا سمجھے"

ساتھ حسرت کے کہیں اس کو بھی رونا نہ پڑے　　موت آنے کو ہم اس واسطے بیجا سمجھے

کسی رشکِ چمن کے ناز کا کشتہ ہوا ہوں آہ　　چڑھائیں چادرِ گل بلبلیں عاؔشق کے مدفن پر

عاشق

پنڈت شیوراج ناتھ خلف پنڈت کاشی ناتھ کشمیری کول باشندہ دہلی شاگرد جناب مولانا نظاؔم گلشن آبادی و شہزادہ مرزا قیصر بخت فرؔوغ (خلف مرزا قادر بخش گورمانی) آپ کے بزرگ اعلیٰ عہدوں پر ممتاز رہے، آپ پہلے ریاست بنارس میں سپرنٹنڈنٹ کارخانہ جات رہے، بعد ازاں ریلوے میں ملازمت اختیار کر لی، صاحبِ تصانیف کثیرہ ہوئے ہیں، اجمیر شریف کی تصنیف آپ کی خاص تصنیف ہے،

ماجرا اور محبت کا کہوں کس کس سے　　سب یہی پوچھتے ہیں حال تمہارا کیا ہے

ہم برے ہیں تو برے ہی سہی جانے دو　　بزمِ اغیار میں پھر ذکر ہمارا کیا ہے

دل یہ کہتا ہے بہت عشق کا پایا ہے مزہ　　آنکھیں کہتی ہیں ابھی آپنے دیکھا کیا ہے

دیکھیے رکسی بیدرد پہ عاشق ہو کر　　مجھ سے کیوں پوچھتے ہو ہجر میں ہوتا کیا ہے

بیخودی وصل میں اس درجہ بڑھی تھی عاؔشق　　نہ رہا یاد مجھے میری تمنا کیا ہے

میری تربت پہ بھی یادوں کا رہے گا مجمع — پاس داراں کبھی ہوں گے کبھی حسرت ہوگی
آپ جب عرصۂ محشر میں خراماں ہوں گے — ہاتھ جوڑے ہوئے قدموں پہ قیامت ہوگی
وہ بھری بزم میں کہتا ہے اٹھا کر مجھکو — پھر نہ آئے گا اگر کچھ تجھے غیرت ہوگی

ایک بوسہ پہ جو ہم سے اس قدر تکرار کی — اور پسند آئی ہم آغوشی تجھے اغیار کی
کعبہ چھوڑا دیر چھوڑا خاک چھانی در بدر — عشق میں ہم نے بتوں کے اپنی مٹی خوار کی

کبھی دل میں اتر جانا کبھی آنکھوں میں آجانا — رہا کرتا ہے وہ ظالم نہاں برسوں عیاں برسوں
چٹکیاں لیتے کیا پہلو سے سرخ — پاس بیٹھے پہ شرارت اتنی
جب سے دیکھا ہے آئینہ عاشق — خود وہ عاشق ہیں اپنی صورت کے

عاشق

پنڈت کنہیا لال کشمیری خلف پنڈت ٹھاکر داس کشمیری باشندہ دہلی، آخری عمر میں آپنے راجہ مادھو سنگھ تعلقدار امیٹھی ضلع سلطان پور کے یہاں ملازمت کرلی تھی، آپ کی تصانیف میں دیوانِ عاشق، باغِ عاشق، سیرِ کشمیر، مثنویِ گل، تاریخ بغاوتِ ہند وغیرہ ہیں۔ [illegible] میں آپ امیٹھی میں قیام پذیر تھے۔

نہ کی عبادت نہ کچھ ریاضت نہ کی کبھی یادِ حق کوئی دم — الٰہی گناہوں میں عمر ساری الٰہی توبہ الٰہی توبہ
ترا ہے عفو و عطا برابر مرا قصور و خطا سراسر — ہے عفو کی بس امیدواری الٰہی توبہ الٰہی توبہ

نگہ جادو ہو انداز و کرشمہ ہو سحر حسن کا — دلِ ناداں نہ کیوں کر کھائے دھوکا ایسے پُرفن کا
گرفتارِ دو زلف ہوں نہیں اک بات بھی باقی — طریقِ نالہ آتا ہے نہ مجھکو طرز شیون کا

جو تیغ کھینچی ہے سر ہے حاضر لگاؤ بسم اللہ ہاتھ لیکن
تمہاری صورت ہے دل میں میرے لگانا ہاتھ اس کو تم بچا کر

خوش رہے گو نہ گیا وصل سے شاد مجھے
دل کے بہلانے کو کافی ہے تری یاد مجھے

کیا چشمِ ظاہری سوئے باغِ جناں کروں
لازم ہے چشمِ دل کو سوئے باغباں کروں

ہم کو بھی صبر دیگا دیا جس نے تم کو حسن
کیا آپ کا خدا ہے ہمارا خدا نہیں

یا الٰہی نہ ہوں کم جور و ستم قاتل کے
صدمۂ جور اٹھانے کو جگر پیدا ہو

فکرِ دارین سے معذور ہوا خوب ہوا
دل مئے عشق سے مخمور ہوا خوب ہوا

تیر ہے دشنہ ہے خنجر ہے کہ تلوار نظر
صاف جو ہو گئی سینہ کے مرے پار نظر

کون کہتا ہے کہ ہے جان کا دینا مشکل
عشق میں ہم نے تو مشکل کو بھی آسان دیکھا

تجھے نصیب ہے تشبیہِ چشمِ محبوباں
عجب نصیب ہیں تیرے بھی او گل نرگس

عاشق

منشی جگنّاتھ پرشاد عرف ببّو قوم کھتری خلف منشی رادھا کشن باشندہ عظیم آباد ولادت ۱۸۶۱ء شاگرد جناب شادؔ عظیم آبادی ۱۶ اپریل ۱۸۹۴ء کو مرضِ سل میں مبتلا ہو کر وفات کی، وفات سے چند منٹ پیشتر ایک غزل کہی تھی جس کا مقطع مندرجۂ ذیل ہے،

ارادہ ہے کہ اب عاشقؔ بدل دیں
لباسِ تن بہت میلا ہوا ہے

آپ کا دیوان موسوم بہ "کارنامۂ عاشق" ۱۸۹۵ء میں شائع ہوا تھا،

کیا خوب عشق ہے کہ اسے جانتے نہیں
مرتے ہیں جس پہ ہم اسے پہچانتے نہیں

خوگر بنا دیا انھیں رونے کا یار نے
ہنسنا تو طفلِ اشک مرے جانتے نہیں

ناصح تو مجھکو قیس کی ہرگز نہ دے مثال
ہم تو سنی سنائی کبھی مانتے نہیں

بن چکا تھا کل جنازا رہ گیا
جی اٹھا عاشق تمہارا رہ گیا

ہے کوئی جادو نگاہِ ناز میں
آپ نے جس جس کو تاکا رہ گیا

فصلِ گل تو جا چکی عاشقؔ مگر
سر میں ابتک اپنے سودا رہ گیا

قید کچھ زلف نہ تھی زلفِ گرہ گیر میں بھی — ہم تو آزاد رہے خانۂ زنجیر میں بھی
اک حسیں ہم نے تصور میں بنا رکھا ہے — وہی صورت نظر آئی تری تصویر میں بھی

رہا نہ ہوش ترے عشق میں بجا اپنا — بتوں کو سجدہ کیا جان کر خدا اپنا
گلی میں یار کی اللہ ری بے خودی اپنی — میں سب سے پوچھتا پھرتا ہوں خود پتا اپنا

ان کے فقروں میں اگر آیئے گا — دل سے کہتا ہوں کہ پچھتایئے گا
عالمِ نزع ہے فرصت کم ہے — ادھر آنا ہو تو جلد آیئے گا

ہے فرق صرف نام کا پر ذات ایک ہے — تم رام یا رحیم کہو بات ایک ہے

عاشق

کنور گوبند سہائے، شوخ طبع و خود رو شاعر تھے، مشکل زمینوں میں شعر اچھے نکالتے تھے،

نہ کیوں کر لیلیٰ و مجنوں کو ہو الفت میں یکرنگی — ہوئے جب چشمِ جاناں کی محبت میں ہرن کالے
اثر نالوں کا ہو گا برقِ سوزاں سے سوا عاشق — مری آہوں سے ہو جائیں گے جل کر سب چمن کالے

ارم کو لے اڑی وحشت کسی بلقیس کے پیچھے — پریزادوں نے لوٹا ہے سلیماں کی دہائی ہے

عاشق

لالہ گوکل چند قوم کائستھ باشندہ لکھنؤ

آپ کا دل ہم سے شاید کچھ میاں بیزار ہے — ورنہ کیا تشریف لانا اک قدم دشوار ہے
آنکھ سے نیند اڑ گئی اور چین بھی دل کو نہیں — اے طبیبو دیکھیو یہ کون سا آزار ہے

اری اے آہ ہر دم شعلہ ساں اٹھتی ہے کیوں دل سے — خدا کا ڈر نہیں تجھ کو کسی کا گھر جلائے گی

عاصی

لالہ سالگ رام ناظر عدالت فوجداری لکھنؤ

گذر نہ غیر کا ہووے اے یار صحبت میں — ہمی تمھی ہوں یہی ہے بہار صحبت میں
غبارِ غم سے مکدّر ہوئے رقیب ترے — ہوا شریک جو میں خاکسار صحبت میں
خدا کے واسطے لے جذبِ دل اثر یہ دکھا — ہمیں بلائیں وہ بے اختیار صحبت میں
ہنسا کئے وہ رقیبوں سے اور میں شب بھر — بسانِ شمع رہا اشکبار صحبت میں
یہ وقتِ جوش ہے ساقی پلا دے خم کے خم — خدا کے واسطے ہمّت نہ ہار صحبت میں
بہا کے اشک کرو عذر برسرِ محفل — مٹا دُیار کا عاصی غبار صحبت میں

عاصی

منشی جمعیت رائے نائب سر رشتہ دار عدالت فوجداری فرخ آباد باشندہ ادگر پور،

دیکھے ہیں جذب اس دلِ خانہ خراب کے — گوشے الٹ دیئے ہیں انھوں نے نقاب کے
پابندِ رشک رنج نہ کیوں کر ہو دل مرا — کھلوائے بندِ غیر سے تم نے نقاب کے
ہے یہ شفق ہلال کے نزدیک جلوہ گر — ہیں زیب وہ جو پائے حنائی رکاب کے
عاصی خدا کے فضل سے ہم بخشے جائیں گے — اندیشے کچھ نہیں ہمیں روزِ حساب کے

عاصی

منشی گھنشیام لال کائستھ خلف لالہ مولچند باشندہ دہلی ولادت ۱۷۹۷ء شاگرد شاہ نصیر دہلوی، آپ شاہ عالم ثانی کے زمانہ سے بہادر شاہ ظفر تک دفترِ شاہی سے متعلق رہے، خوشنویسی، موسیقی، اور شاعری میں استاد مانے جاتے تھے، فارسی کلام بھی کہتے تھے، ۱۸۶۵ء میں وفات کی، ۱۹۳۹ء میں کائستھ سبھا دہلی نے آپ کا دیوان شائع کرایا تھا، دیوان ان کا نظر سے گذرا ہے غدر سے بیشتر دہلی میں مشاعروں کا بڑا ہنگامہ رہتا تھا، ایک روز شیخ ابراہیم ذوق نے سرِ مشاعرہ مندرجہ ذیل شعر پڑھا۔

چق ترے دالان کی نازک بہت ہے نازنیں — کیا لگائی اس میں ہیں پائے مگس کی تیلیاں

جناب عاصی نے اعتراضاً مندرجہ ذیل قطعہ فی البدیہہ کہکر سنایا۔

ذوق اتنا شعر گوئی کا عبث کس واسطے — قافیہ میں گر نہ تھیں حضرت کے بس کی تیلیاں
آپ ہی منصف ہوں اے صاحب ذرا بہرِ خدا — یار کی چلمن ہو اور پائے مگس کی تیلیاں
شیخ صاحب یہ وہ چلمن ہے کہ جس میں بے دریغ — باندھئے گر ہو سکیں تارِ نفس کی تیلیاں

کاٹ کر پر کس لئے توڑی بتِ بے پیر چونچ — باندھی تھیں طائرِ عنقا کی زیرِ تیر چونچ
چورا چوری لا دیا رانجھے کا پیغام وصال — زاغِ ظلمت کی منڈھا سونے کی اب تو ہیر چونچ
بلبلِ باغِ سخن وہ ہوں کہ میرے سامنے — بند ہو طوطی کی اے عاصی دمِ تقریر چونچ

ناسورِ جگر پر نہ لگا تا کوئی مرہم — رسنے سے ہوا بند تو بس جائیں گے مرہم
دروازے سے بیٹھے ہیں لگا کر ترے سر ہم — اے خانہ خراب اٹھ کے بھلا جائیں کدھر ہم
دانے کے عوض دام میں یاں شام و سحر ہم — منقار سے بس نوچ کے کھا لیتے ہیں پر ہم
اس پہلو میں خنجر ہے ادھر تیر ہے عاصی — لے سکتے ہیں کروٹ نہ اِدھر ہم نہ اُدھر ہم

چاک زنہار روشِ گل کے نہ سینا ہوتا — عشقِ گلرو نہ اگر ھار گلے کا ہوتا
خاکِ در پر تری گر یہ نہ جبیں ساں ہوتا — تو فروغ اس مہِ انور کا نہ اتنا ہوتا
درد پہلو میں مرے کس لئے اٹھتا ظالم — وہ دلارام مرے پاس جو بیٹھا ہوتا

عزیزو ضبطِ اشکِ دیدۂ تر ہو نہیں سکتا — کروں کیا بند کوزے میں سمندر ہو نہیں سکتا
موئے گریہ کا سن کر ماجرا اس نے کہا آخر — کہ اس برسات میں آنا ترے گھر ہو نہیں سکتا

ادھر لپٹی رخِ تاباں پہ زلف اپنے پریشاں کی — ادھر خورشید پر چھائی گھٹا ابس آ کے جھٹ کالی

خیالِ زلف کیوں کر اس دلِ آشفتہ سے جائے　　چھٹائے سے چھٹے کب جب بلا جائے لپٹ کالی

تو اپنی خوبروئی پر غرور اتنا نہ کر ناداں　　کہ ہرگز حسن کا عالم نہ ٹھہرا ہے نہ ٹھیرے گا
دلِ بے تاب کو آئے قرار اے ہمدمو کیوں کر　　کہ پارہ جانتے ہیں ہم نہ ٹھیرا ہے نہ ٹھیرے گا

نہ خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم نہ اِدھر کے ہوئے نہ اُدھر کے ہوئے
رہے دل میں ہمارے یہ رنج و الم نہ اِدھر کے ہوئے نہ اُدھر کے ہوئے
کبھی کعبہ میں ہم نے نہ سجدہ کیا کبھی دیر میں ہم نے جبیں نہ گھسی
رہے آہ اسی افسوس میں ہم نہ اِدھر کے ہوئے نہ اُدھر کے ہوئے
نہ وصال ہوا نہ وصال ہوا اسی رنج و عذاب سے اے عاصی
شب و روز بہاتے ہیں چشم سے یم نہ اِدھر کے ہوئے نہ اُدھر کے ہوئے

عاصی

منشی مہتاب رائے ملازم مطبع اودھ اخبار لکھنؤ

اللہ رے مرتبے ترے کشتہ کے اے صنم　　لینے فرشتے آئے کہاں سے کہاں مجھے
دل میں سراغ نور مجھے یار کا ملا　　مدت کے بعد آیا نظر لامکاں مجھے
بس دیکھیے یہ عاشق و معشوق میں ہے فرق　　بوسہ کے بدلے دیتے ہیں وہ گالیاں مجھے
رکھتا ہوں دوست دل سے سگِ کوئے یار کو　　مرغوب گوشت سے ہے سوا بے گماں مجھے

عاصی

منشی برج باشی لال بھٹناگر رئیس خلف دیوان منشی دھوم سنگھ باشندہ مراد آباد آپ تحصیل امروہہ میں بعہدہ اصلباقی نویس مامور تھے۔ مشکل زمینوں میں اکثر کلام کہتے تھے۔ ۱۸۸۸ء میں آپ کا دیوان موسوم "نغمۂ طرب" شائع ہو چکا ہے، دیوان نظر سے گذرا ہے،

سرد مہری سے بتوں کی عمر بھر کھائی جو ٹھنڈ　　برف کی سل بن گیا سینہ مرا پائی جو ٹھنڈ

قبر پر اچھا ہوا جاڑے میں پالا پڑ گیا
رات کو چھپ چھپ کے اسکے بام پر کھائی جو ٹھنڈ
زندہ تھے جبتک جلاتا ہی رہا وہ شعلہ رو
اب ملا ہے قبر میں آرام کچھ پائی جو ٹھنڈ
آگ کی مانند پانی کا بھی ہوتا ہے اثر
جل گیا گلزار شبنم سے بہت پائی جو ٹھنڈ
اور بھی عاصی زیادہ گرمیِ سودا ہوئی
بیٹھ کر شبنم میں تنہا رات بھر کھائی جو ٹھنڈ

کیا قافلے آنکھوں سے چلے جاتے ہیں یارب
اس راہ میں نقشِ کفِ پا کو نہیں دیکھا
کرتا ہے مرے سامنے حوروں کی جو باتیں
زاہد نے بتِ ہوش ربا کو نہیں دیکھا
حسرت مری جس طرح مجھے پیٹ رہی ہے
یوں میں نے کسی اہلِ عزا کو نہیں دیکھا
ہر ذرہ میں تاباں ہے اسی مہر کا جلوہ
عاصی کہیں کس طرح خدا کو نہیں دیکھا

دل میں گر عشق کے سامان نہ پیدا ہوتے
ایسے ہم کیا تھے جو یوں خلق میں رسوا ہوتے
شوخ چشمی کے مزے ان سے اٹھاتے کیا کیا
باغِ ہستی میں جو ہم نرگسِ شہلا ہوتے
دم نکلتا نہ غمِ یاس میں بہتر ہوتا
کاش دنیا میں نہ ہم اہلِ تمنا ہوتے
کعبہ و دیر میں کچھ فرق نہ ہوتا عاصی
اہلِ دنیا جو فریبوں سے مبرا ہوتے

سر میں بسی ہوئی ہے یہ قاتل کے بوئے تیغ
کرتا نہیں وہ بات بجز گفتگوئے تیغ
مجھ سخت جاں پہ ہاتھ نہ مقتل میں ڈالئے
پانی نہ کیجئے گا عبث آبروئے تیغ
وہ سر فروشیاں وہ جوانی گذر گئی
اب وہ جگر کہاں کہ ہوں روبروئے تیغ
عاصی وہ باز آتا ہے کب کشت و خون سے
جاتی نہیں دماغ سے قاتل کے بوئے تیغ

رباعیات

تحریر کی کچھ نہیں ضرورت ہرگز
تقریر کی کچھ نہیں ضرورت ہرگز
تقدیر میں وصل ہے تو ہوگا عاصی
تدبیر کی کچھ نہیں ضرورت ہرگز

میں فیضِ ہنر سے ہوں وہ جوہر ایجاد
گو مٹتے ہیں دیتے ہیں عدو بھی داد
دیکھے جو گلستانِ کلامِ رنگیں
سعدی بھی کہے کہ واہ عاصی استاد

ہے کوئی یہاں پر صاحبِ حشمت وجاہ
اور کوئی مصیبت میں پریشان وتباہ
ڈریئے گا دورنگیٔ جہاں سے عاصی
وہ شان ہے کبریا کی اللہ اللہ

عاصی

رائے سروپ سنگھ ولد رائے نانک چند، باشندہ حیدرآباد دکن ولادت ۱۸۹۴ء، شاگرد جناب زیرک، پیشہ وکالت،

چند اشعار "سہرا"

عنبر افشاں ہے جو رخ پر گلِ تر کا سہرا
نور افشاں رخِ تاباں سے ہے زر کا سہرا
ساری محفل کی نگاہیں جو پڑیں سہرے پر
بن گیا سہرے پہ اک تارِ نظر کا سہرا
ابر سے چاند نکلتا نظر آیا سب کو
رخِ نوشہ سے جو اک بار بھی سر کا سہرا
بن گیا، نکلیں جو اک بار دعائیں عاصی
پھولوں کے سہرے پہ گلہائے اثر کا سہرا

عاصی

منشی مہادیو پرشاد ولد منشی گنگا پرشاد قوم کائستھ باشندہ لکھنؤ، ولادت قریب ۱۸۷۵ء آپ کے بزرگ شاہ نصیر الدین حیدر والیِ اودھ کے دربار میں اعلیٰ عہدوں پر ممتاز رہے، آپ اردو، فارسی اور ہندی تینوں زبانوں میں شعر کہتے تھے

عشق نے جھگڑا مٹایا کافر و دیندار کا
دانۂ تسبیح سے رشتہ ملا زنار کا

سحر ہے عالم پہ اس کے پرتوِ انوار کا
ذرہ ذرہ میں ہے پیدا حوصلہ دیدار کا
کشتیِ عاصی کو ہے موجِ حوادث کا خطر
ناخدائی کیجئے فرماں روائے دوار کا

مرحبا صد مرحبا دل نذرِ دلبر ہوگیا
پہلوئے بیدل ہمارا یار کا گھر ہوگیا
جسمِ خاکی پر پڑی جب مہرِ مرشد کی ضیاء
ذرہ ذرہ نورِ ایماں سے منور ہوگیا

مل گیا جب سے مئے وحدت کا تھوڑا سا مزہ
دُردِ خم میرے لئے کوثر سے بہتر ہو گیا
اشک عاصیؔ فیضِ مرشد سے ہوئے معجز نما
داغِ عصیاں دھل گئے دامن اگر تر ہو گیا

زن و فرزند و خویش و اقربا کا زعم باطل تھا
انیس با وفا وقتِ مصیبت اک مرا دل تھا
اٹھایا تم نے کیا مجکو اٹھا دی بزم کی گرمی
دلِ سوزاں مرا رونق فزائے حسنِ محفل تھا

اک بتِ نایاب پر مائل طبیعت ہو گئی
تھی کشش دل کی کہ بے صورت کی مورت ہو گئی
تیرا عکسِ رخ پڑا آئینۂ کونین پر
اس دوئی کے ہاتھ سے وحدت میں کثرت ہو گئی
ہم عدم میں تھے تو نورِ حق کا وحدت نام تھا
روشنی وحدت کی جب پھیلی تو کثرت ہو گئی

کیا ہوا دل مرا پہلو میں جو پایا نہ گیا
ان نگاہوں کے سوا اور تو آیا نہ گیا
وہ نقاب رخِ جاناں ہو کہ ہو پردۂ در
حسنِ پُر نور کسی سے بھی چھپایا نہ گیا
مختصر رازِ حقیقت کی حقیقت یہ ہے
عاصیِ ہیچمداں کو وہ بتایا نہ گیا

ان کے چہرے پہ ہے شباب کا رنگ
ہیچ ہے غازہ و گلاب کا رنگ
شیخ جی بزمِ مے پرستاں میں
جم چکا جم چکا جناب کا رنگ
خونِ دل سے لکھا تو ہے نامہ
دیکھنا ہے مجھے جواب کا رنگ
ہو گئی صبح شام آتے ہی
تھا شبِ وصل میں شباب کا رنگ
حسن خود آیا آئینہ بن کر
دیکھنے کو ترے شباب کا رنگ

عاقل

رائے سکھرام، وطن پنجاب، ۱۸۷۰ء سے قبل وفات کی،

نزلس اپنے سے کیا اسکو میں رخصت عاقلؔ
جب مرا بسن چلا میں نے خدا کو سونپا

عاقل

لالہ مکھن لال ملازم عملۂ عدالت کلکٹری الہ آباد

بے نشانی اس چمن میں ہے نشانِ عندلیب — شہپرِ عنقا ہے چوبِ آستانِ عندلیب
ہے گلستانِ جہاں میں عاقلِ شیریں سخن — ہمصفیر و ہم نوا ہم داستانِ عندلیب

عاقل

منشی کیشو داس خلف دیوان کشن کشور رئیس و آنریری مجسٹریٹ لاہور

شاگرد جناب تاجور نجیب آبادی،

ان کے ہر ایک لطف میں پنہاں ہیں سو ستم — گل کر دیا ہے رشک نے شمع مزار کو

عاقل

جناب رما شنکر صاحب

اس کے لبوں کے سامنے جامِ شراب ہے — گویا کہ دو ہلالوں میں اک آفتاب ہے
مرتا ہوں میں تو اس بتِ جادو جمال پر — جس کی چڑھی جوانی پہ نازاں شباب ہے
ممکن نہیں کہ خاک سے میری سبو بنے — مرنے کے بعد بھی مری مٹی خراب ہے
کہتے ہیں وہ کہ کیجئے فردا کا انتظار — یاں تو قیامت آج ہی اپنے حساب ہے
مجھ سے نہ ہوگی خاک بھی پرسش بروزِ حشر — ہندوں پہ اس کا رحم اگر بے حساب ہے

عامل

منشی رام پرشاد کھتری ولد لالہ شیو پرشاد باشندہ لکھنؤ شاگرد جناب مہراج سکھرام داس اخلاص، آپ کا وطن آبائی لاہور تھا، آپ کی تصنیفات میں ایکادشی مہاتم، بحرِ طلسم، دریائے طلسم ہیں اپنا حال ایک مثنوی مندرجہ ذیل میں نظم کیا ہے،

میں کہ اک بندۂ ناچیز ناشاد — مجھے کہتی ہے خلقت رام پرشاد
پدر تھے میرے شیو پرشاد نامی — بقوم کھتری و استاد نامی
بزرگوں کا وطن ہے شہر لاہور — عجب رنگیں چمن ہے شہر لاہور

چھڑایا بختِ واژوں نے وطن سے
اڑایا صورتِ بلبل چمن سے
غرض مدت سے یاں لشاد ہوں ہیں
میانِ لکھنؤ آبا د ہوں میں

عبرت

منشی گورکھ پرشاد کپن قوم کائستھ، ساکن گورکھپور، رگھوپتی سہائے فراق آپکے فرزند تھے جو اپنے وقت کے نامی استاد شاعر تھے،

میں دورِ جنوں میں نہ ہوا عقل سے باہر
آپ اپنے گریبان کو پھاڑا بھی سیا بھی
کب تم کو خبر تم نے تو کروٹ بھی نہ بدلی
میں درد سے سو مرتبہ بیٹھا بھی اٹھا بھی

میں برگ ہوں نہ بار ہوں گل ہوں نہ خار ہوں
لوٹے خزاں جسے نہ کبھی وہ بہار ہوں

عبرت

منشی دولت رام خلف رائے ہیرالال باشندہ دہلی، شاگرد جناب شیخ ابراہیم صاحب ذوق دہلوی و مولانا ظہیر، ۱۸۶۹ء میں قریب ستر سال کی عمر میں وفات کی،

پہلے تو غصہ ہوئے غیر کے بہکانے سے
بارے کچھ سوچ کے سمجھے مرے سمجھانے سے
کونسا ہے وہ پریزاد کہ جسے تم عبرت
دیکھے دل ایسے بنے پھرتے ہو دیوانے سے

روسیاہی گو اٹھائی عشق میں ہم نے بہت
لیک مانندِ نگیں نام اپنا روشن ہو گیا
ہر دم صبا سے ہے طلبِ بوئے زلفِ یار
لڑتے ہیں بات بات میں اب تو ہوا سے ہم
سخت جانی تو نے شرمندہ کیا قاتل سے ہائے
وقتِ کشتن پھر گیا منھ یار کی تلوار کا
عامل ہزار سورۂ جن مجھ پہ دم کریں
پر اس پری کی زلف کا سایا نہ جائیگا
تمہاری بات کا جب ہم کو اعتبار نہ ہو
تمہی بتاؤ کہ دل کیونکہ[ع] بیقرار نہ ہو
تم کو چاہا جو صنم ہم نے برائی کیا کی
الفت انسان کو ہو جاتی ہے انسان کے ساتھ

ع قدیم شعراء کیونکہ کو کیونکر کے معنی میں باندھتے تھے ۱۲

عبورؔ

کنور رام سہائے خلف راجہ جیا لال گلشنؔ قوم کایستھ، باشندہ لکھنؤ، ولادت ۱۸۲۵ء اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے، ۱۹۰۹ء میں بعمر ۸۴ سال وفات کی،

مریضِ غم کی صورت دیکھکر بولے مکرّر وہ
یہ اچھا ہو نہیں سکتا یہ اچھا ہو نہیں سکتا

جو دل دیکے ہوا بوسہ کا میں طالب تو وہ بولا
گراں قیمت ہے، یہ مال ایسا سستا ہو نہیں سکتا

نہیں اسکو خبر ہم کھیلتے ہیں جان پر اپنی
تماشہ ہے کہ وہ محوِ تماشا ہو نہیں سکتا

اے برق کس کے خرمنِ ہستی پہ ہے نظر
کچھ بھید تو بتا مجھے اس اضطراب کا

عجائبؔ

لالہ عجائب رائے شاگرد جناب میر حسنؔ

نہیں ہے اس طرح کا دل مجھے درکار پہلو میں
کہ نت رہتا ہے میرے درپئے آزار پہلو میں

عزیزؔ

منشی کنور سین کایستھ خلف منشی ندھی لال باشندہ دہلی شاگرد جناب ذوقؔ دہلوی، پیشہ معلّمی، ۱۸۷۰ء میں رحلت کی،

بزمِ عشّاق میں تو رنجشِ تدبیر نہ کھینچ
بات کو طول نہ دے وقتِ تقریر نہ کھینچ

عزیزؔ

منشی جمعیت رائے منصرم محکمہ بندوبست تحصیل اٹک

عندلیب آتی ہے اس جا پہ جہاں ہوتا ہے گل
اپنی محفل سے اٹھاتے ہو عبث تم مجھکو

تیغِ ابرو کے تصوّر میں گلا کاٹ لیا
ڈھونڈ لیتے ہیں بہانہ کوئی مرنے والے

مرتے مرتے میں لے لیا بوسہ
میں ہوں قربان اپنی جرأت کے

عزیزؔ

لالہ شیو ناتھ مہاجن باشندہ دہلی

لیا دل اک نگہہ میں دلربائی اس کو کہتے ہیں   کیا بیگانہ سب سے آشنائی اسکو کہتے ہیں

عزیز

منشی مہاراج سنگھ کائستھ شاگرد حضرت شاہ نصیر، آپنے اپنے استاد مرحوم کا پراگندہ کلام بڑی محنت سے جمع کرکے مرتب کیا تھا آپ بھی صاحب دیوان ہوئے ہیں، ایام غدر میں وفات کی،

لیکے تقدیر دل کبھی جو ایک بوسہ بھی نہ دے   اے عزیز اس مفت بر سے کس طرح سودا بنے

ہوا نہ صاف وہ آئینہ رو کبھی ہم سے   سدا ہماری طرف سے اسے غبار رہا

جام مے گل رنگ سے واقف نہیں ساقی   غنچہ کی طرح پیتے ہیں خون جگر اپنا

ضعف سے ہر رگ تن جس کی ہو تار بستر   کیونکہ وہ بستر بیماری سے اٹھے بیٹھے

پہلے ہی کشتہ تھے ہم اس نرگس مخمور کے   تس پہ کافر اوریہ سرمہ کا دنبالہ بنا

عزیز

پنڈت شام ناتھ خلف رائے صاحب پنڈت منوہر ناتھ زتشی دہلوی، اکاؤنٹینٹ محکمہ پبلک ورکس پنجاب،

غنچہ دل مرا کھلاتا جا   شکل بہر خدا دکھاتا جا

عزم رخصت اگر مصمم ہے   مجکو راہ عدم بتاتا جا

ہائے تجھ بن نہیں ہے کل پڑتی   جا یہ جھگڑا اگر چکاتا جا

بیکلی ہے عزیز کو پیارے   اس کی تدبیر کچھ بتاتا جا

گئی افسوس جوانی مری برباد عزیز   کچھ نہ سمجھے کہ یہ افتادہ مصیبت کیا ہے

دلبر تو ہم نے مانا ادھر سے نکل گیا   پہلو سے دل بتاؤ کدھر سے نکل گیا

آنکھ گو مست ہے بدمستوں کی   لیک باطن میں تو بیدار ہے دل

عزیز

لالہ بھکاری لال باشندہ دہلی، شاگرد جناب میر درد، فارسی کلام خوب کہتے تھے

قطعہ

آرام وصل و ہجر میں ممکن نہیں ہمیں
یوں ہی ہمیشہ مضطرب اے رشکِ ماہ تھے
اب ہجر میں بھی حسرتِ دیدار ہے جی
جب وصل تھا تو کشتۂ تیغِ نگاہ تھے

ملیں کیوں کر بھلا اس شوخ طفلِ لا ابالی سے
کہ سوتے سوتے جو چونکے ہے تصویرِ نہالی سے
جو دم کہ اٹھتا ہے وہ ہے تیر ہوائی
جو سانس کہ پلٹے ہے سو برچھی کی انی ہے
ایسا ہے لعلِ لب کا ترے یار رنگ سرخ
یاقوت جس کے آگے لگے ایک سنگِ سرخ
کرے نہ یار اگر دل کو صاف کینے سے
عزیز موت بھلی پھر تو ایسے جینے سے
بات اب امتحاں پہ آئی ہے
قصہ کوتاہ جاں پہ آئی ہے

عزیز

لالہ دیبی پرشاد ولد لالہ لکھمن لال، باشندہ شاہجہان پور، مقیم فتحگڈھ

اس دل میں ہے خیال جو گیسوئے یار کا
عالم ہے روزِ ہجر میں شبہائے تار کا
آتا ہے یہ بھی شامِ جدائی میں اپنے کام
ہر داغ دل چراغ ہے شبہائے تار کا
تار اہے آنسوؤں کا بنا رشتۂ گہر
رونے میں تھا خیال جو دندانِ یار کا
کھائے ہیں گل جو عشق میں اس گلعذار کے
عاشق کا قد درخت بنا ہے چنار کا
آنکھوں سے گو ہے دور وہ محبوب اے عزیز
دل میں مگر خیال ہے ہر وقت یار کا

عش

پنڈت رتن نرائن کشمیری ولد پنڈت کشن نرائن کشمیری باشندہ لکھنو۔
ولادت ۱۸۹۰ء آپ نے الہ آباد سے بی۔ اے کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد سررشتہ تعلیم میں ملازمت کی، بعدازاں ڈپٹی انسپکٹر آف اسکول سیتاپور مقرر ہو گئے۔

مرتبہ عشقِ مجازی کا دوبالا ہو جائے
گلِ تصویر پہ بلبل کہیں شیدا ہو جائے
اڑکے بازوئے شکستہ سے چمن تک پہونچوں
چار تنکوں کا اگر مجھ کو سہارا ہو جائے
تو جو آجائے مرے دل کی مرادیں لے کر
دردِ دل غیر کی قسمت کا نوشتا ہو جائے

بندہ بنا کے گردشِ لیل و نہار کا — انسان نام رکھ دیا مشتِ غبار کا
ہستیِ گل بتاؤں تجھے کیا میں عندلیب — ہے اک حباب موجِ نسیمِ بہار کا

ہے طلسمِ حیرت افزا جس کا دنیا نام ہے — مرگ و ہستی کا سمجھنا اک خیالِ خام ہے
سارا عالم جب تمہارے چاہنے والوں میں ہے — پھر ہماری آرزو کیوں مفت میں بدنام ہے

جنونِ عشق میں احساس کیا ہو یاس و حرماں کا — اسیرانِ محبت کیا کہیں گے حال زنداں کا
کوئی آساں نہیں تبدیلِ دورِ زماں ہونا — قیامت ہو کے ممکن ہے زمیں کا آسماں ہونا
وہ حوصلہ وہ ضبط کی طاقت نہیں رہی — اے غم معاف کر، وہ طبیعت نہیں رہی

عشرت

منشی میکو لال کائستھ باشندہ لکھنؤ مقیم دہرہ دون، شاگرد و جانشین حضرت جلال لکھنوی، ۱۹۳۰ء سے کچھ پیشتر وفات کی،

مہرباں جو وہ مہِ کامل نہیں — چاندنی راتوں سے کچھ حاصل نہیں
ذکر ہر جا ہے تری بیداد کا — زخم سے خالی کسی کا دل نہیں

خدا نے تو بخشے دہن اچھے اچھے — بتو! کیوں نہیں ہیں سخن اچھے اچھے
تقصیر نہ تھی لیکن تعزیر نظر آئی — گیسوئے مسلسل کی زنجیر نظر آئی

عشرت

بابو نانک چند کائستھ ولد لالہ منشی لال وطن بلرام پور ضلع گونڈہ ولادت ۱۸۹۸ء آپ کے آباء و اجداد ریاست عالیہ بلرام پور میں اطلاق نویس تھے، فارغ البالی سے بسر اوقات کرتے تھے، نائب ریاست کی ناخوشی کے باعث یہ عہدہ جاتا رہا مصیبت میں مصیبت پیش آئی کہ آپ کی عمر ابھی گیارہ سال کی تھی کہ ماں باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا، آپ کے تین چھوٹے بھائی اور تھے، خدمات دیرینہ کے صلہ میں ریاست سے

گذارہ کے لئے آٹھ روپیہ ماہوار مقرر ہو گئے، مگر یہ رقم پرورش کے لئے ناکافی تھی، لہذا آپ نے رئیسوں کے چھوٹے بچوں کو پڑھانا شروع کر دیا، ساتھ ہی اکتساب علم بھی کرتے رہے، ۱۹۲۰ء میں کائستھ پاٹھ شالا الہ آباد سے بی اے کیا، ۱۹۲۱ء میں بنارس ہندو یونیورسٹی سے ایل۔ ٹی کا امتحان پاس کیا، مگر ٹیوشن پڑھانے کا سلسلہ برابر جاری رکھا۔ ہر امتحان میں وظیفہ حاصل کیا، ۱۹۲۱ء میں بلرام پور میں سکول ماسٹر ہو گئے، پرائیویٹ طور پر فارسی میں ایم۔ اے کی ڈگری حاصل کی، بعد ازاں پنجاب یونیورسٹی سے منشی ادیب فاضل کا امتحان پاس کیا، ۱۹۳۰ء میں ہندی میں ایم اے پاس کیا، ساہتیہ سمیلن کے اعلیٰ امتحانات میں ساہتیہ رتن کی بھی ڈگری حاصل کی ایام طالبعلمی سے ہی شاعری کا شوق تھا،

آغاز ہے اس عشق کا انجام نہیں ہے
زینے تو ہزاروں ہیں مگر بام نہیں ہے
میخانہ میں کیوں میرے لئے جام نہیں ہے
ہو نام کے ساقی نگہہ عام نہیں ہے
ان آنکھوں کے قربان ادھر ایک نظر اور
پھر مجکو تو میخانہ سے کچھ کام نہیں ہے

ہم کو کیا، دریا اگر لبریز میخانے میں ہے
ہم تو اتنی جانتے ہیں جتنی پیمانے میں ہے
آنکھ میں مستی تبسم لب پہ ساغر ہاتھ میں
آج ساقی حاصل میخانہ میخانے میں ہے
اک تلاطم سا دل میں برپا ہے
نا امیدی یہ ماجرا کیا ہے
درد، بدنامی، ضبط، محویت
کیا بتاؤں کہ عشق کیا کیا ہے

عشرت

لالہ مٹھن ولد لالہ بمبئی لال مولد قصبہ کھتولی ضلع مظفر نگر، متوطن صدر بازار دہلی شاگرد جناب خورشید علی جوہر و اکبر حیدری،

مجازاً گو رسائی عشق کی حسن بتاں تک ہے
حقیقت میں خدا ہی خوب واقف ہے کہاں تک ہے
بہار آتے ہی ہو جائیں گے ٹکڑے جیب و داماں کے
جنوں کی پردہ داری رخصت عہد خزاں تک ہے

مجھے بیخودی میں نہیں خبر کہ ہے روئے قبلہ نما کدھر — ترے سنگِ در پہ رکھا ہے سر ہے غرض ادائے نماز سے
یہ تماشہ قابلِ دید ہے یہ عجیب گفت و شنید ہے — کہ وہ پیشِ آئینہ کر رہے ہیں نیاز آئینہ ساز سے

شوخی تو دیکھئے کہ تصور میں زلفِ یار — شیرازۂ حیات بنی اور بکھر گئی
پردے مرے حریمِ تمنا کے اٹھ گئے — عشرتؔ تری نگاہ بڑا کام کر گئی

مٹتے مٹتے مٹ گیا جب دل سے حرفِ آرزو — پھر خیالِ دلدہی بندہ نواز آیا تو کیا
سجدے ہیں مضطرب ادھر میرے سرِ نیاز میں — نقشِ قدم ادھر ترا گم ہے ہجومِ ناز میں

عشرت

ٹھاکر گنگا بخش سنگھ تعلقدار رامپور کلاں و لسبوان وغیرہ علاقہ لکھنؤ

اشارے ہو چکے غیروں سے لڑ چکی آنکھیں — ادھر بھی ایک نظر اے صنم خدا کے لئے
وہ حال سنکے بھی جب رحم کچھ نہیں کرتے — تو کوششیں ہیں عبث عرضِ مدعا کے لئے
گلہ وہ جوروں کا سنکر بگڑ کے کہتے ہیں — جفا ہے تیرے لئے اور تو جفا کے لئے

عشق

منشی کلیان سنگھ

اس دن کو میں جانوں گا شبِ قدر سے بہتر — جس رات مرے گھر میں وہ مہمان رہے گا
کیا مزہ اس کا ہم کہیں تم کو — تم بھی صاحب کسی پہ مر دیکھو

عطا

رائے ایشری پرشاد کالستھ خلف رائے لچھمی پرشاد باشندہ عظیم آباد شاگرد جناب شادؔ عظیم آبادی، آپ کی ایک کتاب موسوم "عروضِ ایشری" چھپکر بہت مقبول ہو چکی ہے، سنہ ۱۹۲۵ء میں بعمر ۶۰ سال وفات کی،

خدا کے واسطے اتنا تو کہدے میرے قاتل سے — قیامت ہے ترا آنکھیں چرانا اپنے بسمل سے
ہوا و حرص کو رہنے نہ دیگا اپنی حالت پر — مٹا دیگا عطاؔ اس زنگ کو آئینۂ دل سے

شکر ہم کس کا کریں اے ناصح — جو کہ شاکر ہے وہی مشکور ہے
ذکر میری وفا کا سن کے کہا — کیسی بے مثل یہ کہانی ہے

عمدہ

پنڈت سیتا رام کشمیری ولدیت پنڈت زندہ رام موٗلا باشندہ دہلی مقیم الٰہ آباد شاگرد جناب انعام اللہ خاں یقین، عمدہ صاحب کے دو بھائی اور تھے راجہ دیارام ناشاد اور پنڈت ٹیکا رام ظفر، موٗلا صاحب نے دہلی سے منتقل ہو کر الہ آباد میں سکونت اختیار کر لی تھی، عمدہ صاحب کی عمر ابھی پچیس سال کی تھی کہ اس جہانِ فانی سے کوچ کر گئے، عمدہ صاحب نے قریب دس ہزار بیت فارسی میں کہے تھے، جن کو ان کے والد موٗلا صاحب نے عمدہ کی وفات کے بعد بصورتِ دیوان شائع کرائے تھے، عمدہ صاحب کا زمانہ قریب ۱۷۵۳ء خیال کیا جاتا ہے،

کسی کے سینہ میں ہرگز مرا سا داغ نہ تھا — مرے چراغ سے روشن کوئی چراغ نہ تھا
چمن میں کھینچ کے لائے ہیں گلرخاں مجکو — وگرنہ سیرِ چمن کا مجھے دماغ نہ تھا

ناحق تو بتوں سے آشنا ہوتا ہے — کیوں درد و بلا میں مبتلا ہوتا ہے
مطلق نہ مروّت ہے انھوں میں نہ وفا — مجھ سے بھی عبث دل تو جدا ہوتا ہے

کہے گا یار سے لے دل تو غم اپنا تو کیا ہوگا — دکھا اپنا شمع سے کہہ کہہ کے پروانے نے کیا پایا
مرے تابوت پر حاجت نہیں پھولوں کی چادر کی — کہ میری لاش پر پردہ سرو گل رخسار پہنچے گا
خراب مجکو نہ کر جان آشنا کہہ کر — برا کرے ہے کسو سے کوئی بھلا کر کے

عنایت

کنور عنایت سنگھ کائتھ ولد راجہ لال جی سنگھ رئیس باشندہ لکھنؤ شاگرد جناب جواہر سنگھ جوہر، صاحبِ دیوان ہوئے ہیں، ۱۹۰۲ء میں وفات کی،

جدا کر دو تکلف کو نہ بیٹھو میہماں ہو کر
رہو پہلو میں دل ہو کر مرے سینہ میں جاں ہو کر
دلِ پر داغ میں ہوتے ہوئے آنکھوں میں آبیٹھو
تماشہ دیکھنے دریا کا آؤ گلستاں ہو کر
عجب شانِ خدا ہے بعدِ مردن بھی رہے غمگیں
رقیب آئے ہیں تربت پر ہماری نوحہ خواں ہو کر

ہو گیا ہے اس پری پیکر کا گھائل آفتاب
غرق ہے خونِ شفق میں مثلِ بسمل آفتاب
مانگ چوٹی رخ جبیں سے انکی ہیں خوبی میں کم
کہکشاں عقدِ ثریا ماہِ کامل آفتاب

جب سے سنا کہ مہندی لگی ہے نہ آئیں گے
بدلا ہوا ہے رنگ دلِ بے قرار کا
وہ سوزِ عشق شعلہ رخاں ہے کہ بعدِ مرگ
یہ داغِ دل چراغ بنے گا مزار کا

وہ کاکل شانہ پر لٹکی ہوئی اس بت کی یاد آئی
عنایت جب نظر کی ہم نے زنّارِ برہمن پر
اربابِ عشق کی ہے طبیعت جدا جدا
بلبل کو رنگِ گل ہے تو بھونرے کو بو پسند

عنبر

منشی اقبال پرشاد ولد منشی بہاری لال قوم کائستھ باشندہ قصبہ زید پور ضلع بارہ بنکی، ولادت ۱۸۷۴ء شاگرد جناب کھنوّلال تائب لکھنوی۔ آپ بارہ بنکی میں رجسٹرار قانون گو کے عہدہ پر فائز تھے، آپ کا آبائی وطن دہلی تھا، حضرت شاہ عالمگیر کے عہد میں آپ کے جدِ اعلیٰ وقائع نگار اودھ تھے، اسی وقت سے سکونت اودھ میں ہے، آپکی تصنیفات میں سدا ماچرتر، مثنوی شگوفہ، مثنوی ثمرہ راستی، قصہ راجہ ہریشچندر دیوان باغ عنبر، دیوان ریاضِ عنبر، امبر ساگر، ترانۂ سخن، ہنومان استت، ہیں۔

سرائے ہستی ہے جائے عبرت عجب زمانے کا حال دیکھا
بہت سے اہلِ دوَل کا ہم نے عروج دیکھا زوال دیکھا
فلک پہ پہونچے جو جا کے بادل زمیں پہ برسے وہ آب ہو کر
اٹھایا جس نے غرور سے سر اسی کو بس پائمال دیکھا

کسی کی قسمت میں ہے تباہی کسی کے سر پہ ہے تاجِ شاہی
کسی کو حاصل ہوئی گدائی کسی کو خورسند حالی دیکھا

ہزاروں مٹ گئے لاکھوں کے تن میں جاں آئی — نگاہِ ناز کا ان کی عجب حساب رہا
کبھی خوشی سے اٹھا گر تو غم سے بیٹھ رہا — جہاں کے بحر میں دل صورتِ حباب رہا

ناصحا دل سے نہ جائیگا خیالِ حسنِ یار — کون کھو دیتا ہے دولت ہاتھ میں آئی ہوئی
روئے روشن کے تصور نے نہ دل کو چین دی — لی خیالِ زلف نے کل شب کو نیند آئی ہوئی

گلشن کی ہوا بدلی گھنگھور گھٹا چھائی — لے جام مئے گلگوں ساقی ہے بہار آئی
عیسیٰ سے کہے کوئی مردہ کو کیا زندہ — یہ درد مرا جائے تب جانیں مسیحائی

عندلیب

لالہ گوبند سنگھ باشندہ دہلی مصنف "قصۂ نغمۂ عندلیب" شاگرد جناب امیر حسن خاں

عرش سے فرش تلک فرش سے افلاک تلک — جس طرف جائے نظر جلوہ ہے اس کا پیدا

عیّاش

لالہ خیالی رام کایستھ باشندہ دہلی، شاگرد جناب شاہ نصیر دہلوی

جام ہے ہاتھ میں اور شیشۂ مے زیرِ بغل — نہیں عیّاش کو اب بزمِ خرابات سے چھوٹ

عیش

رائے عزت سنگھ منشی دفتر خانہ خالصہ شریفہ، باشندہ دہلی، شاگرد جناب مولوی امام صہبائی و شاہ نصیر۔ زمانۂ غدر میں ایک مسلمان عورت پر فدا ہو کر مذہب اسلام قبول کر لیا تھا۔

تو پستی اور بلندی سے کبھی غافل نہ ہو منعم — کہیں نیچی کہیں یہ راہِ ناہموار اونچی ہے
رہی جب تک کہ نیچی تھا زمیں پر شورِ محشر کا — بنے گی کیا قیامت پر نگاہِ یار اونچی ہے

عیش

منشی جوالا پرشاد انسپکٹر سررشتہ دار کچہری پولس ضلع فرخ آباد، خلف لالہ کالکا پرشاد، شاگرد جناب کلب حسین خاں نادر

تسخیر کہ جادو ہمیں کیا کر نہیں آتا
قابو میں مگر وہ بت خودسر نہیں آتا

منہ سے ہو صفت اس یم خوبی کی بھلا کیا
کوزے میں مری جان سمندر نہیں آتا

کیا رنج ہے ساقی کو مری بادہ کشی سے
کیوں آج چھلکتا ہوا ساغر نہیں آتا

فردائے قیامت کو ہیں دیدار کے وعدے
کچھ آج تو وہ فتنۂ محشر نہیں آتا

کچھ دور نہیں غیر سے چھپ کر جو وہ آئیں
بیباک ہیں چالاک ہیں کیا کر نہیں آتا

شمع رُخ پر نور کے پروانے ہیں عاشق
اس آگ میں جلنے کو سمندر نہیں آتا

سکتہ جو ہوا عیش کو حیران ہیں احباب
پر آئینہ لے کر وہ ستمگر نہیں آتا

(غ)

غافل

منشی پیارے لال کائستھ خلف منشی جوالا پرشاد باشندہ مرادآباد، شاگرد جناب بنواری لال شعلہ، ولادت ۱۸۷۷ء آپ کے والد کلکٹری بدایوں میں جنرل سپرنٹنڈینٹ تھے، اور آپ بریلی میں قرق امین تھے۔

رہا پنہاں وہ سو سو رنگ سے دل پر عیاں ہو کر
بسا آنکھوں میں لیکن چشم مردن سے نہاں ہو کر

کٹا جاتا ہوں غیرت سے کہ قاتل ٹھیک کہتا ہے
شہادت کیلئے آئے اور اتنے سخت جاں ہو کر

بڑھتے بڑھتے خود بخود گھٹ جائیگا درد جگر
انتہائے درد ہی آخر دوا ہو جائیگی

کیا بگاڑے گی مرا میرے عدو کی بد دعا
ہے خدا سیدھا تو غافل وہ دعا ہو جائیگی

چشم خوابیدہ میں بیدار نظر رکھتے ہیں
بے خبر تیرے دو عالم کی خبر رکھتے ہیں

دین کا ہوش نہ دنیا کی خبر رکھتے ہیں
مست ہیں ساقیِ کوثر پہ نظر رکھتے ہیں

عروجِ سربلندی ہم نے پایا خاک میں مل کر
نکل آیا زمیں کی تہہ میں زینۂ بامِ رفعت کا
بہار آنے دو پھر تم دیکھ لینا شورشیں دل کی
ابھی کیا پوچھتے ہو حال مجھ سے میری وحشت کا

دل کی ہر منزل میں ہیں سو سو جگہ دیر و حرم
گوشہ گوشہ اس مکاں کا جلوہ گاہِ یار ہے
چیر کر دل بھی دکھا دوں تو نتیجہ کیا ہے
بے زباں کے نہیں امکان میں گویا ہونا

غافل

لالہ رلئے سنگھ باشندہ دہلی۔ آپ حساب میں اچھی مہارت رکھتے تھے

وصف کرتا ہے ان لبوں کا جب
غافل اسوقت لعل اگلتا ہے

غافل

لالہ بختاور سنگھ باشندہ مراد آباد مقیم آگرہ، میاں بسمل، تشکل، و میر تراب علی عادل آپ کے خاص شاگردوں میں تھے،

صاف کرتا رہا کچھ مجھ پہ وہ تلوار کے ہاتھ
اٹھ کے پکڑے نہ کسی نے مرے خونخوار کے ہاتھ
مجھ سا ہوگا نہ کوئی اہلِ وفا اے غافل
کہ مری خاک سے بھی بوئے وفا آتی ہے
بیمارِ عشق کی نہ دوا ہو طبیب سے
مر جائے یا جئے کوئی اپنے نصیب سے

غالب

منشی خوشی رام ولد منشی گنیشی لال مہتمم اخبار "جلوہ طور" میرٹھ، آپ شاعرِ باکمال تھے،

ظاہر ہے کہ ہے چشم زدن کی ہمیں فرصت
ہم گلشنِ ہستی میں بہ رنگِ شرر آئے
آغوشِ تصور ہی میں آ جاؤ کم اے کاش
حسرت دلِ بیتاب کی اب کچھ تو بر آئے

غبار

منشی کنہیا لال خلف منشی مشتاق رائے ساکن سکندر آباد ضلع بلند شہر

شب غم فرقت میں اسکے غمکدہ عالم ہوا
حلقۂ فانوس گویا حلقۂ ماتم ہوا

آگیا شاید نظر جلوہ رخ پُر نور کا
آج جو ذرّہ کی حالت نیرّ اعظم ہوا

دیکھئے کیا آفت تازہ ہمارے سر پہ آئے
رات بھر عشق و جنوں میں مشورہ باہم ہوا

کرتا ہوں ہر آشنا کو داغ کی قسمت درم
آجکل میں عشق کی دولت سے کیا حاتم ہوا

دیکھئے پھر کب وہ آئے یا نہ آئے اے غبار
رات ہم سے باتوں باتوں میں بہت برہم ہوا

غریب

منشی تاج بہادر کائستھ عرف خدا بخش خلف منشی عالم چند عرف حسین بخش (ابن لالہ اجودھیا پرشاد) باشندہ لکھنو، آپ مطبع ثمر ہند میں منیجر تھے، محرّم کے ایام میں تعزیہ داری بڑی دھوم دھام سے کرتے تھے، ۷۰ سال کی عمر میں ۱۸۹۱ء میں وفات کی،

ستم ہو یہ کیونکر گوارا تمہارا
کہ دشمن ہمارا ہے پیارا تمہارا

رقیب اب تو آنکھیں دکھاتا ہے ہمکو
سمجھتے ہیں ہم یہ اشارا تمہارا

ہو تم محوِ آئینہ ہم محوِ عارض
یہ پیارا ہمارا وہ پیارا تمہارا

شب ماہ بھی ہے وہ ہوش بھی آیا
غریب آج چمکا ستارا تمہارا

مجھ سے ان کے در و دیوار کو یہ الفت ہے
ہیں اگر واں سے چلوں ساتھ ہی دیوار چلے

غلام

راجہ گوپال ناتھ خلف راجہ رام ناتھ بہادر ذرّہ رئیس باشندہ دہلی، آپ شاہ عالم کے مقرب تھے اور اسی رعایت سے غلام تخلص اختیار کیا،

جو ہمبستر کبھی ہم ہوں غلام اس خوبصورت سے
نہ لیں واللہ تا روزِ قیامت دوسری کروٹ

خط لئے کہ نہ دے گوش بر آواز ہیں قاصد
مژدہ تو ہمیں یار کے آنے کا سنادے

غم

لالہ مہتاب سنگھ کائستھ باشندہ دہلی، شاگرد حضرت شاہ نصیر دہلوی،

آپ شاہی دربار میں بخشی تھے، ملازمت ترک کر کے لاہور چلے گئے تھے، اور وہیں وفات کی

اک قطرہ مے میں ہم سے ہے ساقی یہ درگذر
ورنہ ہر اک کو تو نے سبو کے سبو دیئے

ناخن کے بدلے خار ہے دیتا ہمیں وہ غم
جس نے گلوں کو باغ میں سو رنگ و بو دیئے

صیاد بے خبر ہی رہا اور قفس میں ہائے
ٹکرا گئے سر کو بلبلِ ناشاد مر گئی

اک دن تو غم کے حال پہ الفت سے کر نظر
اتنا نہیں ہے خوب ستانا غریب کا

غمگین

منشی بنارسی داس کھتری باشندہ دہلی شاگرد جناب قربان علی بیگ سالک (شاگرد مرزا غالب و مومن) صاحب دیوان ہوئے ہیں،

کیا خاک ہو گا دیدۂ خونبار کا علاج
کس نے کیا ہے نرگسِ بیمار کا علاج

بہرِ عیادت آئے ہو اغیار کو لیے
مجھ نیم جاں کا آپ نے اچھا کیا علاج

ہماری خاک کے یہ سب ہیں دشمن
عدو ہو یار ہو یا آسماں ہو

نے حالِ دلِ غمگیں وہ کیوں کر
جسے نازو ادا تک بھی گراں ہو

تجھے قسم ہے نہ ہو جائیں خاک ہم جب تک
نہ چھوڑ شیوۂ بیداد آسماں اپنا

کاٹا ہے اک پہاڑ شبِ انتظار کا
فرہاد تجھ سے کب ہو یہ میرا ہی کام ہے

جس کی لوحِ مزار ہو لرزاں
وہ ہی مدفن ہے تیرے بسمل کا

(ف)

فارغ

منشی مکند لال باشندہ دہلی، مقیم بریلی، شاگرد جناب شاہ حاتم دین صاحب دیوان ہوئے ہیں، اپنے مذہب کو ترک کر کے دینِ اسلام قبول کر لیا تھا

جلا ہے سینہ میں دل شمع وار ساری رات بہا ہے آنکھوں سے اشکوں کا تار ساری رات
دور سے دیکھ مجھے چیں بہ جبیں ہوتا ہے تا کہ کچھ کہہ نہ سکوں بلے رکھائی تیری[1]

فائز

منشی بختاور سنگھ باشندہ دہلی خلف منشی دھرم داس سررشتہ دار فوجداری، فرخ آباد،

تم نے جب اے ماہ پورا وصل کا وعدہ کیا کوکبِ قسمت ہمارا رات بھر چمکا کیا
رہ گئے سکتہ میں ہم صورت تمہاری دیکھ کر حیرتِ نظارہ نے تصویر کا نقشا کیا
دیکھ لو ناحق ستانے کا نتیجہ ہے حجاب نیچی آنکھیں تم نے کر لیں میں نے جب شکوا کیا
اس کو منوانا مگر کچھ آپ کو منظور ہے میرے آگے غیر کا کس واسطے چرچا کیا
کیوں نہ اے فائز ہو قسمت کا ستارا اوج پر وصل کا اس مہ لقا نے رات کا وعدہ کیا

فتنہ

منشی بدری پرشاد باشندہ بسوہارہ ضلع الہ آباد، شاگرد جناب ہیش پرشاد سوگ، دفوج ناروی

تری الفت میں جب سے مبتلا ہے نہیں معلوم دل کو کیا ہوا ہے
کسی دن آپ اتنا پوچھ لیتے تمہارا حال اچھا یا برا ہے

ہم رہِ الفت میں تھک کر بیٹھ جاتے ہیں اگر شوقِ دل کہتا ہے منزل اور تھوڑی دور ہے

فدا

مہاشے کاشی ناتھ باشندہ تھانہ بھون ضلع مظفر نگر، آپ آریہ سماج کے سرگرم رکن تھے۔ آپ کا کلام اخبار "آریہ متر" بریلی میں کثرت سے شائع ہوتا رہتا تھا

لگانا چاہیئے میدانِ تحقیقات میں چکر پڑے رہنا نہیں اچھا ہے یاس و حسرت و غم میں
دیکھیں کیا دو گے جوابِ ستم و جور و جفا پاس ہم داورِ محشر کے ہوئے جاتے ہیں
تھا مقدر میں غم جدائی کا کیا گلہ ان کی بے وفائی کا

---

[1] واہ رے ۱۲ [2] رُکھاپن

فدا

لالہ لچھمی نرائن باشندہ دہلی، شاگرد جناب سودا

کہا جو اس سے کہ میں دل تو کر چکا ہوں فدا — تو ہنس کے بولے ابھی تیری جان باقی ہے

فدوی

منشی مکندلال باشندہ لاہور، مقیم لکھنؤ، ملازم نواب ضابطہ خاں، شاگرد جناب صابر علی صابر، آپنے اپنے مذہب کو ترک کرکے اسلام قبول کر لیا تھا۔

ابرو کی تیری تیغ سے سورج ڈرے ہوئے — پھرتا ہے اپنے منھ پہ سپر کو دھرے ہوئے
آنسو نہیں ہیں دیدۂ تر میں بھرے ہوئے — موتی ہیں آب دار صدف میں گھرے ہوئے

گر تیغِ نگہ سے تو کرے وار فلک پر — چل جائے فرشتوں میں بھی تلوار فلک پر
بعد مرنے کے بھٹکتا ہوں تہہِ خاک ہنوز — ساتھ پھرتی ہے مرے گردشِ افلاک ہنوز
آوارہ و سرگشتہ نہ دیوار نہ در کے — سائے کی طرح ہم نہ ادھر کے نہ ادھر کے
چشم پُر آب ہے اور تس پہ جگر جلتا ہے — کیا قیامت ہے کہ برسات میں گھر جلتا ہے
یہ سرو نہیں، باغ میں ہے آہ کسو کی — نرگس نہیں، تکتا ہے چمن راہ کسو کی

فدوی

لالہ سیوک رام وکیل عدالت دیوانی پٹنہ

جی کو نہ چین ہوئے نہ آرام پائے دل — پھر کس امید پر کوئی تم سے لگائے دل
اوڑھ کر دھانی دوپٹہ بھی اجی آؤ کبھی — ایک دن تو کشتِ امیدِ غریباں سبز ہو

فراق

پروفیسر رگھوپتی سہائے خلف لالہ گورکھ پرشاد وکیل عبرت قوم کائستھ باشندہ گورکھپور، ولادت ۱۸۹۴ء، شاگرد جناب وسیم خیر آبادی۔ بی۔ اے میور سینٹرل کالج الہ آباد سے امتیاز کے ساتھ پاس کیا، گورنمنٹ نے آپ کو ڈپٹی کلکٹری کیلئے منتخب کر لیا تھا۔ مگر قبل ڈپٹی کلکٹر بننے کے آپ کانگرس میں شامل ہو گئے، اور

بجائے دوسروں کو جیل بھیجنے کے خود جیل چلے گئے، کرسچین کالج لکھنؤ اور الہ آباد یونیورسٹی میں انگریزی کے پروفیسر رہ چکے ہیں، آپ اپنے دور کے استاد شاعر تھے آپ کے بہت سے شعری مجموعے شائع ہو چکے ہیں، ۳ مارچ ۱۹۸۲ء کو دہلی میں وفات کی،

تھرتھری سی ہے آسمانوں میں — کچھ تو ہے زور ناتوانوں میں
کتنا خاموش ہے جہاں لیکن — اک صدا آرہی ہے کانوں میں
کم نہیں بارِ غم سے بارِ نشاط — درد ہے حسن کے بھی شانوں میں
آگیا عشق بدگماں آخر — حسن کے بے کیے بہانوں میں
کوئی سوچے تو فرق کتنا ہے — حسن اور عشق کے فسانوں میں
موت کے بھی اڑے ہیں ہوش — زندگی کے شراب خانوں میں

اٹھیگی انہی کی آنکھ تیرے آگے — کب معرکے سے وفا کے پتلے بھاگے
آئی جنھیں نیند سرِ دار و رسن — لے اب وہ ترے دیکھنے والے جاگے

اے نگاہ بے محابا تونے یہ کیا کر دیا — آج دل کو دیکھ کر میں نے بھی پہچانا نہیں
ہم سے کیا ہو سکا محبت میں — تونے تو خیر بے وفائی کی

فراقی

پریم کشور نبیرہ راجہ نول کشور

ہوئی آنکھیں گلابی روتے روتے — گلابی کی نہ دیکھی شکل افسوس

فرحت

پنڈت کیدار ناتھ عرف ناتھن پرشاد ولد پنڈت سیتی رام باشندہ لکھنؤ شاگرد جناب امانت لکھنوی،

لوٹے مزے وصال میں پستانِ یار کے — پہونچا دلا کہاں سے کہاں میں دبا کے ہاتھ

فرحت

منشی گوبند سہائے باشندہ سعید آباد

جائیں گر سوئے چمن آپ شگفتہ ہو کر سوکھ جائیں گل و غنچہ وہیں کانٹا ہو کر
اس طرف آئیں اگر آپ مسیحا ہو کر مردے قبروں سے نکلنے لگیں زندہ ہو کر

فرحت

لالہ نتّا نند وکیل عدالت منصفی الہ آباد

پھولا ہے لالہ سینۂ گلشن میں داغ ہے افسوس اس بہار میں وہ مہ جبیں نہیں

فرحت

منشی بشن پرشاد کائستھ خلف منشی گوبند پرشاد نبیرہ راجہ کنول نین باشندہ دہلی، شاگرد جناب حافظ قمر الدین منّیر،

ہوئیں یک بہ یک یہ اداسیاں نہ وہ گل ہے اب نہ وہ گلستاں
یہ کہاں سے آ گئی اب خزاں نہ وہ باغ ہے نہ بہار ہے
یار رو جب تک جوابِ خط آئے اور دو چار خط لکھو بیٹھے

فرحت

منشی شنکر دیال کائستھ ولد منشی پورن چند، باشندہ لکھنؤ، شاگرد جناب جواہر سنگھ جوہر، آپ کا آبائی وطن قصبہ جلال آباد ضلع فرخ آباد ہے، اردو فارسی انگریزی اور ہندی سے آپ کو اچھی واقفیت تھی، بہت سی کتب کے مصنف اور صاحبِ تلامذۂ کثیرہ ہوئے ہیں، منشی للتا پرشاد شفیق منشی رام سہائے تمنّا، منشی دوارکا پرشاد افق آپ کے مشہور شاگرد ہوئے ہیں، ۱۸۸۶ء میں بعمر ۶۱ سال وفات کی،

رامائن کے چند شعر

دھنش کو توڑ کر پھینکا زمیں پر اندھیرا چھا گیا عرشِ بریں پر
ہوا آثارِ محشر مچ گیا شور چھپے گوشوں میں مرغ و ماہی و مور

پرندے کے اڑے ہاتھوں کے طوطے ۔ یکایک جاگ اٹھے دریا کے سوتے
جو من میں تھی بوٹا پھولے جز و کل ۔ تو کی اوج فلک نے بارش گل
پھڑک اٹھے جنک سیتا ہوئی شاد ۔ خوشی سے خانہ خاطر تھا آباد
بہمراہ جلیساں سب آئیں ۔ جناب جانکی محفل میں آئیں
لباس نوعروسی زینت بر ۔ بساعطر گلاب عطر عنبر
جناب رام کے پاس آکے فی الحال ۔ پہنا دی پھول کے پھولوں کی جے مال
ہوئے شاداں دل ناشاد ہر سو ۔ مچا شور مبارکباد ہر سو

سنا ہے آپ ذکر عاشق ناشاد کرتے ہیں ۔ جزاک اللہ مجھ بھولے ہوئے کو یاد کرتے ہیں
اتر آئی ہیں پریاں صاف انکے شیشۂ دل میں ۔ نہیں معلوم کیا جادو یہ آدم زاد کرتے ہیں

ہو گی اک دانۂ گندم سے خرابی کیا کیا ۔ ہائے پہلے سے نہ یہ حضرت آدم سمجھے
سنگ اسود کا ہوا تِل پہ گماں اے فرحت ۔ رخ کو کعبہ دہن یار کو زمزم سمجھے

قصۂ ہجر بتاں ہوش میں آؤں تو کہوں ۔ تھام لوں ضبط کروں دل کو سنبھالوں تو کہوں

فرحت

پنڈت دیبی پرشاد کشمیری خلف پنڈت ٹھاکر پرشاد کشمیری باشندہ لکھنؤ شاگرد جناب امانت لکھنوی

کر بددعا تو شوق سے مجکو اٹھا کے ہاتھ ۔ عزت ہے میری اے بت کافر خدا کے ہاتھ
ملتا ہوں رو کے میں کف افسوس رات دن ۔ دکھلا دے اے خدا بت رنگیں ادا کے ہاتھ

آئی ہر ایک مصیبت یونہی ٹل جاتی ہے ۔ کام چل جاتے ہیں پر بات تو رہ جاتی ہے

فرحت

منشی کیلاش پتی خوش باش قصبہ پھپوند ضلع الہ آباد

نہ پوچھو دل سے کہ صدمہ ہے کیا جدائی کا
دعا ہے یہ کہ بھلا ہو اس آشنائی کا
سنبھالو زلف نہ بکھراؤ اس طرح رخ پر
نہ انتشار میں تم ڈالو دل خدائی کا

فرّخ

چوبے بدری داس خلف چوبے گنج لال باشندہ مرادآباد شاگرد جناب ندرمن فقیر

آتشیں عشق نے پھونکا مجھے شعلا ہو کر
جل گیا عارضِ پُر نور کا شیدا ہو کر
دلِ مجروح کا میرے ہے خدا ہی ناصر
صفیں مژگان کی گھر آئیں صف آرا ہو کر
باغِ عالم میں رعونت کی ہواؤں سے بچو
بے ثمر سرو رہا دیکھ تو رعنا ہو کر
گوشہ گیری نے زمانے میں مرا نام کیا
باعثِ شہرتِ عالم ہوا عنقا ہو کر
کچھ حقیقت نہ کھلی سود و زیاں کی فرّخ
رہ گیا نقدِ رواں عشق میں سودا ہو کر

فرقت

منشی دیبی پرشاد ولد ٹھاکر پرشاد عرف بخشادہ پرشاد کشمیری باشندہ لکھنؤ، شاگرد جناب امانت لکھنوی

مہندی سے چھلّے نقرئی سونے کے ہو گئے
اے سیمتن عجب ہیں ترے کیمیا کے ہاتھ

فروغ

منشی نند کشور کائستھ ساکن بلرامپور، شاگرد جناب آغا حسن عرف میرن نامی۔ آپ انگریزی اسکول بلرامپور میں ماسٹر تھے، ۱۸۷۰ء میں کتاب "گلشنِ فیض" تصنیف کی تھی،

اگر جلتے توے پر قطرۂ آب
پڑے فی الفور وہ ہو جائے نایاب
گرائیں گر وہی قطرہ کنول پر
نمایاں آب ہو وہ مثلِ گوہر
اگر بطنِ صدف میں جائے وہ آب
بنے بے شبہ وہ لولوئے خوش آب
وہی پانی ہے از روئے حقیقت
جدا ہے ہر جگہ تاثیرِ الفت

فریاد

منشی حبیب رائے خلف منشی سندر رائے باشندہ لکھنؤ شاگرد جناب میر سوز

چین پایا دہ پس مردن دل بے تاب نے — گوشۂ مرقد ہمیں آغوش مادر ہو گیا
غم حبیب سے ہوا ہے یار دل کا — کوئی نہیں غمگسار دل کا

فصیح

پنڈت سکھن لال ولد پنڈت بیجی لال باشندہ فرخ آباد، شاگرد میاں صفیر

سمجھے نہ یار عاشق زلف بتاں مجھے — دنیا میں اس بلا سے بچائے خدا مجھے
ڈھونڈا کیا تمام جہاں میں میں عمر بھر — لیکن ملا نہ کوئے صنم کا پتا مجھے
ممنون ایک بوسہ کا ابتک نہیں کیا — دیں گالیاں حضور نے پر بارہا مجھے
مرجاؤں گا میں ایک ہی دن میں یقین ہے — وہ اپنے پاس سے جو کریں گے جدا مجھے
زلفوں کے پیچ سے نہیں واقف فصیح تو — اللہ کس بلا میں کیا مبتلا مجھے

فصیح

منشی کنور بہادر کائستھ باشندہ لکھنؤ، شاگرد جناب حکیم مرزا فدا حسین دانش، آپ کہنہ مشق شاعر تھے، آخری ایام میں نابینا ہو گئے تھے، ۱۹۱۸ء میں وفات کی،

نہیں دل کوئی بھی ایسا نہ ہو جس میں ہوا تیری — سمائی نور بن کر چشم عالم میں ضیا تیری
نتائج اپنے ہی اعمال کے پاتے ہیں دنیا میں — ہمیں اے آسماں ہو گی شکایت ناروا تیری
نہ کعبہ ہے مکاں تیرا نہ بتخانہ ہے گھر تیرا — جو آنکھیں ہوں تو ہر دل میں نظر آتی ہے جا تیری
ترے اسرار انساں کی سمجھ میں آ نہیں سکتے — جہاں تک ہم پہونچے شان ہے اس سے سوا تیری

یہ دعا ہے ہر شہید ناز کی اے شوق قتل — خون جوہر کی طرح شمشیر قاتل میں رہے
کیا کروں میں آسماں کی ہے یہی خواہش فصیح — میری جانب سے کدورت یار کے دل میں رہے

فضا

منشی گوبند پرشاد ولد لالہ دیبی پرشاد باشندہ لکھنؤ شاگرد جناب منشی مینڈو لال زار لکھنوی، آپ کی تصنیفات میں گلزارِ فضا، عروضِ فضا، بوستان اردو منظوم قصہ شیریں وخسرو ہیں ۱۹۰۱ء میں وفات کی،

ضعف نے زور کسی طرح کا چلنے نہ دیا
جوشِ وحشت کا کچھ ارمان نکلنے نہ دیا

اٹھ چلے تھے وہ خفا ہو کے مگر خیر ہوئی
نازکی نے انھیں دو گام بھی چلنے نہ دیا

وہ چشم مستِ یار اگر دیکھ لے کبھی
نقشِ قدم بنیں نہ اٹھیں پھر ہرن کے پاؤں

گر یوں فضا کو آپ لگانے نہ دیں گے ہاتھ
چھولے گا ایک روز وہ دیوانہ بن کے پاؤں

مری فریاد ترے کان تک آئے کیونکر
ہیں یہ دربانِ درِ گوش مقرر گیسو

جھومتے ہیں جو یہ مانند سیہ مستوں کے
چشمِ میگوں کے پیا کرتے ہیں ساغر گیسو

فطرت

لالہ بہاری لال ولد لالہ جے کشن کائستھ زمیندار باشندہ دربھنگا، آپکے دادا مہاراجہ دربھنگا کے یہاں عہدۂ جلیلہ پر ممتاز تھے، اور آپ کے والد منصف تھے ۱۸۶۰ء میں وفات کی،

لکھ سکے اسکو نہ بیتابی کا مضموں ہجر میں
لکھ دیا اک لفظ ہم نے نامہ میں سیماب کا

بنت العنب کی مدح ہے ہر دم زبان پر
کرتا ہوں بات چیت میں رندانہ آجکل

گاہ عزت کی رہی فکر گہے فکرِ معاش
مرتے دم تک بھی نہ دنیا کا بکھیڑا چھوٹا

تمنا ہے یہی کچھ ہم سے بولو
قسم ہے اے بتو تم کو خدا کی

فگار

منشی بیجناتھ خلف منشی ٹھاکر پرشاد طالب قوم کائستھ باشندہ قصبہ مانک پور ضلع پرتاب گڈھ ولادت ۱۸۶۷ء آپ اردو، فارسی اور انگریزی تینوں زبانوں کے ماہر تھے۔ اور کالج میں فارسی کے پروفیسر تھے،

انھیں یہ ضد کہ ہنسی میں مجھے رُلا دینا
مجھے یہ لطف کہ رو کر انھیں ہنسا دینا

بلا سے ہر کس و ناکس پہ بجلیاں گر جائیں
ہنسی ہے ان کی سر بزم مسکرا دینا

نہ جاتی حشر تک آتی وہ نیند راحت کی | ہمارے خواب کو تیرا خیال ہونا تھا
مزہ نہ دل کو ملا نقطۂ سویدا سے | اسے تو عارضِ جاناں کا خال ہونا تھا

کچھ آزادی کو رحم آیا جو آلامِ اسیراں پر | اداسی چھا گئی ہر سو در و دیوارِ زنداں پر
نہیں معلوم کیا بے رحمیاں کیں دستِ وحشت نے | جنوں خود چشم تر ہے حالتِ چاکِ گریباں پر

کہتے ہیں وہ میری خاک اڑا کر | یوں مٹتے ہیں اس گلی میں آکر
رسم رہ و الفت ان بتوں میں | اے سادہ دلی خدا خدا کر

فگار

پنڈت دیا شنکر آپ ۱۸۹۹ء اسسٹنٹ کمشنر بلرامپور تھے

مینائے دل بھرا ہے مئے عشقِ یار سے | باقی جگہ نہیں ہے عذاب و ثواب کی
عالم ہے تمہارے رخِ پُر نور سے روشن | تم روز کے خورشید ہو اور چاند ہو سب کے
جنبشِ نگاہ کو ہے صفائی بدن کی ہے | جائے سخن نہیں ہے یہ تنگی دہن کی ہے
کیوں کر نہ دماغ عرش پر ہو | خورشید بھی ان کا مشتری ہے

فلک

لالہ لال چند قوم کھتری شاگرد جناب دوارکا پرشاد افق لکھنوی ولادت ۱۸۸۰ء بمقام حافظ آباد ضلع گوجرانوالہ متوطن لاہور آپ کی شادی لکھنؤ میں ہوئی تھی تحریکِ آزادی کے سرگرم کارکن رہے ہیں اور کالے پانی تک کی سزا پا چکے ہیں جلسوں میں پُر جوش تقریریں کیا کرتے تھے بہت سی کتابوں کے مصنف ہوئے ہیں،

آگ میں پڑ کے بھی سونے کی دمک جاتی نہیں | کاٹ دینے سے بھی ہیرے کی چمک جاتی نہیں
سل پہ گھس دینے سے بھی جاتی نہیں صندل کی بو | پھول کی مٹی میں مل کر بھی مہک جاتی نہیں
جا نہیں سکتی کٹہروں میں بھی شیروں کی دھاڑ | دستِ گلچیں میں بھی غنچوں کی چٹک جاتی نہیں
صاحبِ ہمت نہیں دبتا مخالف سے کبھی | زور سے آندھی کے آتش کی بھڑک جاتی نہیں
نعرہ زن رہتا ہے آفات و حوادث میں دلیر | بادلوں میں گھر کے بجلی کی کڑک جاتی نہیں

ملک کی الفت کا جذبہ دل سے مٹ سکتا نہیں
قوم کی خدمت کی خواہش لے فلک جاتی نہیں

وطن پرستی کا گیت

دل سے نکلیگی نہ مرکر بھی وطن کی الفت
میری مٹی سے بھی خوشبوئے وفا آئے گی

میں اٹھاؤں گا بڑے شوق سے اسکو سر پر
خدمتِ قوم ووطن میں جو بلا آئے گی

ابرِ تر اشک بہائیگا مرے لاشہ پر
خاک اڑانے کے لئے بادِ صبا آئے گی

زندگانی میں تو ملنے سے جھجکتی ہے فلک
خلق کو یاد مری بعدِ فنا آئے گی

فوق

منشی ہرگوبند صاحب ملازم ریاست ریواں

الٰہی کون آیا تھا مسی مل کر گلستاں میں
اداسی چھائی ہے جو اس طرح گلہائے سوسن پر

شبِ وصل ان سے ہم سے ہو پڑی ضد باتوں باتوں میں
ہم اپنے عشق پر نازاں ہوئے وہ اپنے جوبن پر

پھنس گئے کس عذاب میں یارو
ہم جہنم کے ہیں نہ جنت کے

فہم

منشی موہن لال خلف منشی لکھپت رائے، باشندہ لکھنؤ ولادت ۱۸۶۶ء شاگرد جناب شنکر دیال فرحت آپ نے قریب بہتر (۷۲) ناول تصنیف کئے ہیں جو کافی مقبول ہو چکے ہیں، آپ کی دیگر تصانیف میں آنند موہنی، بزمِ اکبری، خواتینِ ہند، شعر و سخن اور فرشتہ بہت مشہور ہیں،

رباعیات

احباب سے بڑھ کر کوئی پیارا نہیں ہوتا
رنج ان کا کسی وقت گوارا نہیں ہوتا

افسوس یہ اے فہم کہ دست و پا سے
تم تو سب کے لئے کوئی تمہارا نہیں ہوتا

کیوں کوچہ بہ کوچہ ٹھوکریں کھاتا ہے
کیوں آگے کسی کے ہاتھ پھیلاتا ہے

چکی کی طرح فہم قناعت کر لے
رزق پتھر کو بھی رزاق پہونچاتا ہے

فلک نہ کر اب جفا شعاری نگاہ کر میری ضعف وزاری
جسے ہو اپنی ہی زیست بھاری وہ کیسے بارِ الم اٹھائے
اگر ہو سائل کی بدنصیبی سوال اس کا سنے نہ کوئی
عطا کہاں کی، سلام کو بھی نہ ہاتھ اہلِ کرم اٹھائے

فہم

پنڈت سندر لال ولد پنڈت بدری ناتھ باشندہ لکھنؤ مقیم کانپور شاگرد جناب محمد اسمٰعیل حسین منیرؔ،

زنجیر توڑ دی پنجۂ شل نے غضب کیا — شلنے سے اس پری کے ہوئی تار تار زلف

فہمی

منشی گنگا پرشاد خلف منشی شیو پرشاد وہبیؔ (ابن منشی شو بھارام صفیؔ) باشندہ لکھنؤ شاگرد جناب وہبیؔ ولادت ۱۸۶۶ء آپ خاندانی شاعر تھے،

اس مہ کے ہاتھ میں نہیں جام شراب ہے — دستِ مسیح میں قدحِ آفتاب ہے
بادل گرجتے آئے ہیں دورِ شراب ہے — برجِ حمل میں آج مرا آفتاب ہے
کرتے ہیں آپ جور و ستم مجھ پہ بے حساب — اتنا ہے خیال کہ روزِ حساب ہے

وہ آئے دمِ نزع بہرِ عیادت — قضا دیکھ لینے دے صورت کسی کی
نہ جاؤں میں کس طرح بیتاب ہو کر — کہ دل کھینچتی ہے محبت کسی کی

فہیم

ماسٹر پربھو دیال کائستھ ولد منشی گجادھر پرشاد باشندہ لکھنؤ، شاگرد جناب بسیرؔ لکھنوی۔ ولادت ۱۸۹۶ء، آپ کتاب "شری کرشن جنم" کے مصنف ہیں،

نکلنا ان کی مٹھی سے بہت مشکل سمجھتے ہیں — ہم اپنا دل سمجھتے ہیں وہ اپنا دل سمجھتے ہیں
جوانی کیا گئی دل سے امنگیں بھی ہوئیں رخصت — ہم اپنے دل کو اب اجڑی ہوئی محفل سمجھتے ہیں

عیش و غم سے کوئی جا خالی نہیں ہے اے فہیم — باغ میں ہنستے ہیں گل شبنم کو گریاں دیکھ کر
ڈوبنے والے کو تنکے کا سہارا ہے بہت — میرے دل کو ہو گئی تسکیں تمہاری یاد سے
زہے نصیب کہ در کا ترے گدا ہوں میں — فقیر کون کہے مجھکو بادشاہ ہوں میں
زیر زمیں دونوں کا ہے حال ایک سا — کیا بینوا فقیر ہے کیا تاجدار ہے
امید کیا پھر آئے اجڑی ہوئی جوانی — واپس نہ تیر آیا چھٹ کر کبھی کماں سے

فیض

بابو جگناتھ پرشاد قوم چھتری مولد ناگپور متوطن و رئیس بلاسپور ممالک متوسط ولادت ۱۸۵۹ء شاگرد جناب وسیم خیرآبادی، آپکے آبائی وطن کانپور رہے، آپ کے والد ملٹری افسر تھے تبدیل ہو کر ناگپور آگئے تھے جو آپ کی جائے ولادت ہے آپ مہتمم بندوبست رہ چکے ہیں، اردو میں دیوانِ فیض اور گلزارِ سخن (تذکرہ شعرا) اور ہندی کی بیس کتابوں کے مصنف ہوئے ہیں

بجلیاں گرتی ہیں میری قبر کا آکر طواف — مر گیا ہوں میں خیالِ ابروئے خمدار میں
ہے کہاں اس عارضِ گلرنگ کا پھولوں میں رنگ — چشم کی شوخی کہاں ہے نرگسِ بیمار میں
جو طلب کرنا ہے کر لے ہے کھلا بابِ کریم — ہے کمی کس بات کی اللہ کی سرکار میں

شمع رو رو کے یہ کہتی ہے مری تربت پر — ہائے اس قبر پہ چھائی ہوئی حسرت کیا ہے
دیدہ اس ہار کا سینہ کے شگفتہ کوئی پھول — اور میرے دلِ افسردہ کی قیمت کیا ہے

رخِ پُر نور سے سرکائے نہ پردا کوئی — کہیں بے ہوش نہ ہو دیکھ کے جلوا کوئی
دل مجھے چھوڑ چلا عشق میں تنہا سچ ہے — وقتِ بد میں نہیں ہوتا ہے کسی کا کوئی

عرش سے مضموں نئے لاتے ہیں ہم — آسماں سے پھول برساتے ہیں ہم
حشر ہے ان کی چلن پر پائمال — فتنے کہتے ہیں پسے جاتے ہیں ہم

ہے ہماری زندگی بھی موت بھی
آپ کے اقرار پر انکار پر
میری بالیں پر ہنسی اچھی نہیں
بجلیاں گرتی ہیں مجھ بیمار پر

داغ پیری میں نوجوانی کا
چاند ہے صبحِ زندگانی کا
قصۂ مرگِ کوہکن بھی ہے
ایک ٹکڑا مری کہانی کا

(ق)

قدیر

منشی براتی لال، باشندہ لکھنؤ

چلدی لحد میں چھوڑ کے عمرِ رواں مجھے
اچھا کنوئیں میں ڈال گیا کارواں مجھے
ایذا عذابِ گور سے ہے ہر زماں مجھے
آیا نظر زمیں کے تلے آسماں مجھے
اس کی روا روی میں ہوا جاتا ہوں ہلاک
دوڑا کے مارے گی مری عمرِ رواں مجھے
سوغات بھیجتا میں سگِ کوئے یار کو
ملتی اگر ہما کی کہیں ہڈیاں مجھے

قمر

منشی بال کرشن کائستھ ولد منشی رادھے لال باشندہ لکھنؤ، شاگرد جناب امیر مینائی، ولادت ۱۸۶۵ء، آپ کے چار دیوان مرتب ہو چکے ہیں، کثیر التلامذہ ہوئے ہیں، مولوی عنایت علی سرور، عبداللہ خاں تبشیر، اظہر علی اظہر، ہر پرشاد ذرہ بابو گور مکھ داس نشتر آپ کے خاص اور نامی شاگردوں میں تھے،

مر کے کام آیا ان کے محفل کے
ساغر بنے مری گل کے
نالۂ قیس بے اثر کیوں ہے
پردے اٹھ اٹھ گئے ہیں محمل کے

سر جھکائے ہوئے بڑھاپے میں
سوچتا ہوں شباب کی باتیں
کہہ کے پیری میں دل دکھاؤں کیوں
عشق و حسن و شباب کی باتیں

مر گیا میں اسے خبر نہ ہوئی | یہ بھی تدبیر کارگر نہ ہوئی
برق وہ کیا جلانہ جس سے جہاں | آہ وہ کیا جو پُر اثر نہ ہوئی

چمن میں پھول کھلیں غنچے مسکرائیں مگر | نہیں حضور میں جب تک کوئی بہار نہیں
روغنِ گُل کے جلا دیتے ہیں محفل میں چراغ | وہ عنادل کو لڑا دیتے ہیں پروانوں سے
آپ کی خلوت سرا میں کیوں صبا ہو باریاب | آنے والی جانے والی کوچہ و بازار کی
دل میں رکھ لوں تیغِ قاتل کو یہی ہے آرزو | اس سے بڑھکر ایسی لیلی کے لئے محمل نہیں

قمر

بابو بدری پرشاد بی۔اے کائستھ، باشندہ گورکھپور شاگرد جناب دسیم خیر آبادی، پیشہ وکالت۔

رخ پر نقاب ڈالی کب اس گلعذار نے | دامن میں ایک پھول لیا ہے بہار نے
چلتا ہے اب تو جامِ بلوریں بھی باغ میں | پتھر میں جان ڈال دی جوشِ بہار نے

قیاس

منشی بلاس رائے ساہو

تسکیں کے ہم زباں پہ سخن لائے جاتے ہیں | اے دل نہ رنج کر وہ اب آئے جاتے ہیں
پھر کیا امیدِ وصل رکھیں ان سے ہم بھلا | بوسہ کے وہ سوال پہ شرمائے جاتے ہیں

قیافہ

منشی جے پرکاش نرائن، شاگرد جناب اثر مونگھیری

دل کی لگی بجھے نہ خدایا یہ حشر تک | از بس ہے مجھکو عشقِ بتِ شعلہ رو پسند

قیس

بابو رام پرشاد کائستھ ولد منشی سخیدون لال، باشندہ گیا، شاگرد جناب اکبر داناپوری، پیشہ وکالت، صاحبِ دیوان ہوئے ہیں، ۱۹۰۸ء میں وفات کی،

شوق سے آئے تھے تربت کو مٹانے کیلئے
چپ کھڑے ہیں آپ کیوں گورِ غریباں دیکھکر

عجیب شان سے دیکھا ہے اس کو پہلو میں
ہمارے خواب کی تعبیر دیکھئے کیا ہو

چلے باغِ دنیا سے کیا لیکے ہم
نہ کچھ رنگ لائے نہ پھولے پھلے

قیصر

رائے شری کرشن چند باشندہ لکھنؤ۔ مالک مطبع قیصر المطابع لکھنؤ

یہ ادنیٰ معجزہ ہے مصحفِ رخسارِ جاناں کا
ثنا خواں کی فصاحت اور بلاغت بڑھتی جاتی ہے

وہ بت آیا ہے اکثر ہم شہیدوں کے مزاروں پر
خدا کا شکر ہے قدرِ شہادت بڑھتی جاتی ہے

نہ کیوں مشکل ہو اٹھنا بیٹھنا بیمارِ ہجراں کا
کہ طاقت گھٹتی جاتی ہے نقاہت بڑھتی جاتی ہے

(ک)

کاشی

کاشی ناتھ وطن بٹالہ (پنجاب)

مجھ دل کا اے طبیب سمجھکر علاج کر
مدت سے ہے یہ عشق کا بیمار دیکھنا

کاشی

لالہ کاشی پرشاد اہلمد کلیات کلکٹری

لحد میں جاکے کہئے کس سے بہلائیں گے دل اپنا
نہیں ممکن کہ اس جا پر ہوا کا بھی گذر ہوگا

خبر جانا ہی مشکل ہے جہاں ہوگا قیام اپنا
الٰہی کس طرح فرقت میں وقت اپنا بسر ہوگا

کامل

لالہ منو لال خلف لالہ سادھو رام وکیل، باشندہ لکھنؤ، شاگرد جناب دیوان دیا کرشن ریحان۔

آئے گی کوئی بلا عالم بیداری میں
آج ہیں پیشِ نظر خواب میں اکثر گیسو

نکہتِ گل سے پریشان دماغ اپنا ہے
کھول دے باغ میں بلّٰہ معنبر گیسو

بڑھ کے خورشید سے ہے پرتوِ عارض اسکا
خشک کرتا ہے عبث دھوپ میں دلبر گیسو

کوئی بگڑے تمہیں کیا واسطہ مطلب اس سے
بیٹھو تم شوق سے اے جان بنا کر گیسو

کامل

پنڈت ٹھاکر داس کشمیری وکیل مقیم دہلی

پلٹ کر جو دیکھا سرِ راہ اس نے
لگا تیر اک بازگشتی جگر میں

کشتہ

پنڈت جگت نرائن کشمیری ولد پنڈت پرتھی ناتھ کول کشمیری باشندہ دہلی آپ لاہور میں قیام رکھتے تھے ۱۸۸۶ء سے چند سال پیشتر وفات کی

ہمارے قتل پہ قاتل کمر کسے کیوں کر
وہ ڈھونڈتا ہے خوا اپنی کمر گئی دن سے

ہمارا بس چمنِ دہر میں ہو گر بلبل
ورق گلوں کے زرِ گل سے زرنگار کریں

کشتہ

بابو اودھ کشور پرشاد عرف بچہ بابو قوم کائستھ ولد بابو بندیشری پرشاد کائستھ باشندہ موضع پردھنا ضلع گیا متوطن گیا، شاگرد جناب نوح ناروی، ولادت ۱۸۹۳ء پیشہ وکالت، آپ میونسپل کمشنر گیا بھی رہ چکے ہیں، اور آپکے دو ڈرامے چھپی کٹاری اور انوکھی برچھی مقبولِ عام ہو چکے ہیں

نظر آنے لگے شعلے بھی اشکوں کی روانی میں
بجھاؤں کس طرح میں اب لگی ہے آگ پانی میں

ستم قہر و جفا، شرم و حیا، ناز و ادا، سج دھج
یہ باتیں اب نئی سیکھی ہیں اس نے نوجوانی میں

اتنا شہرہ ہے ماہِ کامل کا
لیکن اک داغ ہے مرے دل کا

پھول برسائیں وہ رقیبوں پر
میں تو کانٹا ہوں ان کی محفل کا

مالِ مفلس سمجھ کے اے کشتہ
کوئی گاہک نہیں مرے دل کا

جس کو جنت زمانہ کہتا ہے
وہ کسی شوخ کی گلی ہوگی

دل کی زینت بڑھے گی داغوں سے
بڑھ کے گلزار یہ کلی ہوگی

ہجر کی رات مختصر نہ ہوئی
اک قیامت ہوئی سحر نہ ہوئی

جو تیری نگاہوں کا بسمل نہیں ہے
وہ کہنے کو دل ہے مگر دل نہیں ہے

کشن

بابو کشن چند گھوش باشندہ کلکتہ، آپ راجہ نکیش بہادر کے نواسے تھے

صدف اپنے گوہر کو بے آب دیکھے
یہ دنداں تمہارے دہن میں جو دیکھے

کشور

منشی نند کشور ولد منشی گنیش رائے قوم کائستھ باشندہ قصبہ بسواں ضلع سیتاپور ولادت ۱۸۵۶ء شاعری میں کسی کے شاگرد نہیں تھے۔ فارسی میں فارغ التحصیل تھے اور بہرائچ میں فائین اسکول کے ہیڈ ماسٹر تھے آپ نے یوسف زلیخا جامی کو اردو میں نظم کیا ہے۔

روک کر ہاتھوں کو تم خنجر لگا سکتے نہیں
ہم تڑپنے کا مزہ جلدی میں پا سکتے نہیں

حسن کی شوخی نے سکھلائے انھیں انداز وناز
اب وہ بھولے رنگ میں اپنے سما سکتے نہیں

ترک نفرت کی نہ مرنے پر بھی کشور یار نے
بے چھپائے منہ بھی وہ مدفن پہ جا سکتے نہیں

کشور

پنڈت نند کشور باشندہ موضع صدر پور ضلع میرٹھ ولادت ۱۸۶۸ء آپ کا خاندانی پیشہ طبابت تھا آپ نانک چند ہائی اسکول میں ہیڈ پنڈت ٹیچر رہ چکے ہیں، اردو ہندی دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے،

سہرا

لائی عشرت ہے مسرت کا بنا کر سہرا
زہرہ اٹھ باندھ تو نوشاہ کے سر پر سہرا

مہندی کل شام رچانے کو شفق آئی تھی
لے کے کرنوں کا چلا چاند منور سہرا

اپنی تقدیر پہ ہو کیوں نہ سمندر نازاں
اس کے گوہر سے بنا ہے یہ مفخر سہرا

حسن وہ شے ہے جسے چاہیے پُر نور حجاب
روئے نوشہ پہ یوں زیبا ہے یہ انور سہرا

اہل زر اہل ہنر سب ہیں فدا سہرے پر
مخزنِ دُر ہے کہ ہے علم کا دفتر سہرا

کلیم

منشی مدن موہن لال، شاگرد جناب صفیر فرخ آبادی

عشق اس طفل برہمن کا ہوا ہے جانستاں
چاہیے پھانسی بنا نا رشتۂ زنار کی

کیا تپِ الفت نے اسکے بھی جگر میں کی جگہ — آج کیوں ہیں زرد آنکھیں نرگسِ بیمار کی

کلیم

ٹھاکر رتن سنگھ ولد ٹھاکر نقیر چند تحصیلدار چھتر پور (برار) ساکن کرتار پور ضلع جالندھر ولادت ۱۹۰۰ء شاگرد جناب لبھو رام جوش ملسیانی، وطن آبائی لکھنؤ تھا، مگر راجہ رنجیت کے عہد میں آپ کے بزرگوں نے پنجاب میں سکونت اختیار کرلی تھی آپ نے پنجاب یونیورسٹی سے بی۔ اے کا امتحان پاس کیا، اور بنارس ہندو یونیورسٹی سے ایل۔ ٹی کی ڈگری حاصل کی

نہ فانی حسن کے جلوے نہ سوزِ عشق فانی ہے — مری دنیائے دل کا ذرہ ذرہ جاودانی ہے
مجھے دھوکا دیا مل کر امید و آرزوؤں نے — مری بربادیوں کی مختصر سی یہ کہانی ہے
اسی قطرہ کے دامن میں ہے پنہاں آگ کا دریا — یہ آنسو دیکھنے کو بوند بھر کھارا سا پانی ہے
کلیم اب تو نگاہِ شوق بھی مشکل سے اٹھتی ہے — اسی کا نام شاید انتہائے ناتوانی ہے

اور بھی پیدا ہزاروں دل میں ارماں ہو گئے — مہرباں کیا ہو گئے تم آفتِ جاں ہو گئے
آرزوئیں اب کہاں اک داغِ حسرت دل میں ہے — ایک دھندلا سا چراغ اجڑی ہوئی محفل میں ہے
یہ ہیں سب عشقِ کرشمہ ساز کی نیرنگیاں — ورنہ حسن بے خبر میں یہ خود آرائی نہ تھی
یہ سب کہنے کی باتیں ہیں کہ ایسا ہو نہیں سکتا — جو تو چاہے تو اے جانِ جہاں کیا ہو نہیں سکتا
دل چرایا تو اس صفائی سے — مدتوں تک ہمیں خبر نہ ہوئی

کمال

لالہ جگناتھ قوم کھتری اروڑا ولد ڈاکٹر لاہوریا رام باشندہ کرتار پور ضلع جالندھر ولادت ۱۸۹۵ء شاگرد جناب لبھو رام جوش ملسیانی، پیشہ معلمی، آپ کا آبائی وطن منٹگمری تھا۔

اٹھا اور اٹھ کے سر قدموں پہ انکے ڈال کر میں نے — سنائی داستاں اپنی مجسم داستاں ہو کر
ہوا جب گدگداتی ہے تو غنچے مسکراتے ہیں — حجابِ ناز سے خوشبو نکلتی ہے جواں ہو کر

کو غم داغ تمنا شعلۂ داغِ جگر — دل میں وہ جلوے ہیں جو وادیِ ایمن میں نہیں
ایک ہی ہچکی میں ان کے سامنے دم توڑ کر — مختصر کرنا ہے اپنا حالِ طولانی مجھے
عشق کی راہ میں اندیشۂ انجام نہ کر — ورنہ یہ کام نہ کر عشق کو بدنام نہ کر
کچھ دردِ دل سے چل نہ سکی شوقِ دید کی — اٹھا اٹھ کے وہ بھی بیٹھ گیا جلوہ گاہ میں
کیوں بڑھ رہی شیخ و برہمن میں رنجشیں — حصّہ ہے سب کا رحمتِ پروردگار میں
کمر بارِ عصیاں نے اتنی جھکا دی — مرے پاؤں ہی سر کو ٹھکرا رہے ہیں

کنور

کنور جگر ورتی سنگھ خلف مہاراجہ چیت سنگھ بہادر بنارس

فریاد بھی ہم کرتے نہیں جورِ بتاں سے — خاموش ہیں کچھ کہہ نہیں سکتے ہیں زباں سے
پریوں سے ہے مطلب نہ غرض حورِ جناں سے — شیدائی ہیں سودائی ہیں ان کے دل و جاں سے
ہونٹوں کی حلاوت سے ہو جاتے ہیں لب بند — گپ چپ کا مزا آتا ہے مضمونِ دہاں سے
صدمے شبِ فرقت کے اٹھاتے ہیں برابر — لے جانِ جہاں دل یہ کوئی لائے کہاں سے
نالہ جو کروں میں تو اٹھے شورِ قیامت — ہل جائے ابھی عرش مری آہ و فغاں سے
وہ زلف لٹکتی نہیں ابرو کے برابر — صیّاد نے چلّے کو اتارا ہے کماں سے
اللہ کرے خیر کنور دل کی ہمارے — ان روزوں ہے پھر سامنا اس آفتِ جاں سے

کنور

راجہ اپورب کشن بہادر خلف راجہ راج کشن بہادر رئیس باشندہ کلکتہ صاحب دیوان ہوئے ہیں،

شیدا ہے تیرے عشق میں دل شیخ و شاب کا — قالب تہی ہے یاد میں تیری حباب کا
نہ پوچھ گذری ہے جو مجھ پہ بیقراری رات — مثالِ شمع کٹی روتے روتے ساری رات

کوکب

رائے مکند رائے باشندہ حیدرآباد دکن، شاگرد حضرت فیض

روشن ہیں داغِ دل مرے سینہ پہ ہجر کے — کوکب کو چرخ کب ترے اختر سے ہے غرض

کیفی

منشی چندر بھان کائستھ ولد منشی مراری لال باشندہ دہلی، بزرگوں کا وطن تحصیل تجارہ ریاست الور تھا، کلام ظریفانہ ہے، قومی کلام کی طرف زیادہ رجحان ہے، ۱۹۳۲ء میں آپ رامجس ہائی اسکول میں ہیڈ ماسٹر تھے،

نظم شری کرشن

قبلۂ حاجات ہے گوکل میں کاشانہ ترا
سجدہ گاہِ عارفاں ہے نند برسانہ ترا

تو وہ ساقی مدبھری آنکھیں ہیں پیمانہ ترا
پھر رہی ہے دم ازل سے بزمِ رندانہ ترا

گیان کی جوتوں سے روشن ہے صنم خانہ ترا
تو چراغِ معرفت ہے میں ہوں پروانہ ترا

خود تماشہ بن رہا ہے خود تماشہ گر ہے تو
اے فسوں گر، کھیل ہے سب سے جداگانہ ترا

ہے چمن پیرائے ہستی ہر ادائے دل نشیں
رونقِ بزمِ بتاں اندازِ جانانہ ترا

پردۂ پندار ان کے سامنے سے ہٹ گیا
حسن جن آنکھوں نے دیکھا بے حجابانہ ترا

ٹکٹکی باندھے ہوئے ہیں گوپیاں محوِ جمال
برج کی حیرت سرا ہے آئینہ خانہ ترا

ہر سکھی کے ساتھ تھا نیرنگیوں میں راس سے
یاد ہے گیتی کو اب تک رقصِ مستانہ ترا

خاموش تھا وہ غنچہ سربستہ راز سے
گل کھل گئے کچھ اور طلسمِ مجاز سے

چلتا ہوں گیندرین کے سراسر نیاز سے
بے خوف ہوں جہاں کے نشیب و فراز سے

برگِ خزاں رسیدہ کے مانند خشک ہوں
رہتا ہوں بے خطر ہوس و حرص و آز سے

ہیں ہر نفس کے ساتھ نئی خواہشیں مجھے
پریاں اتر رہی ہیں ہوائی جہاز سے

کیفی

پنڈت برج موہن تاتریہ کشمیری خلف پنڈت کنہیا لال باشندہ دہلی ولادت ۱۸۶۶ء، شاگرد جناب الطاف حسین حالی پانی پتی، فارسی اور اردو میں اچھی دسترس رکھتے تھے، ریاست کشمیر میں عہدۂ جلیلہ پر مامور تھے ۱۹۵۵ء میں وفات کی،

کیا سلف میں خوبیاں ہوں گی کہ پنہاں ہو گئیں — صفحۂ تاریخ پر ہاں کچھ نمایاں ہو گئیں
بھول کر بھی اب نہیں آتی کسی کو ان کی یاد — سب وہ اگلی صحبتیں خوابِ پریشاں ہو گئیں
وہ فضائل اب کہاں ہیں ہند کی تہذیب میں — جن پہ شرق و غرب کی اقوام قرباں ہو گئیں
چرخِ کج رفتار کیا طبقہ دیا تو نے الٹ — تیری چالیں گردشِ چشمِ حسیناں ہو گئیں
روشنی نے غرب کی سر اور خیرہ کر دیا — برکتیں ہم تک جو پہونچیں فتنہ ساماں ہو گئیں

صبحِ وطن بھی شامِ غریباں سے کم نہیں — اختر ہمارے بخت کا کب سے گہن میں ہے
سبزہ کو سنتے آئے تھے بیگانۂ چمن — بیگانگی یہاں تو گل و یاسمن میں ہے
خالق کی طاعت اصل میں خدمت ہے خلق کی — پیارے خدا کا عشق تو حبِّ وطن میں ہے

تمیزِ زلف و عارض خال و ابرو کچھ نہیں رہتی — فروغِ حسن کی تاثیر و طاقت ایسی ہوتی ہے
نظر آتا ہے نورِ حسنِ جاناں اسکو ہر شے میں — نگاہِ محوِ نظارہ کی صورت ایسی ہوتی ہے

کیسی آزادی اسیری کیا ہے شے — جب فنا رنگِ تمنا ہو گیا
بے خودی نے محوِ حیرت کر دیا — آپ میں اپنا تماشا ہو گیا
جس کو دیکھا آپ ہی آیا نظر — رنگ کیفی اب یہ اپنا ہو گیا

الفتِ دل کی نشانی اور ہے — ظاہری شیریں بیانی اور ہے
ہیں بناوٹ کی یہ سب باتیں حضور — دل سے ہو جو مہربانی اور ہے
داستانِ عشق تم مجھ سے سنو — قیس و لیلیٰ کی کہانی اور ہے

کیفی

بابو مہاراج پرشاد بی۔اے۔ ایل۔ ایل۔ بی قوم کائستھ باشندہ شاہ آباد ضلع ہردوئی شاگرد جناب مولانا عزیز لکھنوی، ولادت ۱۸۹۷ء، پیشہ وکالت

ایک واقعہ ان کے متعلق یہ ہے کہ ایک مرتبہ ایک طرحی مشاعرے میں شرکت کیلئے تشریف لے گئے، مصرع کا قافیہ "تدبیر" اور ردیف "سے" تھی، مشاعرہ کا انتظام نہایت خراب تھا، لہذا آپ نے مندرجہ ذیل مطلع پڑھا،

خیریت سے گھر پہونچ جائیں کسی تدبیر سے ۔۔۔ اب تو یاں آ ہی گئے ہیں گردشِ تقدیر سے

پلٹ جائیگی دنیا گر یہی عالم رہا دل کا ۔۔۔ بدل دیتا ہے اک بیتاب نقشہ ساری محفل کا

جنوں میں دسترس اتنا ہوا ہے نیم بسمل کا ۔۔۔ گریباں کی جگہ اب ہاتھ میں داماں ہے قاتل کا

گھٹا سوزِ غمِ پنہاں مگر آنسو نہیں رکتے ۔۔۔ کوئی امید ٹوٹی ہے کہ ٹوٹا آبلہ دل کا

اڑتے ہیں ٹوٹے ہوئے پر کچھ فضائے دہر میں ۔۔۔ یہ مآلِ انتہائے حسرتِ پرواز ہے

سارے دیوانوں میں کیا الٹی مری تقدیر تھی ۔۔۔ پاؤں میں تھی ہتھکڑی اور ہاتھ میں زنجیر تھی

(گ)

گرداب

منشی رام چرن صاحب

بھا گیا بلبلِ گلشن کو وہ پیارا عارض ۔۔۔ گل سے بہتر ہے کہیں یار تمہارا عارض

گلِ رعنا کی طرح ہوتے ہیں وہ سرخ و سفید ۔۔۔ کبھی چھوتے ہیں جو اس گل کا قضارا عارض

ہنس کے وہ شوخ یہ کہتا ہے کہ منھ ہو واؤ ۔۔۔ کبھی دھوکے سے جو چھوتا ہوں دوبارا عارض

دسترس جب نہ ہوا جان پہ ہم کھیل گئے ۔۔۔ چھو لیا دستِ تصور سے تمہارا عارض

بوسہ دیتا نہیں گرداب شبِ وصل میں وہ ۔۔۔ گھاٹ پر آن کے کرتا ہے کنارا عارض

گلزار

لالہ جگناتھ باشندہ لکھنؤ، شاگرد جناب خیراتی لال شگفتہ

آپ کو گر یہی انکار رہا تو بے خوف ۔۔۔ بوسے لے لوں گا میں رخسار کے بنکر گیسو

دُر فشانی اسے کہتے ہیں کہ غسل کے وقت
اپنے دامن سے لٹانے لگے گوہر گیسو
کان میں حالِ دلِ زار سنا دیتے ہیں
ہو گئے شانِ خدا سے ہیں پیمبر گیسو

گلشن

دھرم رتن پنڈت رادھے ناتھ کول کشمیری رئیس و باشندہ لاہور ولادت ۱۸۷۶ء، ۱۹۳۰ء میں شری بھارت منڈل بنارس نے آپ کو "دھرم رتن" کا اعزاز بخشا تھا آپ اکثر الہ آباد میں رہتے تھے،

حالِ دل کرتی ہیں روشن صورتیں تقریر کی
طبع سے ہوتی ہیں ظاہر رنگتیں تحریر کی
ہو گئے آزاد جواب، رد کئے تو آپ نے ہیں
ہم بھی دیکھیں کونسی ہیں بندشیں زنجیر کی
حق پرستی اس کو کہئے بت پرستی یہ نہیں
ہم پرستش کرنے والے ہیں تری تصویر کی

کچھ نہیں ہوں ایک بھولے وقت کی اک یاد ہوں
اور وہ بھی کیا ہے گویا صورتِ فریاد ہوں
نیستی ہستی فقط اک سانس پر موقوف ہے
گھر ہوا پر ہے بنا ایسا میں بے بنیاد ہوں

ہر پھول آئینہ ہے عروس بہار کو
حیراں ہے اپنے دیکھ کے نقش و نگار کو
سیر جہاں سے سیر ہے کیوں دل سے پوچھئے
دیکھا ہے جس نے جلوۂ دیدارِ یار کو

خود غرض سب تھے کسی کا کوئی غمخوار نہ تھا
جز خدا کوئی مصیبت میں مددگار نہ تھا
محوِ نظارہ تھا میں دل کے تماشہ گہہ میں
اک تماشہ تھا جو بر سرِ بازار نہ تھا

گلشن

گلشن رائے ادھیراج پیشکار، باشندہ لکھنؤ، نبیرہ لال جی بخشی فوج سلطانی

جلوہ گر خال ہیں جو چاند سے رخساروں پر
مہرباں ماہ، فلک صدقے ہوا ان تاروں پر
رحم اک روز بھی آیا نہ تمہیں عاشق پر
فوق ہے تجکو زمانے کے ستمگاروں پر
بے خودی میں یہ عجب لطف ملا ہے دل کو
جو ترے مست ہیں ہنستے ہیں وہ ہشیاروں پر

یہ چمن میں بھی گلوں کی نہیں رنگت ہوتی
رونق ایسی ہے ترے اترے ہوے ہاروں پر
ان کے خال دعرق رخ کا جو گذرا ہے خیال
آنکھ ثابت پہ ٹھہرتی ہے نہ سیاروں پر

گلشن

راجہ جیالال کالستھ ولد رائے بھوانی بخشی باشندہ لکھنؤ، شاگرد حضرت آتش لکھنوی ولادت ۱۷۸۵ء آپ حضرت محمد علی شاہ فرمانروائے اودھ کے زمانہ میں سر دفتر محکمہ خاص سلطانی تھے، آپ کے بزرگ شاہان دہلی اور اودھ کے دربار میں عہدۂ جلیلہ پر ممتاز رہے اور آپ لکھنؤ کے بڑے رئیس تھے۔ پھاٹک راجہ جیالال و باغ راجہ جیالال لکھنؤ میں ان کی یادگار ہیں۔ صاحب دیوان ہوئے ہیں، ۱۸۶۵ء میں وفات کی۔

کوچۂ زلف سے دل یا بہ رسن آتا ہے
یا کوئی وحشی صحرائے ختن آتا ہے
کچھ تصور میں جو مضمون دہن آتا ہے
فکر کے دام میں عنقائے سخن آتا ہے
جس کو دیکھا وہ عدم سے تن عریاں لیکر
شہر ہستی میں خریدار کفن آتا ہے
شعر گوئی کا مجھے کچھ نہیں دعویٰ گلشن
ہیں نہ شاعر ہوں نہ انداز سخن آتا ہے

نام سے تیرے جو روشن مطلع دیواں ہوا
ہر ورق خورشید کے مانند نور افشاں ہوا
منشی قدرت کے مداحوں میں اے گلشن ہے تو
یہ سمجھ لے چاک تیرا نامۂ عصیاں ہوا

بہار آئی شگوفہ پھولا کھلا ہے تختہ ہر اک چمن کا
کہیں تماشہ ہے یاسمیں کا کہیں نظارہ ہے نسترن کا
جو یاد آیا وہ روئے رنگیں، بہے ان آنکھوں سے اشک خونیں
کہ ہوگیا ہے رگ گل تر ہر ایک تار اپنے پیرہن کا

گنگا

لالہ گنگا پرشاد کھتری خلف لالہ گنیشی لال کھتری باشندہ لاہور شاگرد جناب تشبیر

لبِ جاناں کے آگے ہم نہ تھوکیں آب حیواں پر ملے بوسہ جسے وہ زندۂ جاوید ہو جائے

گنیشی

منشی گنیشی لال قوم ڈھونسر مہتمم اخبار "جلوۂ طور" میرٹھ، اس سے قبل بلند شہر میں آپ کا مطبع تھا،

میکدہ میں خوف سے کس کے لگی اک بار چپ ۔۔۔ مے بھی چپ مینا بھی چپ ساغر بھی چپ میخوار چپ
بزم میں بے طرح چپکا بندھ رہا ہے سازِ برگ ۔۔۔ چنگ چپ ہم رنگ چپ قانون کے سب تار چپ
چپ نہیں زیبا گنیشی لال ہے وہ چپ رہیں ۔۔۔ گو جہاں ہو چپ نہ ہو پر مہتمم اخبار چپ

گوہر

منشی گیندن لال ولد منشی رام دیال رسا قوم کائستھ باشندہ بدایوں شاگرد جناب سعادت بدایونی و منشی شیو پرشاد کشتہ، آپ کا وطن قدیم فرخ آباد تھا، خاندانی شاعر ہیں، آپ کلکٹری کچہری بدایوں میں سررشتہ دار تھے، تصنیفات میں داسوخت، مثنوی شب چراغ، انشا معدن شب چراغ، انشا معدنِ فیض پنجۂ گوہری ہیں، ۱۹۰۱ء میں وفات کی،

قطعہ

رات کو خواب میں زلفیں تری برہم دیکھیں ۔۔۔ ظاہرا مجکو نظر آتی ہیں تعبیریں دو
یا تو وہ مارِ سیاہ جان کے خواہاں ہوں گے ۔۔۔ یا پہنائیگا جنوں پاؤں میں زنجیریں دو

رخِ پرنور کو تشبیہ دینا مہرِ محشر سے ۔۔۔ مگر دانست میں تو رخ کو آئینہ دکھانا ہے

تاریخ دیوان سحر سامری

ہے دولتِ علم وہ نہیں جس کو زوال ۔۔۔ اس قول پہ متفق ہیں سب اہلِ کمال
بہتر نہ کتاب اس سے مصاحب ہے کوئی ۔۔۔ دلجو و عقیل و غم شکن نیک خصال
مخصوص کتب میں یہ سحر کا دیوان ۔۔۔ ہر شعر جس کا واقعی سحرِ حلال
دیوان ہے کہ مطلعِ معنیٔ منیر ۔۔۔ یا شرقِ نورِ نیرِ حسنِ مقال

تاریخ کی فکر تھی مجھے اے گوہرؔ ہاتف نے کہا ندیم خورشید جمال گوہر

منشی بھوانی پرشاد کائستھ ولد منشی گنگارام باشندہ موضع کمتل ضلع پیلی بھیت ولادت ۱۸۵۳ء، شاگرد جناب مولوی مبارک علی، چودہ سال کی عمر سے ہی آپ کو شاعری کا شوق ہوگیا تھا۔ آپ کمتل کے پٹواری تھے۔ ۱۹۰۸ء میں نابینا ہوگئے تھے۔ مگر سلسلۂ سخن پھر بھی بدستور جاری رہا، صاحب دیوان و صاحب تلامذہ ہوئے ہیں، ۱۹۲۲ء میں وفات کی۔

دکھا دے جلوۂ بنت العنب اے پیر میخانہ کھڑے ہیں بادہ کش تھامے ہوئے زنجیر میخانہ
بنایا مجکو خودرفتہ خیالِ چشمِ میگوں نے مری آنکھوں میں کس نے کھینچ دی تصویر میخانہ
نظر اٹھتے ہی سب حضّارِ محفل ہوش کھو بیٹھے گھٹا دی تیری چشمِ مست نے توقیر میخانہ

آتشِ ہجر میں دن رات جلاتے کیوں ہو میری آہوں کو شرر بار بناتے کیوں ہو
وعدۂ وصل کا ایفا ہے اگر ناممکن خرمنِ صبر میں پھر آگ لگاتے کیوں ہو
اپنی قسمت کا جو رکھتے ہو بھروسہ گوہرؔ شکوہ لب پر غمِ ایّام کا لاتے کیوں ہو

شفق پھولی ہے بامِ یار پر یا شمعِ روشن ہے چمک بجلی کی ہے یا عکس ہے دستِ حنائی کا
ستم ہوگا اگر دستِ مبارک میں لیا خنجر خیال آتا ہے مجکو آپ کی نازک کلائی کا

شادیِ مرگ میں خودرفتہ ہیں تیرے قتیل غم ہے تربت کا نہ سودائے کفن رکھتے ہیں
کردیا آپ کی آنکھوں نے کچھ ایسا جادو پاؤں گن گن کے بیاباں میں ہرن رکھتے ہیں

رکھیں گے ہم نگاہ رخ و زلفِ یار پر جینے کا انحصار ہے لیل و نہار پر
نوکِ مژہ کی یاد میں رہتے ہیں شادماں کرتے ہیں موج ہم ترے خنجر کی دھار پر

کوئی محوِ مسرت ہے کوئی ہے مبتلا غم میں
کہیں ہے دھوم شادی کی کوئی مرتا ہے ماتم میں

گوہر

بابو دوارکا پرشاد کائستھ خلف منشی روشن لال باشندہ لکھنؤ شاگرد جناب عنایت سنگھ عنایت ولادت ۱۸۷۹ء آپ کو بچپن ہی سے شاعری کا شوق تھا جس کا اظہار انھوں نے مندرجہ شعر میں کیا ہے

بچپن سے شاعری کا طبیعت کو شوق تھا
رہتا تھا مست نشۂ حسن کتاب میں

نہیں معلوم دل کس کا شہید نوکِ مژگاں ہے
کھٹکتا کروٹیں لیتے جو ہر پہلو میں پیکاں ہے
کسک ہے کچھ دلِ صد چاک میں پامال ہو کر بھی
یہ مسکن یاس اور حرماں کا پُر امیدواراں ہے

ہولی کے دو بند

صد شکر باغِ قوم میں پھر ہولی آئی ہے
ہمدردیوں کی آج گھٹا دل پہ چھائی ہے
بادِ سحر کی چال میں معجز نمائی ہے
پھولوں میں رنگ رنگ کے کیا دلربائی ہے
کیا شوقِ وصل گل میں صبا جھوم جھوم کے
غنچوں کو پیار کرتی ہے کیا چوم چوم کے

جھولی بھرے گلال اڑاتی صبا چلی
کس ناز سے نیاز سے یہ خوش ادا چلی
دل میں سوراج کے نئے غنچے کھلا چلی
کیا جھومتی پہن کے سودیشی قبا چلی
حبِّ وطن کا آنکھوں کو جلوہ دکھا گئی
قومی ترقیات کا ارگن بجا گئی

(ل)

لالہ

لالہ بھوانی پرشاد، باشندہ دہلی

وصل اس گل پیرہن کا جب میسر ہو گیا
میں خوشی سے پھول کر جامے سے باہر ہو گیا

شعر بینی کا سلیقہ ہے نہیں کچھ بھی انھیں
طرز یہ ہر طور سے بس ہم کو ظاہر ہو گیا
آجکل اچھے برے کی کس کو ہے صاحب تمیز
جس نے دو تک بھی ملائی وہ ہی شاعر ہو گیا
جب سے دہلی لکھنؤ اجڑے خدا کی شان ہے
تب سے ہر غولِ بیابانی سخنور ہو گیا

لالہ

منشی نواب سنگھ باشندہ بھاگلپور شاگرد جناب شرؔ عظیم آبادی

ہائے کس منھ سے یہ منھ اپنا انھیں دکھلاؤں
شرم عصیاں سے یہ کہتی ہے ندامت میری

لائق

منشی لاڈلی پرشاد کائستھ ولد منشی بہاری لال باشندہ اٹاوہ شاگرد جناب مولانا فداؔ گلاوٹھی ، ولادت یکم فروری ۱۹۰۰ء آپ مشہور وکیل اور ادیب کامل تھے

گھونگھٹ میں حقیقت کے جب حسنِ مجاز آیا
کلیوں کے تبسم میں ان کا لبِ ناز آیا
دل خیز صداؤں میں اک نغمۂ راز آیا
جو پردہ بہ پردہ تھا وہ ساز بہ ساز آیا
ذرے بھی چمک نکلے سجدے بھی تڑپ اٹھے
پیشانیِ طالب میں جب حسنِ نماز آیا
لائقؔ سے اب اڑتا ہے دامانِ خطا پوشی
آباد رہے توبہ میں توبہ سے باز آیا

دنیا سے ہمیں کیا مطلب ہے ہستی سے ہمیں کیا لینا ہے
ہاں مصلحتِ خالق کے لئے ہر چیز گوارا کرتے ہیں
مضمون کے موتی لٹتے تھے جس بزمِ ادب میں لے لائقؔ
افسوس اب ہم اس محفل کو اشکوں سے سجایا کرتے ہیں

قطعہ

ادب سے مستِ مئے ساغرِ فداؔ ہو جا
سرور و کیف نہ بن رندِ پارسا ہو جا
خطائیں کرنے میں ہرگز خطا نہ کر لائقؔ
خطائیں کر کے تو بخشی ہوئی خطا ہو جا

نظم "فریبِ مجاز" کے چند شعر

پردہ اٹھا جمالِ حقیقت طراز کا
نغمہ جو گونج اٹھا مرے تارِ مجاز کا

ممنون ہوں میں چشمِ حقیقت طراز کا　　ٹوٹا طلسم آج فریبِ مجاز کا
جلوؤں نے خود نمائی کو حیران کر دیا　　منہ تک رہا ہے آئینہ آئینہ ساز کا
لائق یہ ہوش باش ہے دنیا فریبِ حسن　　احساس کھو نہ جائے ترے امتیاز کا

لطیف

منشی دولت سنگھ کھتری باشندہ دہلی، شاگرد حضرت شاہ نصیر، قریب ۱۸۵۲ء میں وفات کی،

کوئی کہتا تھا قصۂ مجنوں　　میں اسے اپنا ماجرا سمجھا

لطیف

لالہ شیو سہائے ولد لالہ دیبی پرشاد باشندہ فرخ آباد

ممتاز ہے وہی جو عبادت پسند ہے　　ہندو کی قید ہے نہ مسلماں پہ بند ہے
دیوانہ عشق کا نہیں سنتا کسی کی بات　　ناصح کی پند خاک اسے سودمند ہے
دنیا میں تجربہ ہے نشیب و فراز کا　　پامال کوئی ہے کوئی اقبال مند ہے
حامی جو عاصیوں کا غفورٌ رحیم ہے　　دوزخ کے رنج سے مجھے پھر کیا گزند ہے
بالا غزل نہ ہو تری کس طرح پھر لطیف　　مضمون قد کا صورتِ طوبیٰ بلند ہے

لکشمی

بابو لچھمی نرائن باشندہ دہلی مصنف "کانِ جواہر"

یہ اپنی بدنصیبی ہے کہ ہم محروم جاتے ہیں　　خطا ہے اس میں ساقی کی نہ کچھ تقصیرِ میخانہ
تو ہی تو ہے تصوّر میں جہاں یہ لکشمی جائے　　تو ہی ہے شیشۂ و ساغر تو ہی ہے پیرِ میخانہ

لوذی

منشی بھگوان دیال کائستھ، فارسی اور اردو میں شیوہ بیان شاعر تھے مثنوی "ہر دول نامہ" کے مصنف ہوئے ہیں،

فراقِ جاناں میں ہے فسانہ حجاب لیکر کے کیا کرینگے　　خود اپنا از بر ہے دفترِ غم کتاب لیکر کے کیا کرینگے
گدائے کوئے تو ام نگاراں امیدوارم نگاہِ لطفت　　سوالِ وصل اور بوسہ کا ہے جواب لیکر کے کیا کرینگے

لئیق

منشی للتا پرشاد مقیم کانپور، آپ آگرہ میں سر رشتہ دار تھے، صاحب دیوان اور صاحب مثنوی ہوئے ہیں،

برسرِ بیداد جب وہ تندخو ہو جائیگا — حشر برپا اس گھڑی پھر چار سو ہو جائیگا
جب دوئی کا دل سے میرے دور ہوئیگا حجاب — ہر طرف میری نظر میں تو ہی تو ہو جائیگا
قطرہ آنسو کا بہایا تو نے گر اے چشمِ تر — عشق کا چرچا مرے پھر کو بکو ہو جائیگا
ساقیا کچھ غم نہ کھا بھر دونگا اشکوں سے ابھی — جام کے دورے میں جو خالی سبو ہو جائیگا
یاد میں ان کی رہا مشغول چندے جو لئیق — یہ یقیں ہے صاحبِ اشراق تو ہو جائیگا

آئے جو ملک عدم سے یہ ہوا آخر حصول — لے گئے بارِ گناہ شاہ و گدا بالائے سر
آن کر دنیا میں یارب یہ ہوا حاصل ہمیں — لوٹ عصیاں سے ہمارا ہائے دامن بھر گیا

لئیق

منشی رام سروپ شاگرد جناب فائز بنارسی

رات ہم صبح شبِ وصلت کو بھی سمجھا کئے — رخ چمکتا تھا تمہارا ماہِ تاباں کی طرح
ہم نے باندھا جا بجا مضمونِ چشمِ سرمگیں — ہے زمیں اپنے سخن کی بھی صفاہاں کی طرح

(م)

مادھو

منشی مادھو رام جوگی ولد لالہ گنگا پرشاد بھگت قوم کائستھ باشندہ لکھنؤ ولادت ۱۸۳۵ء آپ شاہ اودھ کے یہاں بخشی الملک کے عہدہ پر ممتاز تھے ۱۹۳۲ء کے قریب حیات تھے۔

عدم میں کیا عجب پوچھیں جو یارانِ وطن ہم سے — گئے تھے تم کہاں کس واسطے کیا کام کر آئے
دعا ہر دم یہی ہے نخل بندِ باغِ امکاں سے — کہ مادھو کے گلستانِ تمنا میں ثمر آئے

ملا اپنا نہ دلبر جبکہ کوئے ما مقیماں میں
ترا دیوانہ اکثر جا نکلتا ہے بیاباں میں
جگر سے دل پہ دل سے چشم پر آنکھوں سے مژگاں پر
یہ نکلے اشک غم آخر چھپے تھے دل کے داماں میں

ماہر

کنور درباری سنگھ ولد کنور جگناتھ سنگھ باشندہ پیرادولی تحصیل پورن پور ضلع پیلی بھیت ولادت ۱۸۹۴ء شاگرد جناب منشی بھوانی پرشاد گوہر لکھنوی و نوح ناروی،

عیاں ان کا ہوا شباب آہستہ آہستہ
کہ بحر حسن میں ابھرے حباب آہستہ آہستہ
کوئی کہتا ہے دیوانہ کوئی کہتا ہے سودائی
ملے ہم کو یہ الفت میں خطاب آہستہ آہستہ

رخ سے پردہ وہ جب اٹھاتے ہیں
ہوش کے بھی ہوش جاتے ہیں
ان کو دیوانہ میں سمجھتا ہوں
مجکو دیوانہ جو بتاتے ہیں

رات جھگڑے ہی میں ٹالی جائیگی
یا تمنا بھی نکالی جائیگی
آتے آتے آئیگا عہد شباب
جاتے جاتے خوردسالی جائیگی

مائل

منشی دیبی پرشاد باشندہ مین پوری شاگرد حضرت داغ دہلوی

ہم تو کچھ ہو چلے ہیں خوگر مشق جفا
سختیاں سہہ سہہ کے دل ہوجائے پتھر اور بھی
ہائے یہ کہنا کسی کا مجھسے وقت اضطراب
مرتے ہیں تیرے سوا دنیا میں مجھ پر اور بھی
آج وہ محشر میں مائل بے نقاب آنے کو ہے
ہو نہ جائے دیکھئے محشر میں محشر اور بھی

مائل

لالہ للتا پرشاد ولد لالہ ایشری پرشاد باشندہ لکھنؤ شاگرد جناب عبداللہ خاں مہر

سحر ہے یا زہر قاتل یار آنکھ
زیست کیونکر ہو کہ ہے خونخوار آنکھ
بعد مرنے کے جو آئیں قبر پر
کھولدیں ہم سن کے نام یار آنکھ

کروٹیں کیا کیا بدلتے ہیں پڑے — رات بھر لگتی نہیں ہے یار آنکھ
شب جدائی کی گئی ہے یا نہیں — دیکھتے ہیں کھول کر ہر بار آنکھ
رونے سے تسکین ہوتی ہے ذرا — جسم بھر میں ہیں فقط غم خوار آنکھ

مبتلا

لالہ چنڈی سہائے باشندہ پرتاب گڈھ سررشتہ دار آبکاری الہ آباد

عاشقِ رخ ہوں سرِ زلف گرہ گیر نہیں — پائے وحشت کو مرے حاجتِ زنجیر نہیں
اڑ گیا ہے اثرِ جذبِ محبت یارب — یا مرے نالۂ جانکاہ میں تاثیر نہیں

مبتہج

لالہ بلوک چند

سفر سے چلنے کا جب دل نے اضطراب کیا — نکل کے آنکھوں سے آنسو نے پاتراب کیا

مبتہج

بابو سانول داس ولد بابو لال قوم کھتری ساکن جونپور، آپ عدالت کلکٹری اناؤ میں محافظ دفتر تھے، آپ کی تصنیفات میں سرورِ رامائن، غزالِ رعنا، دیوان نگارِ سخن، ہیں، ۱۹۰۲ء میں وفات کی۔

وہ نہیں کرتا ہے مرہم کی تلاش — جو نگاہِ ناز سے گھائل ہوا
پھر گیا مجھ سے مزاجِ یار ہائے — جو مسیحا تھا وہی قاتل ہوا
جا نہیں سکتا وہ منزل کے قریب — رہنما جس کا کوئی جاہل ہوا

تلوار کیوں نکالی تھی مقتل میں آپ نے — منظور میرے قتل کا گر امتحاں نہ تھا

متھرا ناتھ

لالہ متھرا ناتھ باشندہ متھرا، آپ مقطع میں اپنا پورا نام لکھتے تھے

بظاہر گرچہ رغبت ہے مگر باطن میں نفرت ہے — بہ دل ہم چاہتے دنیا کو گر اس میں بقا ہوتا
مجسّم آپ کی خدمت میں متھرا ناتھ آ جاتا — نہ سدِّ راہ گر رہزن یہ چرخِ بے حیا ہوتا

مٹھو

لالہ مٹھو لال باشندہ متھرا

ہوس گر ہم کریں آب بقا کی سو دکیا ہم کو سکندر ہم نہیں جو خضر اپنا رہ نما ہوتا
نہ کوئی پوچھتا ہے بات بگڑی میں میاں مٹھو بنی کا اس جہاں میں دیکھا سب کو آشنا ہوتا

مجروح

منشی کشن چند کشمیری مقیم لکھنؤ، شاگرد حضرت مرزا مظہر جانجاناںؒ (حضرت مرزا مظہر جانجاناںؒ کا زمانہ ۱۱۱۱ھ سے ۱۱۹۵ھ تک ہے)

معشوق ہیں زمانے کے سارے جفا پرست اے وائے عاشقوں کو کہ ہیں یہ وفا پرست

مجروح

لالہ درگا پرشاد وکیل خلف چودھری بختاور لال باشندہ فرخ آباد

آگے دکھلائیں گے کیا کیا سحر و شام مجھے گردش جام میں ہے گردش ایام مجھے
آشیاں باندھوں میں گلشن میں کہ ہے فصل بہار پر بلبل کہیں صیاد جو دیں دام مجھے
اس قدر بادہ پرستی میں ہوا ہوں مدہوش لب معشوق نظر آیا لب بام مجھے
اس کے میں طائر مضمون کمر کو باندھوں گر رگ گل کا ملے تار کہیں دام مجھے
ملک الموت بھی کیا سمجھا ہے عاشق مجروح جو نہیں بھیجا ہے ابتک کوئی پیغام مجھے

مجذوب

منشی گوری شنکر اہلکار کلکٹری کچہری ولد منشی خیراتی لال باشندہ فرخ آباد

آپ فارسی زبان میں بھی کلام کہتے تھے،

ٹلے ہم اس پریرو کے نہ گھر سے نہ اترا سایۂ دیوار سر سے
گلا شمشیر قاتل سے کٹا یا گئے راہ عدم کو پائے سر سے
خیال قد نے جڑ کاٹی ہماری ملا ثمرہ یہ ہم کو اس شجر سے
ادھر دیکھو تو نکلیں دل کے ارماں کٹیں دست ہوس تیغ نظر سے
ترش ہو کر دیا بوسہ ذقن کا ہوئے دانت آج کھٹے اس ثمر سے

نیا عالم دکھاؤں گرد غم کا
بناؤں آسماں دردِ جگر سے
لبِ شیریں کے، سُن او بے مروّت
مزے لوٹیں عدو، مجذوب تر سے

مجنوں

لالہ شنکر دیال ولد لالہ دوندے لال وطن پلڑا ضلع فرخ آباد

خانۂ دل مرا کس طرح نہ ویران رہے
جبکہ گھر غیر کے دلبر مرا مہمان رہے
کیا کہوں ہجر میں اس کے جو ہوا کام تمام
وصل کی رات نہ آئی یہی ارمان رہے
نگہہِ ناز سے جو قتل کرے تو قاتل
تیغ کا کس لئے سر پر مرے احسان رہے
اے پریزاد میں کشتہ ہوں تری زلفوں کا
کیا عجب روح جو قالب میں پریشان رہے
اپنے مجنوں سے تو اے غیرتِ لیلیٰ مل جا
تیری فرقت میں کہاں تک وہ پریشان رہے

محب

منشی برج بھوکن لال ولد منشی بھیروں پرشاد قوم کائستھ ساکن دریا آباد ضلع بارہ بنکی ولادت ۱۸۸۳ء شاگرد جناب نظرؔ لکھنوی، بچپن ہی میں باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا تھا، نثر میں "دریا آباد" اور نظم میں "رنگِ زمانہ" آپ کی تصنیفات ہیں

جہاں کے ساز و ساماں پر نہ ہونا چاہیے نازاں
جب اپنی موت پر قابو نہیں دنیا میں انساں کو
جو عالی ظرف ہیں ان کو نہیں فکرِ تن آسانی
کہ غیروں کے مزے کے واسطے ہے جام گردش میں
اٹھے گر چشمِ ظاہر بیں سے پردہ خود نمائی کا
نظر آنے لگے ہر چیز میں جلوہ خدائی کا
پست ہمت جو ہیں انکو کب ہے دنیا میں قرار
ایک جا سایہ کبھی رہتا نہیں دیوار کا
دہر میں کم مایہ کو نفرت مٹا دیتی ہے یوں
دفعتہً جیسے ہوا سے کوئی قطرہ خشک ہو
خود فراموشیِ عالم ہے طلسمِ قدرت
آئے جو لوگ یہاں ملک عدم بھول گئے

محروم

منشی تلوک چند خلف جناب بھگت دیال صاحب، ولادت ۱۸۸۷ء باشندہ عیسیٰ خیل ضلع میانوالی (پاکستان) تقسیم وطن کے بعد آپ کا خاندان دہلی میں آکر آباد ہو گیا تھا، آپ ڈیرہ اسمٰعیل خاں اسکول میں انگلش ٹیچر اور نکورک میں ہیڈ ماسٹر رہ چکے ہیں

آپ اپنے دور کے مشہور استاد شاعر ہوئے ہیں، جناب جگن ناتھ صاحب آزاد جو موجودہ دور کے مشہور شاعر ہیں آپ کے فرزند ہیں، آپ صاحبِ دیوان ہوئے ہیں ۱۹۶۶ء میں راہی ملک عدم ہوئے،

نورجہاں کا مزار

دن کو بھی یہاں شب کی سیاہی کا گماں ہے — کہتے ہیں یہ آرام گہہِ نورجہاں ہے
مدت ہوئی وہ شمع تہہِ خاک نہاں ہے — اٹھتا مگر ابتک سرِ مرقد سے دھواں ہے
جلوؤں سے عیاں جن کے ہوا طور کا عالم
تربت پہ ہے ان کی شبِ دیجور کا عالم

اے حسنِ جہاں سوز کہاں ہیں وہ شرارے — کس باغ کے گل ہو گئے کس عرش کے تارے
کیا بن گئے اب کرمکِ شب تاب وہ سارے — ہر شام چمکتے ہیں جو راوی کے کنارے
یا ہو گئے وہ داغ جہانگیر کے دل کے
قابل ہی تو تھے عاشقِ دلگیر کے دل کے

تجھ سی ملکہ کے لئے یہ بارہ دری ہے — غالیچہ سرِ فرش ہے کوئی نہ دری ہے
کیا عالمِ بیچارگی اے تاجوری ہے — دن کو یہیں بسرام یہیں شب بسری ہے
ایسی کسی جوگن کی بھی کٹیا نہیں ہوتی
ہوتی ہو مگر یوں سرِ صحرا نہیں ہوتی

تعویذِ لحد ہے زبر و زیر یہ اندھیر — یہ دورِ زمانہ کے الٹ پھیر یہ اندھیر
آنگن میں پڑے گرد کے ہیں ڈھیر یہ اندھیر — اے گردشِ ایام یہ اندھیر یہ اندھیر
ماہِ فلکِ حسن کو یہ برج ملا ہے
اے چرخ ترے حسنِ نوازش کا گلا ہے

حسرت ہے ٹپکتی در و دیوار سے کیا کیا — ہوتا ہے اثر دل پہ ان آثار سے کیا کیا
نالے ہیں نکلتے دلِ افگار سے کیا کیا — اٹھتے ہیں شرر آہِ شرربار سے کیا کیا
یہ عالمِ تنہائی یہ دریا کا کنارا

ہے تجھ سی حسینہ کے لئے ہو کا نظارا

چوپائے جو گھبراتے ہیں گرمی سے تو اکثر — آرام کیا کرتے ہیں اس روضہ میں آ کر
اور شام کو بالائی سیہ خانوں سے شپّر — اڑ اڑ کے لگاتے ہیں در و بام پہ چکّر

معمور ہے یوں محفلِ جانانہ کسی کی
آباد ہے یوں گورِ غریبانہ کسی کی

آراستہ جن کے لئے گلزار و چمن تھے — جو نازکی میں داغ دہِ برگ و سمن تھے
جو گلرخ و گل پیرہن و غنچہ دہن تھے — شاداب گلِ تر سے کہیں جن کے بدن تھے

پژمردہ وہ گل دب کے ہوئے خاک کے نیچے
خوابیدہ ہیں خار و خس و خاشاک کے نیچے

رہنے کے لئے دیدہ و دل جن کے مکاں تھے — جو پیکرِ ہستی کے لئے روحِ رواں تھے
محبوبِ دلِ خلق تھے جاں بخشِ جہاں تھے — تھے یوسفِ ثانی کہ مسیحائے زماں تھے

جو کچھ تھے کبھی تھے مگر اب کچھ بھی نہیں ہیں
ٹوٹے ہوئے پنجر سے پڑے زیرِ زمیں ہیں

دنیا کا یہ انجام ہے دیکھ لے دلِ ناداں — ہاں بھول نہ جائے تجھے یہ مدفنِ ویراں
باقی نہیں وہ باغ نہ وہ قصر نہ ایواں — آرام کے اسباب نہ وہ عیش کے ساماں

ٹوٹا ہوا اک ساحلِ راوی پہ مکاں ہے
دن کو بھی جہاں شب کی سیاہی کا گماں ہے

کتنے ہی استوار ہوں ٹوٹیں گے ایک دن — رشتے یہ جتنے الفت و مہر و وفا کے ہیں
کرتا ہوں میں تو صبر بھی اور دل پہ جبر بھی — اشکوں کو کیا کروں کہ یہ خود سر بلا کے ہیں
محروم یہ تو مجکو بھی معلوم ہے کہ ہم — جو کچھ ہیں چلتے پھرتے کھلونے قضا کے ہیں

محروم

لالہ انگد رائے باشندہ فرخ آباد

اے ساقی میں ہوں محتاج تیری مہربانی کا
پلادے اور اک ساغر شرابِ ارغوانی کا
کب آئے دیکھئے وہ جلوہ افروزِ جہاں یارب
تصوّر آنکھ میں ٹھیرا ہے جس خورشیدِ ثانی کا
کیا ہے ضبط یہ دل میں نکل سکتے نہیں آنسو
کھلے گا کس طرح پردہ مرے رازِ نہانی کا
سنہری ٹوپیوں میں ہو ستاروں کی چمک پیدا
جو اوڑھے شب کو وہ مہ رو دوپٹہ کامدانی کا
سمجھ محرؔوم کچھ دل میں ہوا عہدِ شباب آخر
کبھی یاد آئیگا پیری میں یہ عالم جوانی کا

محسن

دیوان امرناتھ رئیس باشندہ امرتسر، شاگرد جناب امیؔر مینائی لکھنوی،
ولادت ۱۸۷۰ء

دامِ صدا افکار ہے ہر عقدۂ مشکل مجھے
اب رہا کردے طلسمِ ہستی باطل مجھے
برقِ خرمن سوز ہے میرا ہی سوزِ دل مجھے
مزرعۂ ہستی سے آخر کیا ہوا حاصل مجھے
دارِ فانی کی مسافت ہے قریبِ اختتام
آرہی ہے یاد پھر بھولی ہوئی منزل مجھے
دو گھڑی کے واسطے مل جائے یارائے سخن
آج کہنا ہے کسی سے ماجرائے دل مجھے
قیس ہوں دیدارِ لیلیٰ حقِ فطری ہے مرا
اک فقط حدِّ ادب ہے پردۂ محمل مجھے

برق و باراں کی دل لگی تو رہی
نہ رہا میرا آشیاں نہ رہا
ذکرِ ایامِ رفتہ کیا محسؔن
رہ گئی گردِ کارواں نہ رہا

محشر

بابو پیارے موہن لال کائستھ باشندہ گورکھپور

فصلِ گل آئی ہے محشؔر کا یہ ساماں ہوجائے
میرا دامن بھی گلِ تر کا گریباں ہوجائے

مخلص

رائے آنندرام رئیس و وکیل عماد الدولہ باشندہ دہلی، شاگرد
جناب خان آرزو، آپ زیادہ تر فارسی کلام کہتے تھے ۱۷۵۰ء
میں وفات کی،

آتا ہے ہر سحر اٹھ تیری برابری کو
کیا دن لگے ہیں دیکھو خورشیدِ خاوری کو

پھول پر گلشن کے گویا دانۂ شبنم نہیں
عاشقوں کے حال پر آنسو بہاتی ہے بہار

دھوم آونے کی کس کی گلزار میں پڑی ہے
ہاتھ ارگجی کا پیالہ نرگس لئے کھڑی ہے

مخمور

چوہدری منو لال خلف چودھری لال بہاری قوم کائستھ باشندہ قصبہ مچھریٹہ ضلع سیتاپور، ولادت ۱۸۵۳ء شاعری میں کسی کے شاگرد نہیں تھے، آپ بابو رام شیدا کے چھوٹے بھائی تھے۔ اکتوبر ۱۹۳۱ء میں وفات کی،

صدق دل سے ہم مقیم آستانِ یار ہیں
حشر تک اٹھ کر کہیں اس در سے جا سکتے نہیں

آج میخانے میں دیکھا شیخ جی کو سرنگوں
سامنے مخمور کے وہ سر اٹھا سکتے نہیں

شکل بھی اتری ہوئی ہے نشہ بھی اترا ہوا
شب کو تم مخمور شاید ان کی محفل میں رہے

ہم نہیں مخمور ایسے جو لٹا دیں گھر کا گھر
میکشی کرتے ہیں لیکن مدِ فاضل دیکھ کر

آتا ہے چھن کے شربتِ دیدار آپ کا
بہرِ خدا نہ رخ سے دوپٹہ اٹھائیے

مداری

منشی مداری لال کائستھ باشندہ لکھنؤ، مصنف اندر سبھا موسوم "بزمِ سلیمان"

جب سے وہ لے گیا مرے دل کو نکال کر
چھاتی پکڑ کے رہ گیا میں کہہ کے ہائے دل

کیا کیا دکھائے دیکھئے آگے مداری لال
قابو میں ہو گیا ہے یہ ابتو پرائے دل

لہ یہ شعر "آبحیات" میں مولانا محمد حسین احمد صاحب آزاد نے خان آرزو کے نام سے نہ جانے کیسے دیدیا جبکہ (۱) "سخن شعراء" ۱۲۸۵ھ صہ ۴۲۳ مولفہ جناب عبدالغفور نساخ (۲) "تذکرہ جلوۂ خضر" جلد اول ۱۳۰۲ھ صہ ۱۲۴ مولفہ سید فرزند احمد صفیر بلگرامی اور دیگر تذکروں میں یہ شعر رائے نند رام مخلص شاگرد خان آرزو کے نام سے دیا ہوا ہے؛

مدہوش

منشی کنورجی خلف منشی برج لال قوم کائستھ باشندہ لکھنؤ شاگرد منشی مینڈولال زار لکھنوی، فارسی کے عالم جید تھے اور نامی استاد تھے، دیوان "بہارستانِ فصاحت" کے مصنف ہیں،

اے صنم فرق اب ترے قول و قسم میں آگیا　　ہم سے وعدہ کرکے پھر غیروں کے دم میں آگیا
رشک سے خطِ خجالت جامِ جم میں آگیا　　دیکھی آنکھیں مست جو اس ساقیِ سرشار کی
وہ ہوا فی النار میں باغِ ارم میں آگیا　　غیر جس دم گھر گیا پہونچا میں کوئے یار میں
شوق میں عنقا کے ہیں ملکِ عدم میں آگیا　　مرگیا عشقِ دہانِ تنگ میں دلدار کے

مدہوش

پنڈت رامجی داس خلف پنڈت گلاب سنگھ شاگرد جناب درگا پرشاد نادر آپ ریختی میں کلام کہتے تھے،

پر دیکھو مرے یار کو ایسا وہ کہیں تھا　　گو یوسفِ ثانی بھی یکتائے حسیں تھا
کیوں باجی کہو کیسا مرا ماہ جبیں تھا　　تم کو تو فقط عشقِ زلیخا کا یقیں تھا

مراد

رائے صاحب منشی من موہن لال کائستھ سریواستو، باشندہ الہ آباد، شاگرد جناب رام سہائے تمنا لکھنوی ولادت ۱۸۵۷ء، آپ کلکتہ یونیورسٹی کے تعلیم یافتہ تھے، اسپیشل مجسٹریٹ اور میونسپل کمشنر رہ چکے ہیں،

کیا خبر اس کو جو مے نوش نہ ہو　　نشہ کہتے ہیں کسے کیا ہے خمار
آدمی کیا جو وفا کوش نہ ہو　　بیوفاؤں کا نہیں ہے کوئی دوست
جس میں دریا کی طرح جوش نہ ہو　　طبعِ شاعر نہیں وہ قابلِ قدر

عمر کی قید نہیں وقت کی میعاد نہیں　　منزلِ راہِ حقیقت میں پہونچنے کے لئے
عملِ نیک کا آخر میں مآل اچھا ہے　　کام اچھے کرو دنیا میں کہ عقبیٰ ہو درست

مروّت

پنڈت باس کرن کشمیری عرف ناتھوجی ولد پنڈت بستی رام باشندہ لکھنؤ، شاگرد جناب امانت لکھنوی

مشکل کشا نہ کیونکہ ہوں مشکل کشا کے ہاتھ
مشہور ہیں جہان میں حیدر خدا کے ہاتھ

اس بت شکن کا ہوں میں زمانے میں معتقد
توڑے ہیں جس نے لات کے گھر میں خدا کے ہاتھ

تڑپے مثالِ ماہیِ بے آب تا بہ حشر
دریا جو دیکھ پائے مرے دلربا کے ہاتھ

دل ہاتھوں ہاتھ یوسفِ ثانی نے لے لیا
آیا نہ خاک بھی مجھے بازار جا کے ہاتھ

توڑا جو گل چمن میں کلائی لچک گئی
نازک ہیں پھول سے ترے رنگیں ادا کے ہاتھ

خود جامِ مے جو منھ سے لگائیں تو ہے حرام
ہم کو ہے وہ حلال جو دیجے لگا کے ہاتھ

پچھتا نہ ان بتوں سے مروّت لگا کے دل
عزّت تری ہے خالقِ ارض و سما کے ہاتھ

مرّیخ

منشی جانکی پرشاد ولد لالہ جگل کشور باشندہ فرخ آباد شاگرد جناب نواب عاشور علیخاں۔

نظر آتی ہیں اگر آپ کی بیمار آنکھیں
کاوشِ غم سے یہاں بھی تو ہیں خونبار آنکھیں

چشمِ روزن سے لڑاتا ہوں میں ہر بار آنکھیں
دیکھ اد خانہ نشیں بن گئیں دیوار آنکھیں

جس کو دیکھا اسے دیوانہ بنایا تو نے
او پری زاد نرالی ہیں فسوں کار آنکھیں

عشقِ صادق کا یہاں رنگ بدل جائیگا
نیلی پیلی نہ دکھایا کر و ہر بار آنکھیں

ٹکٹکی لگ گئی مرّیخ ادھر تو دیکھو
کس کی فرقت میں ہوئیں نقش بدیوار آنکھیں

مست

بابو نند کشور لال کائستھ رئیس باشندہ گیا، شاگرد جناب اکبر داناپوری، آپ ایم-اے-ایل-ایل-بی و زمیندار تھے، ۱۹۳۰ء سے کچھ پیشتر ۵۵ سال کی عمر میں وفات کی،

اٹھا بخار دل سے تو آنسو ٹپک پڑے
سچ ہے کہ مینھ برسے نہ جبتک گھٹا نہ ہو

مست

منشی رادھے لال ولد منشی جانکی پرشاد قوم کائستھ باشندہ قصبہ حسن پور ضلع اناؤ۔ ولادت ۱۸۸۴ئ آپ کا آبائی وطن شاہجہانپور تھا، آپ کے والد منصفی صفی پور میں وکالت کرتے تھے، شاعری میں کسی کے شاگرد نہیں تھے۔ غیر شادی شدہ تھے۔ بے فکر اور پارسا زندگی بسر کرتے تھے،

ترے عشق میں ہوا تھا جو میں خوار، خوار ہوتا — مگر اتنی تھی تمنا کہ نہ تجھکو عار ہوتا
ترے در پہ جان نکلی تو نکل گئے، سب ارماں — مگر اتنا اور ہوتا کہ یہیں مزار ہوتا
کبھی تیر دو قدم بھی تری نازکی سے جاتا — جو کشش نہ دل میں ہوتی تو نہ دل کے پار ہوتا
ہوا عشق چشم میگوں رہی بیخودی و مستی — مجھے مست کیا پڑی تھی جو میں بادہ خوار ہوتا

نزع میں کیا آپ آئے دم اٹک کر رہ گیا — جا بجا کانٹا نکلنا تھا کھٹک کر رہ گیا
چل دیا صیاد مجھ صید زبوں کو چھوڑ کر — میں اسیر دام کیا کرتا پھڑک کر رہ گیا
دیکھ سوئے میکدہ وہ جھومتا آتا ہے مست — لوگ کہتے تھے کہیں شاید بہک کر رہ گیا

حق نے انداز ستم ان کو نرالے دیدیئے — دل لئے، پاؤں کے نیچے روند ڈالے، دیدیئے
شان قدرت کی عجب نیرنگیاں ہیں کچھ نہ پوچھ — گل کو بو، بلبل کو نغمے، ہم کو نالے دیدیئے

تم کو مرگ بے کسی کا غم رہا — آرزوؤں میں مرا ماتم رہا
ان کو میرا مجھکو ان کا غم رہا — دونوں جانب ایک ہی عالم رہا

مسرت

لالہ گوری شنکر کائستھ باشندہ لکھنؤ، شاگرد جناب فدا احمد دانش لکھنوی ۱۹۱۲ئ میں بعمر ۴۰ سال وفات کی،

تجلی تھی وہ کیسی جس سے موسیٰ کو تھا غش آیا — مجھے بھی دیکھنا ہے سوئے کوہ طور جاتا ہوں

مسرّت

لالہ شنکر ناتھ کائستھ، شاگرد حضرت شاہ نصیر دہلوی

قرار و صبر ہیں دل سے رواں اور تاب سینہ سے
کدھر یہ قافلہ جاتا ہے یارو تو خبر دیکھو

مسرور

منشی گردھاری لال باشندہ حیدر آباد دکن، شاگرد جناب فیض

شاکر ہوں اپنے حصّہ پہ مسرور روز و شب
جنتر سے مجکو کام نہ منتر سے ہے غرض

مسکین

لالہ کنج بہاری لال کائستھ خلف لالہ لچھمن پرشاد باشندہ سدھور ضلع بارہ بنکی آپ کہنہ مشق شاعر تھے، ۱۹۱۵ء میں بعمر ۸۶ سال انتقال کیا،

وہاں جب وہ غیروں کی محفل میں بیٹھے
یہاں رہ گیا دل تڑپ کر کسی کا

پیامِ اجل سے نہیں کم ہے مجکو
وہ منھ پھیر نا ہائے ہنس کر کسی کا

لکھیں گر وصف اسکے قامت کے
باندھیں مضمون ہم قیامت کے

یاد آئے جو قامتِ جاناں
شور برپا کریں قیامت کے

نیا ستم ہے مجھے قتل کرکے روتا ہے
مرے جنازے پہ قاتل مری دفا کے لئے

مشتاق

لالہ بہاری لال راقم اکمل الاخبار دہلی خلف لالہ من بھاون لال باشندہ دہلی شاگرد جناب مرزا غالب دہلوی ولادت ۱۸۳۶ء وفات ۱۹۰۸ء

یوں تیرے ساتھ بزم میں دشمن کا بیٹھنا
وہ اعتراض ہے کہ اٹھایا نہ جائے گا

ہوگا اثر جو دل میں تو خود جان لیں گے وہ
مشتاق ہم سے عشق جتایا نہ جائے گا

جہاں جاگے دہیں انگڑائیاں لو
یہاں پھیلائی ہے سستی کہاں کی

تم اپنی تیز رفتاری کو دیکھو — نہ پوچھو کچھ مری عمرِ رواں کی
وہ تیرے رازِ دل کو جانتے ہیں — نہیں مشتاق کچھ حاجت بیاں کی

میں بے وفا کہ غیر یہ چپکے سے کیا کہا — کھل کر کہو کہ تم نے کسے بے وفا کہا
اٹھے شوق میں یوں قدم تیز تیز — کہ رہبر کا میں رہنما ہو گیا

مشتاق

لالہ بہاری لال خلف لالہ دل سکھ رائے باشندہ فتح گڈھ شاگرد جناب گوری شنکر مجذوب

منہ تحیر سے اپنا تکتا ہے — آئینہ کو بھی ایک سکتا ہے
جھٹکے دیکر نہ بال سلجھاؤ — زلفِ پیچاں میں دل اٹکتا ہے
دامِ گیسو سے چھٹ نہیں سکتا — مرغِ دل لاکھ سر پٹکتا ہے
حال میرا نہ ہمدمو پوچھو — جی ہے بے چین دل دھڑکتا ہے
جلد آؤ کہ کلبۂ مشتاق — چشمِ روزن سے راہ تکتا ہے

مشتاق

ٹھاکر گلاب سنگھ چھتری باشندہ بیسواڑہ۔ شاگرد جناب قلق دہلوی، آپ محکمۂ نہر میں اوورسیر تھے، صاحبِ تلامذہ ہوئے ہیں ۱۸۸۵ء میں حیات تھے

ہو کے مشتاق اس ستمگر کا — دل نے رکھا نہیں کسی گھر کا
یہ ترے در پہ جبہہ سائی کی — مٹ گیا سب لکھا مقدر کا

مری جاں خون دامنگیر ہوئیں گے ہزاروں کے — تماشہ دیکھنا آساں نہیں ہے رقصِ بسمل کا
کس کس سے بیکسی نے کیا شرمسار حیف — رونے کو ابر آیا ہمارے مزار پر
سبزہ آنے سے اس کے حیراں ہوں — کہ خزاں ہے بہار کی صورت

مشتاق

منشی جگناتھ پرشاد باشندہ بنارس شاگرد حضرت آفاق

حسن تھا جب تک نہ ظاہر عشق کی شہرت نہ تھی
شمع جب روشن نہ تھی پیدا کہاں پروانہ تھا
غور سے دیکھا تو اے مشتاق یہ ثابت ہوا
کوئی بھی اپنا نہ تھا جو تھا یہاں بیگانہ تھا

مشتاق

ٹھاکر رادھا کشن ساکن سرجن نگر ضلع مراد آباد

ہم ہیں عاشق اس بتِ نوخیز کے
جس پہ پڑتی ہے نظر آفاق کی

مشفق

راجہ جاذب کشن بہادر رئیس باشندہ کلکتہ، شاگرد جناب مولوی ظہور النبی محزوں صاحب دیوان ہوئے ہیں۔

خفتگانِ خاک ہیں قربان اس رفتار پر
ہے قیامت کا گماں سب کو قدِ دل دار پہ
نیند تو آتی نہیں جو خواب میں دیکھوں اسے
حیف آتا ہے مجھے اس دیدۂ بیدار پہ

مشہور

پنڈت رادھا کشن باشندہ دہلی شاگرد جناب حافظ قطب الدین مشیر

افلاس میں بھی دل ہے غنی غم کی بدولت
داغوں کے درم اور رخِ زرد کے زر سے
کس سے ہے عیادت کی تمنا تمہیں مشہور
جو دشمنِ جاں ہو اسے کیا کام خبر سے

مصاحب

پنڈت مصاحب رام ولد پنڈت روپ چند باشندہ دہلی

اے صنم کیوں خفا ہو تم ہم سے
روز ملنے پہ ہو جو برہم سے
رازِ دل صاف ہو گیا ظاہر
آہِ سوزاں و چشمِ پُرنم سے
عاشقی میں حرام ہے کہنا
حال سینہ کا غیر محرم سے
کوئی اب تک نہیں ہوا پیدا
میری صورت کا نسلِ آدم سے
اے مصاحب تو رام ہے اس کا
کیا غرض تجھکو سارے عالم سے

مضطر

لالہ لڑہتی پرشاد ولد لالہ بنسی لال باشندہ فرخ آباد شاگرد جناب صنفیر

جس جگہ بیٹھ گئے ہم نے وہیں گھر جانا — دشت کو شہر کی آبادی سے بڑھکر جانا
ابھی آئے ہو ابھی کہتے ہو رخصت رخصت — اور اے جانِ جہاں بیٹھ لو دم بھر جانا
بوسے دیکر لبِ شیریں کے وہ فرماتے ہیں — اب تو تم نے مزۂ قندِ مکرر جانا
ساتھ دوڑیں گے سواری کے جو دیکھینگے رقیب — کھول کر ڈولی کا پردہ نہ کہیں گھر جانا
قلبِ مضطر کی طرح خوب تڑپنا لللہ — پاس جب یار کے اے میرے کبوتر جانا

مضطر

پنڈت رام نرائن خلف پنڈت شیو پرشاد تحصیلدار ضلع علی گڑھ باشندہ دہلی

بجلی کی تڑپ دل میں نہ تھی پیشتر ایسی — بدلی تھی کبھی کاہیکو تم نے نظر ایسی
کیا خالِ رخِ یار ہے کیا ابروئے خمدار — تلوار کبھی دیکھی نہ ہم نے سپر ایسی
نازک ہے تو اے غیرتِ گلزار سراپا — ہرگز نہیں دیکھا دہن ایسا کمر ایسی
جو بوسے میں اس کے لبِ دنداں میں مزہ ہے — پائی نہ کبھی لذتِ شیر و شکر ایسی
پہلو میں نہیں یار تو کب جان ہے دل میں — کیا فائدہ ہوتی ہے جو مضطر بسر ایسی

مضطر

لالہ کنور سین باشندہ لکھنؤ تحصیلدار ڈبائی شاگرد حضرت مصحفی

سوزِ جگر کو دیدۂ پرنم کو دیکھئے — ان آفتوں کو دیکھئے اور ہم کو دیکھئے
خلل اندازِ وفا کو نسا غماز ہوا — کہ جوابِ خطِ مضطر قلم انداز ہوا
ابھی سے بے قراری ہے تو ہم نے — دلِ مضطر مکرر رات کاٹی

مضطر

پنڈت کنہیا لال خلف پنڈت بشن نرائن باشندہ دہلی

خنجرِ جلاد ہے فولاد کا — سخت جانی وقت ہے امداد کا

مضطرب

منشی دوارکا پرشاد کائستھ باشندہ لکھنؤ شاگرد جناب محمد عیسیٰ تمنا

اس نگاہ لطف کے قابل ہوا　　دل محبت کی ادا سے دل ہوا
تیری یکتائی کا قائل ہے وہی　　جذب کثرت میں نہ جس کا دل ہوا

مطلب

منشی مہاراج سنگھ خلف منشی درباری لال قوم کائستھ باشندہ دربھنگا
شاگرد بابو بدری ناتھ شبنم

ہمیشہ ٹیڑھے وہ رہتے ہیں ہم سے　　گھمنڈ ہے ان کو اپنے بانکپن کا
دہن میٹھا ہوا اپنا بھی مطلب　　کیا جب وصف اس شیریں دہن کا

عمارت بنا کر کریں خاک کیا ہم　　ثبات ایک دم ہے نہیں قصر تن کو

مغموم

لالہ رامجس باشندہ لکھنؤ،

کب ہمیں زندگی گوارا ہو　　جب ترا غیر سے اشارا ہو
زیست ہو تب یہاں ہو اس کا گذر　　یا وہاں اپنا ہی گذارا ہو

مفتوں

پنڈت لچھمن نرائن مشیران خلف پنڈت گوبردھن داس باشندہ مراد آباد
ولادت ۱۸۲۱ء شاگرد جناب مرزا غالب دہلوی، آپ فارسی کلام بھی کہتے تھے
۱۸۸۷ء میں وفات کی

مرغ بسمل ہو گئے میرا تڑپنا دیکھکر　　لوٹ ہیں اہل تماشہ یہ تماشا دیکھکر
کس قدر دم خوردۂ صحرائے وحشت ہو گیا　　ہاتھ میں نبض غزالی میرے عیسیٰ دیکھکر
سامری آخر اسیر دام الفت ہو گیا　　چشم فتاں میں ترے جادو کا سرمہ دیکھکر
گرم ہو اب بزم ناؤ نوش بے خوف و خطر　　محتسب ساقی بنا تندیِ صہبا دیکھکر

اب ہے اے مفتوں دلِ مفتوں بشکل آئینہ — محوِ حیرت ہو گیا اس کا سراپا دیکھکر

مفتوں

لالہ رگھوبر دیال ولد لالہ پربھو دیال باشندہ فرخ آباد

اس نے سنی نہ گریۂ دل کی خبر کبھی — آنسو نہ کان تک گئے مثلِ گہر کبھی
کس کس مرض کی عشق میں اے دل دوا کروں — تپ ہے کبھی تو لرزہ کبھی دردِ سر کبھی
کب آکے بعدِ مرگ جنازہ اٹھائیں گے — جب زندگی میں آ کے نہ پوچھی خبر کبھی
لرزہ چڑھا ہراس سے چہرہ اتر گیا — بیمارِ چشمِ یار کو دیکھا اگر کبھی

مقبول

لالہ جے سکھ رائے ولد لالہ چونی لال باشندہ مرادآباد مقیم لکھنؤ، شاگرد منشی مینڈو لال زارؔ لکھنوی،

دیکھنے پاؤں اگر اس گلِ بے خار کا رخ — تا دمِ مرگ نہ دیکھوں کسی گلزار کا رخ
لوگ روتے ہیں قضا سر پہ کھڑی ہنستی ہے — زعفرانی ہوا جب سے ترے بیمار کا رخ
بخت برگشتہ ہوں ایسا جو لگائے مجھ پر — وہیں برگشتہ ہوا اس شوخ کی تلوار کا رخ

بہت کھلائیگا گل گر جنوں سلامت ہے — دکھائیگا ابھی کیا کیا بہار دل میرا
عزیزو یوسفِ کنعاں کی چاہ میں اب تو — کنویں جھکائیگا مجکو ہزار دل میرا

ملتجی

منشی گور سہائے کائستھ باشندہ کاکوری. آپ کلکٹری اناؤ میں ناظر تھے، اردو، ہندی سنسکرت اور فارسی کے عالم تھے، "سداما چرتر" آپ کی خاص تصنیف ہے، ۱۹۱۰ئہ میں وفات کی،

چند بند "سداما چرتر"

اک ہر بھگت برہمن تھا سداما مفلوک — حرف دولت کے وہ رکھتا تھا جبیں سے محکوک
عیش و عشرت تھے زمانے کے سب اس سے متروک — کرشن کے دھیان میں لگتی تھی اسے پیاس نہ بھوک

رات دن کنجِ قناعت میں بسر کرتا تھا
زندگی زہد و ریاضت میں بسر کرتا تھا

فکر تھی اس کی خواصی میں الم خدمت گار — فقر و فاقہ دو عصادار تھے فرمانبردار
بوریا مسند و قالین تھے ہمہم قصر و حصار — گرم رہتا تھا غم و درد کا ہر دم بازار

خامشی لب پہ جو تھی مہرِ سلیمانی تھی
ضبط سے بابِ توکّل کی نگہبانی تھی

خرقہ بر دوش نہ تن زیب نہ کمخواب سے کام — کملی رہتی تھی دوشالے کی طرح سر پہ مدام
علم تھا اس کی عملداری میں اور حلم غلام — دین و ایماں سے تن و جاں کا تھا انجام مدام

تختِ گہہ اس کے لئے باعثِ ویرانہ تھا
جھونپڑا الخلخۂ زہد سے خس خانہ تھا

چند شعر "سدا ما چرتر"

زمیں کے پیسنے کو چال ہے چرخِ ستمگر کی — کبھی اس کے سوا چلتی نہ دیکھی آسیا گھر کی
تہی رہتا نہیں گو ہر سے دم بھر دامنِ حسرت — سخاوت آجکل ہے یہ ہمارے دیدۂ تر کی
نگاہِ لطف سے ہو جس کے بے غم عمر بھر رہنا — روا ہے کیجئے خدمت جو ایسے کیمیا گر کی
غمِ دوراں سے کیا ہے غم اگر زیرِ فلک ہر دم — بسی ہے ملتجی کے دل میں صورت شیام سندر کی

آہن ہے گر یہ بختِ سیاہ کچھ الم نہیں — سنگِ درِ نگار بھی پارس سے کم نہیں
دلبر ہو دلبری پہ تو بیدل ہوں کس لئے — ہے یار غمگسار تو کچھ ہم کو غم نہیں
صد شکر ملتجی کہ بجز آستانِ شیام — اپنا سرِ نیاز کہیں اور خم نہیں

ملک

بابو جگناتھ پرشاد رئیس باشندہ کلکتہ شاگرد جناب میر باسط علی محوی

دل پہ اک سانپ سا لہراتا ہے اسوقت ملکؔ — زلفِ جاناں کی صبا لیکے جو بو آتی ہے

ممتاز

منشی پورن لال شاگرد جناب احسان لکھنوی

نکالا کس نے تھا شر پہلے ہیں نے یا تم نے
ذرا تو کیجیئے انصاف اب خدا کے لیئے

منتظر

پنڈت شیو ناتھ خلف دیوان شنکر ناتھ رئیس باشندہ ہوا

تیرے آئینہ کو کیونکر حور پیکر توڑیئے
ہاں اگر مل جائے تو دستِ سکندر توڑیئے

جس طرح توڑا ہے تو نے محتسب جامِ شراب
دل میں آتا ہے کہ تیرا کاسۂ سر توڑیئے

چشمِ گریاں کی بدولت خون ہے مجھ میں کہاں
حضرتِ فصّاد بس کیجے نہ نشتر توڑیئے

تیری دل شکنی کا ڈر مانع ہے او نازک مزاج
ورنہ گر تڑپیں ذرا تو تیرا خنجر توڑیئے

توڑنا ہی ہے اگر میرا دلِ مضطر تو خیر
عاشقِ گفتار ہوں کچھ منھ سے کہکر توڑیئے

اپنی دل شکنی کی لذت منتظر یاد آئے گی
روبروئے بلبل کے جب جانا گلِ تر توڑیئے

منشی

منشی کندن لال کائستھ باشندہ الہ آباد

ابرو تہِ لوحِ جبیں نیچے ہلال اوپر قمر
ہمجنس دونوں ہمنشیں نیچے ہلال اوپر قمر

محراب پر کھنچوائی ہے تصویر اپنی یار نے
اس عقل پر صد آفریں نیچے ہلال اوپر قمر

چلتے ہیں اٹھائے ہوئے دامن وہ ادا سے
سائے کی توقع نہ رہی بالِ ہما سے

منشی

منشی بنائک پرشاد سررشتہ دار محکمہ سیول جج باشندہ بنارس

اس قمر نے جو پریشاں کئے یکسر گیسو
ہو گئے دہر میں ہم طالعِ اختر گیسو

روزِ روشن کے لئے شب کا بھی تھا ہونا ضرور
اس لئے خلق ہوئے رخ کے برابر گیسو

کان اس شوخ کے بھر دیں تو عجب کیا اے دل
گوشِ جاناں کے قریں ہوتے ہیں اکثر گیسو

بن کے ظلمات یہ تا عارضِ جاناں پہونچے
رکھتے ہیں بخت رسا مثلِ سکندر گیسو

منشی

منشی مول چند کا ستھ باشندہ دہلی، شاگرد جناب شاہ نصیر دہلوی آپ حضرت شاہ عالم بادشاہ دہلی کے دربار میں عہدۂ جلیلہ پر ممتاز تھے "شاہنامہ فردوسی" اور "شمشیر فانی"، کو اردو میں نظم کیا ہے، صاحبِ دیوان ہوئے ہیں، سنہ ۱۸۳۲ء میں رحلت کی،

دوچارِ آئینہ ہردم وہ رشکِ ماہ ہوا ۔۔۔ پر اک نگاہ سے شرمندہ میں نہ آہ ہوا
کبھی نہ یاں سے ہوں آزاد اس ہوس میں کہ ۔۔۔ تمہارے پاس تو ہیں گرچہ ہم قفس میں ہیں
چشم ہے قہر بلا زلف قیامت قامت ۔۔۔ اس لئے لوگ تمہیں آفتِ جاں کہتے ہیں
خواہش نہیں کہ ہاتھ مرے سیم و زر لگے ۔۔۔ یہ آرزو ہے سینہ سے وہ سیمبر لگے
زخم ہنستا ہے تیرے بسمل کا ۔۔۔ کہ تیری تیغ کارگر نہ ہوئی

منشی

منشی عجائب رائے مقیم مرشدآباد شاگرد جناب قدرت اللہ خاں قدرت

تیرے دل سے گرہِ کینہ کو وہ جیب کھولے ۔۔۔ غوطہ جب مار سکے آبِ گہر میں ناخن

منشی

بابو ڈال چند شاگرد جناب آبر بلند شہری

دوستی میں یہ ظلم اور ستم ۔۔۔ کونسے طرز ہیں عداوت کے
بے وفاؤں پہ مرتے ہو منشی ۔۔۔ کام کرتے ہو کیوں ندامت کے

منظور

منشی کالی پرشاد باشندہ گورکھپور شاگرد جناب مقصود گورکھپوری

نہ مغرور ہو حسن پر اپنے کوئی ۔۔۔ کہ یکساں رہا کب زمانہ کسی کا
مجھے کعبۂ و دیر سے کیا غرض ہے ۔۔۔ مرا سر ہو اور آستانہ کسی کا

منعم

منشی موہن لال شاگرد جناب شاہ نصیر دہلوی آپ بیشتر فارسی کلام کہتے تھے،

کہیں آیا ہے دلا آج قدِ یار نظر
کچھ قیامت کے سے آثار نظر آتے ہیں

واں اشارۂ ابرو مطلعِ ہلال ہے
یاں یہ آہ مصرع ہے مقطعِ فغانی کا

منعم

منشی مہتاب سنگھ

طاقت اٹھنے کی نہیں ہے ورنہ میں بھی اے صبا
ساتھ تیرے اک چمن کیا دشت و در کو روندتا

منعم

لالہ مکند لال کائستھ باشندہ دہلی شاگرد پنڈت نرائن داس ضمیر

ہوا جس دم خراماں وہ پری پیکر گلستاں میں
ہر اک گل آنکھ نیچی کر رہا تھا جو چمن میں تھا

منوّر

جناب بشیشور پرشاد خلف جناب دوارکا پرشاد افق باشندہ لکھنؤ، شاگرد حضرت نظر لکھنوی، ولادت ۱۸۹۷ء آپ کے چچا جناب تمنا اور خسر جناب صدر نے اردو ادب کی کافی خدمت کی ہے، آپ نے "نسیم عرفاں" کے نام سے بھاگوت گیتا کا منظوم ترجمہ کیا ہے، صاحب دیوان ہوئے ہیں، سنہ ۱۹۷ء میں راہیِ ملک عدم ہوئے،

حدِ امکاں سے آگے اپنی حیرانی نہیں جاتی
نہیں جاتی نظر کی پا بجولانی نہیں جاتی

جہاں پہلے کبھی سب گوش بر آواز رہتے تھے
وہاں بھی اب مری آواز پہچانی نہیں جاتی

نہیں تعظیم کے لائق نہیں تکریم کے قابل
وہ در جس کی طرف خود کھنچ کے پیشانی نہیں جاتی

لبِ خاموشِ ساحل سے سکوں کا درس ملتا ہے
مگر امواجِ دریا کی پریشانی نہیں جاتی

حقیقت کچھ تو اپنی آبرو کا پاس ہو تجھکو
ہزاروں پیرہن ہیں پھر بھی عریانی نہیں جاتی

سکوں ہوتا ہے پھر بھی سکوں حاصل نہیں ہوتا
کہ جانے کی طرح اپنی پریشانی نہیں جاتی

میرے لئے اک موت ہے جنبش یہ نظر کی
تیرے لئے اک کھیل ہے گویا یہ نظر کا

کچھ اس کے سوا اور دکھائی نہیں دیتا
جو سامنے آنکھوں کے ہے پردا ہے نظر کا

سب کافر و مؤمن ترے جلوے پہ فدا ہیں کعبہ ہے یہ دل کا تو کلیسا ہے نظر کا

محبّت کا مذہب

نہ جدّت ہے اہلِ شریعت کی اس میں نہ دقّت ہے راہِ طریقت کی اس میں
نہ حاجت کسی کی لطافت کی اس میں ضرورت نہ شغل و ریاضت کی اس میں
طریقِ پرستش یہ اعلیٰ ہے سب سے محبت کا مذہب نرالا ہے سب سے

رباعی

ہر ذرہ سے کسبِ نور کرتا ہوں گردِ ظلمت کو دور کرتا ہوں
دل ہی کو بناتا ہوں مقامِ معراج سینہ ہی میں سیرِ طور کرتا ہوں

موجد

منشی کالکا پرشاد ولد منشی بھگوان دین قوم کائستھ باشندہ لکھنؤ ولادت ۱۸۱۹ء شاگرد جناب مرزا ناطق۔ آپ سرکار اودھ میں تعظم اہلکار تھے۔ غدر کے بعد مطبع نول کشور میں ملازمت کر لی تھی، عربی اور فارسی کے عالم اور یکتا خوشنویس تھے، ۱۸۶۹ء میں رحلت کی،

دل جو یک سو ہو تو وہ جلوہ ہو ہر سو پیدا جب ہوا آئینہ یک رو تو ہیں سب رو پیدا
آپ نظروں سے نہاں لطف و کرم سب پہ عیاں وہ عجب گل ہے کہ خود پنہاں رہے، بو پیدا
چشمۂ فیض سے شاداب ہیں سب پست و بلند سبزۂ دسر و مجھے دونوں لبِ جو پیدا
موجدا بے جبیں کے نقطہ کو موحّد رکھ نام بے نشانی کا نشاں آپ ہیں کر تو پیدا

آپ پریزاد بنا کیجئے پر نہ کبھی ہم سے اڑا کیجئے
ایک بھی بیمار نہ اچھا ہوا آپ مسیحا ہیں ہوا کیجئے

موجی

منشی موجی رام کائستھ خلف دیوان چھتر پت رائے باشندہ لکھنؤ، شاگرد حضرت مصحفی۔ نامی استاد اور صاحب تلامذہ ہوئے ہیں۔ سات دیوان اردو

اور فارسی آپ سے یادگار ہیں،

تھے گرد سے بھرے جو غریب الوطن کے پاؤں — شبنم دھلا رہی ہے نسیمِ چمن کے پاؤں
آئی جو اس کے آنے سے گلشن میں فصلِ گل — بلبل نے چوم چوم لئے گلبدن کے پاؤں
جاؤں گا تیشہ لیکے میں سوئے بیستوں اگر — ٹھہریں گے سامنے مرے کیا کوہکن کے پاؤں
مانی نہ ایک بات سحر تک شبِ وصال — میرا سر نیاز تھا اور سیمتن کے پاؤں
کھولی جو اس نے زلفِ گرہ گیر کی رسن — زاہد کے ہاتھ باندھ لئے برہمن کے پاؤں
محشر کے دن وسیلہ شفاعت کا ہو مجھے — موجی جو ہاتھ آئیں حسینؓ و حسنؓ کے پاؤں

قطعہ

وصل بھی دیکھا جدائی دیکھ لی — حق نے جو صورت دکھائی دیکھ لی
دل کے آئینہ میں ہے تصویرِ یار — جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی

کعبۂ دل کو مرے تو مت جلائے سوزِ عشق — یہ مقامِ یار ہے تجھ پہ بلا نازل نہ ہو
کیا کہوں تجھ سے جو حالت ترے بیمار کی ہے — نادمِ مرگ تمنا اسے دیدار کی ہے
اک زخم سے جو میں نہ مرا اس نے یہ کہا — کیا ایسے سخت جان پہ تلوار توڑیئے

موزوں

مہاراجہ رام نرائن رئیس باشندہ عظیم آباد خلف دیوان رنگ لال شاگرد حضرت شیخ علی حزیں اصفہانی، آپ نواب قاسم جان ناظم بنگال کے عہد میں صوبہ دار پٹنہ تھے نواب صاحب نے کسی بات پر ناخوش ہو کر آپ کو جبراً گنگا میں غرق کرا دیا تھا، فارسی کلام کے صاحبِ دیوان ہوئے ہیں ۱۷۶۳ء میں وفات کی،

غزالاں تم تو واقف ہو کہو مجنوں کے مرنے کی — دوانہ مر گیا آخر کو ویرانے پہ کیا گذری
ابر ہوگا تو خجالت سیتی پانی پانی — مت مقابل ہو مرے دیدۂ خونبار کے ساتھ
بھولی نہیں ہے مجکو بتوں کی ادا ہنوز — دل کے نگیں پہ نقش ہے نامِ خدا ہنوز

موزوں

منشی چھتر سنگھ صاحب کائستھ باشندہ دہلی نبیرہ مادھورام صاحب

بیتِ ابرو کو تری دیکھ کے اے مطلعِ حسن ۔ جو ترے کوچہ سے نکلا سو غزلخواں نکلا

مونس

پنڈت شیوجی رام باشندہ دہلی، شاگرد مرزا غالب دہلوی ۱۸۵۸ء میں آپ کا دیوان شائع ہوا تھا،

ہو گیا عشق میں یہ حال ہمیں ۔ آپ اپنا نہیں خیال ہمیں
یاد آیا معاملہ دل کا ۔ سن کے بلبل کا زار حال ہمیں

شعر کہنا سخت مشکل ہے مگر غالب گواہ ۔ مونس ہے شاگرد استادِ زماں مغفور کا
تیرے مرنے کی خبر سن کر، وہ مونس غیر سے ۔ کہتے ہیں اچھا ہوا وہ مر گیا خانہ خراب
تھیں تو سچ ناصح کی باتیں پر وہ جوشِ عشق میں ۔ خوش نہ آئی ایک بھی اس نے جو سمجھائی مجھے
کیوں کروں میں حالِ دل اپنا بیاں ۔ ہے مری صورت سے ہر صورت عیاں
ایسے نہیں ہیں بیٹھ رہیں تم سے ڈر کے ہم ۔ چھوڑیں گے تیرے کوچہ میں آنے کو مر کے ہم

موہن

مہتہ امرناتھ ایڈوکیٹ متوطن ڈانگا ضلع گجرات (پاکستان) ولادت ۱۸۸۴ء آپ کا آبائی وطن ڈہریالہ جالپ تحصیل پنڈدادن خاں ضلع جہلم ہے، آپ برہمن ذات سے تعلق رکھتے تھے۔ انگریزی کے ساتھ آپ کو عربی اور فارسی کی اعلیٰ ڈگریاں حاصل تھیں، تقسیم وطن کے بعد آپ دہلی میں مقیم ہو گئے تھے، ۲۷ مارچ ۱۹۶۴ء کو شکتی نگر دہلی میں انتقال کیا۔ صاحب دیوان اور صاحب تلامذہ ہوئے ہیں، آپ کے شاگردوں میں جناب رام چند سمن سرحدی، جناب نرائن داس زار، اور جناب نند ہ صاحب راہی اسوقت دہلی میں آپ کی یادگار ہیں،

رباعیات

تقدیر کا لکھا ہو ٹل سکتا ہے خط اس کا نئے سانچے میں ڈھل سکتا ہے
اڑ سکتا ہے گر عرش کے تاروں پہ بشر گردش بھی وہ تاروں کی بدل سکتا ہے

احساس جو بیدار نہیں کچھ بھی نہیں اخلاص سے گر پیار نہیں کچھ بھی نہیں
مانا کہ تو ہے صاحب اقبال و حشم گر فعل پہ مختار نہیں کچھ بھی نہیں

قطعہ

کوئی اپنا نہ بن سکا افسوس سب کو اپنا بنا کے دیکھ لیا
نہ بجھی آتشِ جگر نہ بجھی لاکھ آنسو بہا کے دیکھ لیا

انسان بن کے بھی نہ ہم انسان بن سکے انسانیت کو خوار کیا ہم نے کیا کیا
اِک زندگی ہے اور ہزاروں مصیبتیں فرصت کہاں کہ تیری تمنا کرے کوئی
دنیائے محبت کا ہے آئین نرالا جذبات کی آتش سے ہے روشن یہ شوالا
زندگی بھر یہی رہی حسرت کوئی ہوتا مزاج داں اپنا
بھول جاؤں تجھے یہ مشکل ہے میرے بس کا معاملہ نہ رہا

مہاراج

مہاراج راجہ ہلاس رائے دیوان نواب رحمت خان

مکھڑے کو جو دیکھا ہے کبھی رات کو تیرے رہتا ہے کھلا دیدۂ مہتاب فلک پر

مہتاب

لالہ موہن لال کھتری باشندہ اورنگ آباد دکن، خوشنویسی اور انشا پردازی میں مشہور تھے، لالہ لچھمی نرائن شفیق کے یہاں منشی تھے، قریب ۱۲۸۰ھ میں وفات کی

آب آنکھوں سے کم ہوا رو رو تشنۂ آفتاب کی سوگند
دل سے کینہ کو دور کر اے دل تجکو تیرے شباب کی سوگند

مہجور

پنڈت شیو پرشاد کشمیری باشندہ دہلی، آپ ۱۸۵۷ء میں ریزیڈینسی راجپوتانہ میں میر منشی تھے، آپ کی موت ٹھوکر کھاکر گرنے سے ہوئی تھی،

میکشی کا یہ رنگ ہے اس بن | موج ہے ساغرِ شراب میں سانپ
کسی کی زلفِ سیاہ دیکھی ہے | رشک سے ہے جو پیچ وتاب میں سانپ
شرم سے دودِ آہِ سوزاں کے | کیچلی سے ہوا حجاب میں سانپ
اس کی زلفِ سیاہ کی حسرت میں | ہے نگہہ دیدۂ پُر آب میں سانپ

ٹھوکر لگی جو پائے نگارینِ یار کی | مثلِ عقیق ہو گئی لوحِ مزار سرخ
کب چین خاک میں ہے دلِ بیقرار سے | ہے برق جلوہ گر مری مشتِ غبار سے

مہجور

منشی جھاؤ لال باشندہ میرٹھ شاگرد جناب موجی رام موجی

یقیں ہے قتلِ عدو کا اٹھائیں گے بیڑا | ہوئے ہیں کھا کے ہماری گلوریاں محظوظ
بندھ گیا ایسا دُرِ دندانِ جاناں کا خیال | بہہ رہا ہے آنکھ سے موتی کا پانی وقتِ نزع

مہر

منشی مہرچند باشندہ فرخ آباد، آپ زیادہ تر لکھنو والہ آباد میں رہتے تھے

یہ تو اپنے خواب میں بھی بر نہ آئی آرزو | ہم خیالِ وصلِ جاناں بیشتر باندھا کئے
سرمگیں چشم کے بیمار کی لے جلد خبر | بولتا ہی نہیں کہتے ہیں بڑی دیر ہوئی

مہر

راجہ درگا پرشاد خلف راجہ دھنپت رائے قوم کا یستھ رئیس اعظم قصبہ سندیلہ ضلع ہردوئی آپ سند یافتہ تعلقدار آنریری مجسٹریٹ تھے، اردو اور فارسی کے عالم جید تھے، بوستانِ اودھ، تاریخ اجودھیا، گلشنِ ہند، مثنوی مہر تاباں، آپ کی تصانیف ہیں ۱۹۲۰ء میں بعالم ضعیفی وفات کی،

صفتِ خامہ

قدرتِ کردگار ہے خامہ
سب کا مطلب نگار ہے خامہ

کیا چلے کوئی کام اس کے بغیر
ہے ازل سے یہ کاتبِ شر و خیر

اس کی تعریف جو لکھوں کم ہے
اس کی مٹھی میں سارا عالم ہے

بے سر نفع بے سیر بہبود
بہ سر و چشم کام کو موجود

کیا تکلف ہے صبح ہو یا شام
جب کہو مستعد بشکل غلام

جھک کے چلنا یہ اسکی خلقت ہے
سالکِ جادۂ طریقت ہے

پھر نہ کیوں اس کا مرتبہ ہو بلند
حق تعالیٰ کو عاجزی ہے پسند

اس کا سکہ ازل سے جاری ہے
واہ کیا اس پہ فضلِ باری ہے

کاتبِ سرنوشتِ روزِ ازل
خاص فرماں پذیرِ عزّ و جل

حق نگر، حق پسند، حق آگاہ
کاتبِ لا الٰہ الا اللہ

شکوہ کیا ان سے بیوفائی کا
کہ زمانہ ہے کج ادائی کا

ان سے ہے آج وعدۂ دیدار
وقت ہے قسمت آزمائی کا

مہر

منشی سورج نرائن خلف منشی کانجی مل قوم کائستھ باشندہ دہلی، آپ ماہر ویدانت اور شاعر باکمال تھے، فارسی، انگریزی، سنسکرت اور اردو زبانوں پر آپ کامل دستگاہ رکھتے تھے، آپ صوبہ پنجاب میں انسپکٹر مدارس اور ٹیکسٹ بک کمیٹی کے ممبر تھے سنسکرت زبان کے قدیم گرنتھوں کو سلیس اردو میں نظم کیا ہے، اور اردو میں نثر بھی کی ہے۔ آپ کا بیشتر کلام روحانی ہے، ۱۹۲۰ء میں لاہور میں انتقال کیا،

قطعات

بندوں پہ تری بندہ نوازی دیکھی
بیچاروں کے حق میں چارہ سازی دیکھی

تجھکو نہیں دوست اور دشمن میں تمیز
یارب وہ تیری بے نیازی دیکھی

ہے فکر عبث کہ کام کیونکر ہوگا
حق چاہے گا جس طرح برابر ہوگا
کام اپنا خدا کے کر حوالے اے قہر
پھر دیکھ کہ بہتر سے بھی بہتر ہوگا

مستوں سے ہم نے ہوشیاری سیکھی
پروانے سے سوزِ جاں نثاری سیکھی
دریا سے لیا فیض رسانی کا سبق
اور خاک سے اے قہر خاکساری سیکھی

اخلاق کے کام نیک عادت ہے یہی
دارین کی اے دوست سعادت ہے یہی
کر خلقِ خدا کی جان و دل سے خدمت
نزدیک خدا کے قہر طاعت ہے یہی

یارب گل و گلزار میں میں نے تجھے دیکھا
ہر وادیٔ پُرخار میں میں نے تجھے دیکھا
ہر ساز کے پردے میں صدا تیری سنی ہے
ہر شکل کے اظہار میں میں نے تجھے دیکھا

نظر جانبِ غیر ہرگز نہ جائے
سوا تیرے ہم کو نظر کچھ نہ آئے
تصوّر ترا دل میں یوں گھر بنائے
خیال اور بھولے سے آنے نہ پائے

زبانِ خامہ پہ مضمون ہے توحیدِ یزداں کا
ہمارا مطلع دیواں ہے مطلع نورِ عرفاں کا
خلوصِ طبع پیدا کر کہ ہے یہ جزو ایماں کا
نہ ایماں گبر کا حصہ نہ ورثہ ہے مسلماں کا
فلک جس طرح تر ہوتا نہیں ہے ابرِ باراں سے
دلِ صافی پہ آسکتا نہیں ہے داغ عصیاں کا

باقی رہے نہ بوئے خودی بھی وہ لا شراب
عرفاں کے خم سے مجکو پلا ساقیا شراب
کیفی کو کیف عشق سے کرتی ہے باخبر
ہے راہِ معرفت کے لئے رہنما شراب
کھلتے ہیں ایک جام میں چودہ طبق کے راز
اے شیخ پی کے دیکھ تو بہرِ خدا شراب

مہر

بابو نرائن پرشاد کائستھ ولد منشی کنہیا لال باشندہ گوالیار شاگرد و جانشین فصیح الملک جناب نواب داغ دہلوی ولادت ۱۸۶۸ء آپ کو مصوری، خوشنویسی اور موسیقی پر اچھی دستگاہ تھی، صاحب تصانیف کثیرہ ہوئے ہیں،

انتخاب از سہرا

دھوم شادی کی مچائی ہے ترے سہرے نے
یہ گھڑی ہمکو دکھائی ہے ترے سہرے نے
ماہ و پروین سے زیادہ گلِ تر ہیں روشن
یہ ضیا حسن کی پائی ہے ترے سہرے نے
آرزوؤں سے تمناؤں سے بندھ کر سر پر
مہر کو شکل دکھائی ہے ترے سہرے نے

دیکھو عدو کو شوق سے لیکن یہ شرط ہے
میری نظر کو اپنی نظر میں لئے ہوئے
کیا بدگمانیاں ہیں کہ خود بھی چلے ہیں مہر
ہمراہ نامہ بر کو سفر میں لئے ہوئے

وہ مراسم بھی نہیں یاد ہیں یا بھول گئے
کبھی مہماں مجھے کرنا کبھی مہماں ہونا
ہیں پشیمان ہوا اس کی پشیمانی سے
مجھ سے دیکھا نہ گیا اس کا پشیماں ہونا

میری زبان رکھ لے اپنی زباں میں قاصد
تجھ سے نہ ہو سکے گا اظہارِ حال ہرگز
بیٹھے ہیں بن سنور کر میں آئینہ دکھادوں
یوں تو نہ مل سکے گی ان کی مثال ہرگز

کیا ایک ہی کے ہیں یہ ستم میری جان پر
چھ آسمان اور ہیں اس آسمان پر
اے نامہ بر بتا وہ ملے تھے تجھے کہاں
اپنے مکان پر کہ عدو کے مکان پر

میکش

منشی جانکی پرشاد کائستھ ولد منشی برج لال ساکن قصبہ جائس ضلع رائے بریلی، شاگرد جناب ابراہیم حسین ناظم، ولادت ۱۸۷۱ء آپ کے بزرگ

رائے جگناتھ عہد اکبر میں قنوج آ گئے تھے، بادشاہ سلامت نے ان کو بہت بڑی جاگیر عطا فرمائی تھی، آپ اردو، فارسی اور بھاشا میں اچھی قابلیت رکھتے تھے، رائے بریلی کے مڈل اسکول میں ہیڈ ماسٹر رہ چکے ہیں، رامائن نظم میں اور "ایزدنامہ" بطرز "خالق باری" آپ کی تصانیف ہیں،

سینکڑوں لاکھوں مصیبت اور دل رنجور کا
مُور کے سر پر ہے گویا بار کوہِ طور کا

ہیں وہ عالی حوصلہ ہوں میری نظروں میں فلک
دانۂ اسپند ہے بیضہ ہے یا عصفور کا

بارِ غم پڑتا ہے جس کے سر اٹھاتا ہے وہی
کام اس میں کچھ نہیں حمّال کا مزدور کا

ہم ہیں میکش لالہ و گل سے ہمیں ہے کام کیا
ہے فقط درکار ہم کو بادہ غنچہ انگور کا

جہاں میں ایسے ہیں اہلِ نظر ہم
وہی آئے نظر دیکھیں جدھر ہم

مثالِ نیّرِ اعظم شب و روز
رہا کرتے ہیں سرگرمِ سفر ہم

اسرارِ حقیقت کھلیں کس طرح سے میکش
ہر ذرّہ میں ہر قطرہ میں ہے رازِ خداوند

مینوش

منشی شیو سہائے خلف منشی دیبی پرشاد، باشندہ قدیم شاہجہان پور مقیم فتحگڈھ، شاگرد جناب ثناء اللہ خاں فراقؔ،

عرش سے بالا تمہارے گھر کی کرسی ہو گئی
سقفِ گردوں چھت سے تہ خانے کی نیچے ہو گئی

ہیں نگینے نورتن کے غیرتِ الماسِ ماہ
برجِ ماہی آپ کے بازو کی مچھلی ہو گئی

گھیرے رہتے ہیں ترا گھر سبز بختانِ جہاں
اس چمن کے گرد بھی مہندی کی ٹٹّی ہو گئی

ہر گلِ گلشن کو سمجھے عارضِ رنگیں ترا
نرگسِ بیمار گیا آنکھوں سے اندھی ہو گئی

جس میں اے مینوش وصفِ عارضِ رنگیں بندھا
وہ غزل گلدستہ گلہائے معنی ہو گئی

(ن)

ناتواں

لالہ منشا رام خلف منشی لکھپت رائے باشندہ دہلی، آپ ایامِ طفلی میں یتیم ہوگئے تھے، اپنے دادا رائے ہردے رام کے سایۂ عاطفت میں پرورش پائی بعدازاں آپ کے دادا بھی رحلت فرماگئے اور آپکی آزادی میں خلل واقع ہوا. فکرِ معاش میں جگہ جگہ ملازمت کی بیگم شمرو صاحبہ و نواب حسام الدین حیدر خاں کے یہاں اہلکار رہے لاہور میں انگریزی عدالت میں بھی ملازمت کی، شاعری میں کسی کے شاگرد نہیں تھے، آپ کے فرزند درگا پرشاد نادر نامی شاعر ہوئے ہیں، تصنیفات میں رسالہ مرآۃ المسائل، اسکندر، بھاگوت، سنگھاسن بتیسی، بہارستان، نگارستان، دیوان ناتواں، شیو پران، مہاتم، رامائن ہیں،

نصیحت تلخ ہے ہرگز نہ کیجئے | اگر زر پاس ہو تو سب کو دیجئے
نہ دیجے دل کسی کو تا بمقدور | دیا ہوا ناتواں تو پھیر لیجئے

اے رشکِ آفتاب اٹھا دے ذرا نقاب | مجکو نہیں ہے تاب تجھے کس کا ہے حجاب

ناچیز

ٹھاکر کلیان سنگھ ولد ٹھاکر مدن سنگھ باشندہ میرٹھ ولادت ۱۸۷۷ء شاگرد جناب قلق میرٹھی۔

استفادہ اس قدر ہے نالۂ دل سے مجھے | شامِ غم آسان ہو جاتی ہے مشکل سے مجھے
دید کے قابل تھی اے ناچیز غرقابی مری | آرزوئے دستگیری بعدِ ساحل سے مجھے

ناداں

اکھوری پریاگ دت ولد اکھوری گردھاری لال قوم کائستھ باشندہ موضع دھوری ضلع گیا، ولادت ۱۸۷۰ء شاگرد جناب سریر کابری، آپ کے بھائی اکھوری گوپی کشور گیا میں ڈپٹی مجسٹریٹ تھے اور آپ مختار عدالت تھے،

اب تو روتا ہوں ہجر میں ناداں   دل لگایا تھا دل لگی کے لئے

نادر

منشی درگا پرشاد ولد منشی منشارام ناتواں قوم کھتری باشندہ دہلی ولادت ۱۸۳۳ء شاگرد جناب عزت سنگھ عیش و منشی قربان علی بیگ سالک دہلوی، آپ نے مدرسہ دہلی سے فارسی، ریاضی، اور پیمائش میں اچھی قابلیت حاصل کی، پیشہ معلمی رہا ہے، مشاعرہ مستورات کے دو تذکرے "چمن انداز" و "گلشن ناز" کے نام سے تحریر کئے تھے، دکن کے شاعروں کا تذکرہ "گلدستہ نادر المکارم" کے نام سے تحریر کیا ہے، صاحب تلامذہ اور صاحب تصانیف ہوئے ہیں

جوانی ساری نادانی میں گذری   جو باقی تھی پشیمانی میں گذری
شکوہ نہ غیر کا نہ گلہ اپنے کا مجھے   بھرنا پڑا ہے آپ ہی اپنا کیا مجھے
واہ والے جان جاناں واہ وا   کیا نبھایا عہد و پیماں واہ وا
اپنے قول و فعل پر کر تو نگاہ   کیا کہا تھا کیا کیا عیاّر حیف
اک فقط اس ذات کا ہے آسرا   اور کا ہرگز نہیں لیتا میں نام

نادر

منشی گنگا سنگھ باشندہ لکھنؤ شاگرد جناب میر حسنؔ

قاصد تو اس بہانے سے اس پاس جائیو   یہ کس کا خط ہے مجکو ذرا پڑھ سنائیو

نادم

منشی رام دیال کائستھ باشندہ لکھنؤ۔ آپ منشی مینڈو لال زار کے حقیقی برادر اور شاگرد تھے، نامی شاعروں میں آپ کا شمار تھا، صاحب دیوان اور صاحب تلامذہ ہوئے ہیں ۱۸۲۰ء میں وفات کی،

سر جھکا تا ہے ترے در پہ فروغ عزت   موجب فخر و شرف ناصیہ فرسائی ہے
کیا کرے دیکھ کے وہ مشک خطا مشک ختن   جو تری زلف سیاہ رنگ کا سودائی ہے

ملک الموت نے مارا نہ قضا نے مارا ہم کو تو ایک ستمگر کی ادا نے مارا

ناز

لالہ شیر سنگھ جینی باشندہ دہلی، شاگرد جناب مہاراج بہادر برق دہلوی ولادت ۱۸۸۵ء آپ کا آبائی نگر فرخ نگر ہے، آپ کا خاندان جین برادری میں ممتاز حیثیت رکھتا تھا، کلام میں شوخی ہے،

کشیدہ جس سے تم ہوتے ہو کوئی رخ نہیں کرتا
گراتے ہو نظر سے تم جسے مشکل سے اٹھتا ہے
چلے احباب آغوش لحد میں چھوڑ کر مجھ کو
کہ ہمدردی کا جذبہ پہلے اس منزل سے اٹھتا ہے

صورت راحت کہاں جب ہو ستمگر سے بگاڑ
خیر کیسی دل کی جب ہو جائے دلبر سے بگاڑ
غم نہیں ہو جائے چرخ شعلہ پرور سے بگاڑ
ہو نہ لیکن یار کی چشم فسوں گر سے بگاڑ

آکے لپٹا ہے مری چھاتی سے کس الفت کے ساتھ
غم سے بڑھکر باوفا پایا تمہارے تیر کو
دل کو تا کا ہے تو بہتر ہے مگر اپنی طرح
چٹکیاں لینے کی عادت تو سکھا دو تیر کو

دل کے کاشانے میں ارمانوں کی دنیا بس گئی
بند کوزے میں خدا کی شان دریا ہو گیا
ناامیدی سے مٹی خار تمنا کی خلش
دامن دل سے جدا آج ایک کانٹا ہو گیا
آمد و شد سے نفس کی طے ہوئی راہ حیات
دو ہی جھونکوں میں چراغ عمر ٹھنڈا ہو گیا

ناز

لالہ نانک چند ولد لالہ کرم چند باشندہ ضلع ہزارہ صوبہ سرحد ولادت ۱۹۰۰ء آپ کا کلام زیادہ تر سیاسی رنگ میں ہوتا ہے، نثر بھی خوب لکھتے ہیں، اخبار پرتاپ کے ایڈیٹر رہ چکے ہیں

محفل ہست و بود کو جس نے بنا دیا ہو مست
میں وہ فضائے عشق میں سوز شکست ساز ہوں
مجھ سے ملی شگفتگی رنگ گل خموش کو
غمکدۂ نمود میں کیف و طرب طراز ہوں

چارہ گروں سے کیا غرض چارہ گری سے کام کیا — دردِ دلِ حزیں کا میں آپ ہی چارہ ساز ہوں

ناشاد

پرنسپل رام پرشاد قوم کھتری خلف رائے بہادر رسالک رام ڈویژنل انجینیر ریاست کشمیر مولد راہون ضلع جالندھر ولادت ۱۲ ر اگست ۱۸۸۱ء شاگرد جناب برجموہن تاتریہ کیفی، آپ بہت سے کالجوں میں پرنسپل اور پروفیسر رہ چکے ہیں۔ کئی مرتبہ یورپ کے مختلف ممالک کا دورہ کرتے ہوئے انگلستان جا چکے ہیں، ۱۹۴۲ء میں وفات کی۔

"نظم جگنو" کے چند شعر

کوئی تجکو جہاں میں کرمکِ شب تاب کہتا ہے — کوئی اے جگنو تجھ کو پارۂ مہتاب کہتا ہے
شبِ تاریک میں دل کو لبھاتی ہے چمک تیری — کسی گم گشتہ کو رستہ دکھاتی ہے چمک تیری
وجودِ نور میں تیرے ہے سرِ کن فکاں مضمر — تری دوگونہ ہستی میں ہے رازِ دو جہاں مضمر
چراغِ خانۂ تاریک ہے تو بے نواؤں کا — زکوٰۃِ نور سے بھرتا ہے تو دامن گداؤں کا
کہاں سے تونے یہ اندازِ معشوقانہ سیکھا ہے — کہاں سے اس بلا کا غمزۂ مستانہ سیکھا ہے
مرے جگنو شبِ تاریک میں تو نور افشاں ہو — کبھی تو محفلِ ناشاد بھی بزمِ چراغاں ہو

"دردِ دل کی داستاں" کے چند شعر

کسی کے سینۂ پُر درد کا داغِ نہاں ہوں میں — کسی حسرت زدہ کی چشم کا اشکِ رواں ہوں میں
بھرے ہیں مجھ میں یاس و حسرت و ارمان زمانے کے — جہاں میں بیکسوں کے دردِ دل کی داستاں ہوں میں
کبھی ہوں میں کسی بیکس کے ضبطِ دل کی خاموشی — کبھی آہِ کشیدہ اور آوازِ فغاں ہوں میں
بجھا مجکو نہ اے بادِ حوادث اپنے جھونکوں سے — شبِ تاریک میں شمعِ مزارِ بیکساں ہوں میں
مرے دامن سے کیا مطلب غبارِ راہِ ہستی کو — کبھی کا گیر و دارِ دہر سے دامن کشاں ہوں میں

یہ سرائے خود فراموشی ہے میخانہ نہیں — بیخودی کا جام ہے ہاتھوں میں پیمانہ نہیں
کچھ نہیں ساقی یہاں اپنے پرائے کی تمیز — اس سرائے بیخودی میں کوئی بیگانہ نہیں

درد بڑھتا ہے تو گر گر کے سنبھل جاتا ہوں — آپ ہی درد ہوں میں آپ ہی میں درماں ہوں
ایک سلے دیکھے تمنا تھی سو وہ بھی نہ رہی — میں تہی دست ہوں دنیا میں تہی داماں ہوں

عجب کیا ہے جو ان کے آستاں پر سجدہ کرتا ہوں — کہ جھک جاتا ہے سر خود ہی جہاں جائے عبادت ہے
دل و جان و جگر ہیں مستعد مہماں نوازی پر — سنا ہے رنج و غم کی حسرت و ارماں کی دعوت ہے

ناصح کی نصیحت کا اثر مجھ پہ کہاں ہو — رسوا سر بازار ہوں دیوانہ بنا ہوں
ہے یہ کششِ شمعِ سرِ بزمِ حسیناں — جلنے کے لئے شوق سے پروانہ بنا ہوں

ناصب

منشی جھاؤلال عرف رحمت حسین خلف منشی دینا ناتھ عرف حسین بخش فاجب باشندہ لکھنؤ، شاگرد جناب واجب ۱۸۸۳ء میں وفات کی،

دل سمجھ بوجھ کر دیا ہم نے — اب جو سمجھے بھی ہم تو کیا سمجھے
دہنِ یار گنجِ حکمت ہے — اس معمہ کو کوئی کیا سمجھے
اس کے کوچہ کی راہ کو ناصب — ہم تو جنت کا راستا سمجھے

ناطق

لالہ جگناتھ پرشاد خلف لالہ لال جی باشندہ عطائیپور ضلع فرخ آباد

جب تلک خانۂ دل درد سے آباد نہ ہو — عمر بھر خاطرِ عشاق کبھی شاد نہ ہو
ہے تسلی دلِ خام کو مضمونِ وصال — دل جو صابر ہو تو پھر ہجر کی فریاد نہ ہو
تو ہے بدنام فقط اے فلکِ سفلہ نواز — بانیٔ جور کہیں وہ ستم ایجاد نہ ہو
ہو نہ بیزار اگر یار سے پہونچے آزار — آزمائش ہے وفا کی تری بیداد نہ ہو
بحث رہتی ہو جسے کہہ دو مرے ناطق — خام ہی خام ہے وہ صاحبِ ارشاد نہ ہو

ناظم

بابو درگا پرشاد خلف بابو چھوٹے لال مدار المہام سرکار جعفری بیگم صاحبہ

رئیسہ شمس آباد، شاگرد جناب کلب حسین خاں نادر

اگر شمشیر ہو رد کوں سپر سے
بچاؤں دل کو کیا تیرِ نظر سے

اگر وہ صندلی اوڑھے دوپٹہ
تو مجکو ہو افاقہ دردِ سر سے

نہیں محرم ہیں یہ محرم کے اندر
چمکتے کیا ہیں دو شمس و قمر سے

جو اس کے کاکلِ رخ کے ہیں شیدا
انھیں کیا کام ہے شام و سحر سے

تجھے توفیض نادر سے ہے ناظم
نہ غفلت چاہیے کسبِ ہنر سے

ناظم

پنڈت کامتا پرشاد کشمیری ولد پنڈت بدری ناتھ باشندہ لکھنؤ، اہلِ خط تحصیلدار و منتظم بھرت پور

نیرنگ زمانے کے ہیں ہر شام و سحر اور
شب داغ جگر اور سحر سوزِ جگر اور

دکھلائے ہر اک اشک نے سو طرح کے طوفاں
باقی تجھے حسرت ہے کچھ اے دیدۂ تر اور

خدمت میں فقط حالتِ دل عرض کرونگا
حاضر میں ہوں آپ نہ سمجھیں کچھ اگر اور

فردوس سے حوریں ترے نظارے کو آئیں
آنکھوں سے تری سیکھ لیں جادو کے ہنر اور

ایام مصیبت کے گذر جائیں گے ناظم
صدقے ترے کچھ فکر مری جان نہ کر اور

ناظم

پنڈت شیو پرشاد کشمیری ولد پنڈت نانک چند باشندہ لکھنؤ، شاگرد جناب امانت لکھنوی

مانی نے جب بنائے مرے دلربا کے ہاتھ
نازاں ہوا خود آنکھوں سے اپنی لگا کے ہاتھ

اس بادشاہِ حسن کے سر پر کروں نثار
آجائے سلطنت بھی اگر مجھ گدا کے ہاتھ

اے عندلیب باغ میں رکھنا سنبھل کے پاؤں
صیاد نے دراز کیے ہیں جفا کے ہاتھ

پانی میں آگ لگ گئی اٹھنے لگا دھواں
دھوئے جو اس نے نہر میں مہندی لگا کے ہاتھ

نالاں

لالہ متو لال کھتری باشندہ دہلی

کہتے ہیں تیری گلی میں اک نوجواں مارا گیا　　دیکھ تو اے بےخبر جا کر کہیں نالاں نہ ہو

نالاں

ماسٹر گوربخش سنگھ ولد سردار سریندر سنگھ ساکن دھرونی ضلع فیروزپور ولادت ۱۸۹۶ء شاگرد جناب محمد اسمعیل فائق، آپ کے مورثِ اعلیٰ سردار بلاقی سنگھ مہاراجہ گجپت سنگھ والی جیند کے حقیقی بھائی تھے۔ آپ کی عمر سات سال کی ہی تھی کہ باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ آپ دیوسماج ہائی اسکول موگا میں فارسی ٹیچر رہ چکے ہیں

چمن والوں نے مل کر لوٹ لی طرزِ فغاں میری　　سنے گا کون دنیا میں الٰہی داستاں میری
رُلا دوں ہنسنے والوں کو ہلا دوں دل حسینوں کے　　اگر اک روز بھی فریاد سن لے آسماں میری

مآل کیا پوچھتے ہو شمع سے پروانوں کا　　حافظ اللہ ہے ان سوختہ سامانوں کا
عشق نے تخت نشینوں کو کیا خاک نشیں　　جو کرے زیر اسے مردہے میدانوں کا

نامی

منشی شیولال عرف منیب جی کائستھ باشندہ اناؤ شاگرد جناب مرزا غالب دہلوی، ڈسٹرکٹ بورڈ اناؤ میں کلرک تھے۔ کلام میں تصوّف ہے قریب ۱۹۰۲ء میں رحلت کی،

حیراں ہوں کہ کس طرح اٹھے پردۂ نیرنگ　　ہو جلوہ فگن آنکھوں میں دلدار کی صورت
ارمان یہی ہے کہ ترا رشتۂ الفت　　نامی کے گلے میں رہے زنار کی صورت

غموں سے کر کے خالی خانۂ دل　　متاعِ معرفت سے اپنی بھر دے
مئے الفت کا اپنی دے کے ساغر　　مجھے خود رفتہ و سرمست کر دے

جز لطف ترے کون کرے دور غم دل　　ایسا تو نہیں ہے کوئی غمخوار کسی کا

نامی

منشی روپ کشور ولد منشی نند لال قوم جینی باشندہ سہارنپور شاگرد جناب شنکر لال ساقی سکندر آبادی و جناب غریب سہارنپوری ولادت ۱۸۷۴ء، آپ انگریزی اور فارسی میں اچھی قابلیت رکھتے تھے

فنا کرتا ہے خود بینوں کو ہستی سے گذر جانا ۔۔۔ مٹاتا ہے حبابوں کو ہوا کا سر میں بھر جانا

آیا جو نام پاکِ محمد زبان پر ۔۔۔ صلِّ علیٰ کا شور ہوا آسمان پر

بہی جاتی ہے عمر کی کشتی ۔۔۔ ناخدا کا پتہ نہ ساحل کا

نامی

لالہ مٹھن لال کائستھ باشندہ دہلی شاگرد جناب شاہ نصیر دہلوی

دامن سے اس نے جھاڑی جو پیکر شراب گرد ۔۔۔ آئی یہ بو کہ ہو گئی بوئے گلاب گرد

نانک

لالہ نانک چند ولد لالہ راجارام قوم کھتری باشندہ لکھنو، شاگرد جناب پیارے لال رشید، آپ نے مکمل رامائن کا مسدس میں ترجمہ کیا ہے، مرثیہ کہنے میں کمال حاصل تھا، اہلِ اسلام کی مجلسوں میں مرثیے پڑھتے تھے، اور خوب داد پاتے تھے، صاحب دیوان اور نامی استاد ہوئے ہیں، ۱۹۲۸ء میں مظفر نگر کے مشاعرہ میں جو غزل پڑھی اس کا مندرجہ ذیل شعر حاصل مشاعرہ قرار پایا تھا،

یاں ذاتِ عشق فانی واں حسنِ جاودانی ۔۔۔ موسیٰ نہ اتنا سمجھے کس سے مقابلہ ہے

جو ہوا اور ہو گا جو کچھ سب تمہارا کام ہے ۔۔۔ میں ہوں خود مختار یہ الزام ہے الزام ہے

تم حجابِ نور سے باہر تو آجاؤ کبھی ۔۔۔ بے تامل سجدے میں گرنا ہمارا کام ہے

اب نہ جانے رنگ ہو جائے بہار آنے سے کیا ۔۔۔ ہو امیدِ حفظِ نام و ننگ دیوانے سے کیا

کیوں ہے آخر انتظاماتِ جہاں میں برہمی — ختم ہو جائے گی دنیا میرے مر جانے سے کیا

پتّوں پہ سر نوشتِ نظامِ بہار ہے — پھولوں پہ نقشِ صنعتِ پروردگار ہے
آنکھوں سے کہہ کے نزع میں رخصت ہوا ہے نور — بجھتے ہوئے چراغ کا کیا اعتبار ہے

وہ آکے میری قبر کو پامال کر گئے — مٹنا بھی میرا باعثِ نام و نشاں ہوا
ملکِ عدم بھی ہے عجب آرام کی جگہ — مصروفِ خواب آکے ہر اک کارواں ہوا

ہم سے رندوں کو نہ سمجھے کوئی مجبورِ نشاط — پاسِ ساقی ہے وگرنہ لوٹ لیں میخانہ ہم
نہ بیخودی مرا مسلک ہے ساقیا نہ خودی — تو اپنی چشم یونہی نیم باز رہنے دے

مرثیہ کے چند بند

ناگہاں غنچۂ عصمت سے اٹھا شورِ بکا — گوشِ سرور میں گئی ہائے سکینہ کی صدا
پردۂ خیمہ کا اٹھا تب یہ پکاری فضہ — لیجیے آکے سکینہ کی خبر جلد آقا
کہیے عباس علی سے کہ سفر کرتی ہے
تم بہت چاہتے ہو جسکو وہ اب مرتی ہے

نہ رہا ضبط کا غازی کو یہ سُن کر یارا — پہلے سب سے وہ جری خیمہ کے اندر آیا
جا کے بالینِ سکینہ پہ یہ عالم دیکھا — غش سے بے ہوش ہے وہ گرد ہیں سب اہلِ عزا
صبر کہتا ہے کہ مشکل کا خدا مالک ہے
ماں ہے خاموش مگر دل کا خدا مالک ہے

بڑھ کے عباس نے آغوشِ محبت میں لیا — لب جو تھے خشک تو دیدی انھیں دامن کی ہوا
نبض دیکھی کبھی ماتھے کا پسینہ پونچھا — رو کے فرمایا کہ اس پیاس کے صدقے ہیں چچا
ضبط کس چیز کی کچھ منہ سے تو بولو بی بی
پانی ہم لاتے ہیں تم آنکھیں تو کھولو بی بی

نائب

منشی منّولال ولد منشی دینا ناتھ واجب قوم کائستھ باشندہ لکھنؤ، منشی کھنّولال تائب آپکے چچا تھے اور منشی جھاؤلال ناصب آپکے برادر تھے، مشورۂ سخن اپنے والد جناب واجب سے لیتے تھے، ۱۹۲۳ء میں وفات کی،

جس دل میں یادِ دوست نہ ہو کچھ نہیں وہ دل
جس سر میں یار کا نہ ہو سودا وہ سر نہیں،
دل رابدل رہیست کو ہم سمجھیں کسطرح
اس بت کو حالِ دل کی ہمارے خبر نہیں
شورش ہے اضطراب ہے نالہ ہے درد ہے
کیا کیا مصیبتیں دلِ پُر داغ پر نہیں

کیا مجروح پیکانِ نظر نے اس ستمگر کے
جگر کو روح کو پہلو کو دل کو جانِ مضطر کو

نثار

منشی سداسکھ ولد منشی شیتل چند وطن قدیم دہلی مقیم الٰہ آباد شاگرد جناب رفیع احمد سودا، صاحبِ دو دادین اردو، فارسی اور ہندی ہوئے ہیں، شری مدبھاگوت گیتا کو ۱۸۲۱ء میں اردو میں نظم کیا تھا جس کے تقریباً پچاس ہزار شعر ہیں۔

ہمارا ہی دل جب ہمارا نہیں ہے
تو شکوہ ہمیں کچھ تمہارا نہیں ہے
ہوا کے لگے آن میں ٹوٹتا ہے
یہ مینائے دل سنگِ خارا نہیں ہے
لقب جس کا دل ہے وہ گھر ہے خدا کا
یہ کعبہ بتوں کا سنوارا نہیں ہے
دل و جان و ایماں ہیں قرباں تمہارے
کوئی تم سوا ہم کو پیارا نہیں ہے
نثار ایسے بھی لوگ ہو دیں گے شاید
کہ جن میں ہمارا تمہارا نہیں ہے

نجات

لالہ شنکر سروپ خلف منشی رام سروپ شاگرد جناب کلبِ حسین خاں نادر آپ سررشتہ دار کلکٹری فرخ آباد و مالک مطبع فتحگڈھ تھے،

صیّاد و باغباں سے ذرا ہم کو ڈر نہیں
پر سیرِ گلستاں کے لئے بال و پر نہیں

بتخانے میں شوالے میں مندر میں دیر میں
وہ کون جا ہے آپ جہاں جلوہ گر نہیں
کیا چل سکے گا جادۂ الفت میں زاہدا
یہ راہ وہ ہے جس میں ہر اک کا گذر نہیں
اے سرو قد نہ وصل سے مجھکو کیا نہال
کیا باغِ حسن کا مری قسمت میں بر نہیں
میری جو شے نہ ہو وے کروں اسکی مدح کیا
ظاہر کہیں نجات نشانِ کمر نہیں

ندیم

منشی کالکا پرشاد ولد منشی دل سکھ رائے باشندہ فرخ آباد، ولادت ۱۸۵۸ء آپ کے بزرگ ریاست فرخ آباد میں عہدۂ جلیلہ پر ممتاز تھے،

تیغ نگاہ، تیرِ نظر، خنجرِ مژہ
کس کس کا وار رد کئے کس سے بچائے دل
بازارِ حسن و عشق میں ہے یہ صدائے شوخ
پیارا نہ جس کو دل ہو وہ مجھ سے لگائے دل
تقدیر میں تو وادیِ حرماں کی سیر تھی
کس طرح چین ہجرِ حسیناں میں پائے دل

نزہت

لالہ رام سروپ خلف لالہ شیام لال نائب تحصیلدار باشندہ کراولی ضلع مین پوری

مہرباں مجھ پر جو وہ خورشید سیما ہو گیا
آج روشن میری قسمت کا ستارا ہو گیا
زرد رو ہیں اس کے جلووں سے حسینانِ چمن
طائرِ رنگِ چمن دنیا سے عنقا ہو گیا
پاؤں پھیلائے مری وحشت نے ایکبے اس قدر
تنگ اے دستِ جنوں دامانِ صحرا ہو گیا
تو جو سویا چاندنی میں بے نقاب اے ماہرو
ہر ستارہ رات کو چشمِ تماشا ہو گیا
صاف دیوانے ہوئے جس کی پڑی اس پر نظر
وہ پری نزہت مگر جادو کا پتلا ہو گیا

نسبت

منشی رگھوناتھ پرشاد باشندہ شاہ آباد گماشتہ کبر و صاحب منصرم چینی گودام شاگرد جناب مقصود عالم رضوی پہلوی

استخواں ہر ایک سوزِ غم سے جل کر رہ گیا
شمع کی مانند دل غم سے پگھل کر رہ گیا
نزع کے ہنگام میں اس نے قدم رنجہ کیا
جانبِ ملکِ عدم میں آہ چل کر رہ گیا
یہ مرقع ہے کسی کی حسرتِ دیدار کا
آنکھیں وا عاشق کی ہیں اور دم نکل کر رہ گیا

وصل کے وعدے بہت اس شوخ نے مجھ سے کئے — آج کا اقرار بھی افسوس ٹل کر رہ گیا
بیوفا نے ربطِ الفت کا بڑھایا غیر سے — گر کے نسبت بحرِ الفت میں سنبھل کر رہ گیا

نسیم

پنڈت دیا شنکر کشمیری ولد پنڈت گنگا پرشاد باشندہ لکھنؤ، شاگرد جناب آتش لکھنوی ولادت ۱۸۱۱ء، ذریعۂ معاش یہ تھا کہ آپ شاہی فوج میں وکیل تھے، اپنے مذہب کو ترک کر کے دینِ اسلام قبول کر لیا تھا، ۱۸۴۳ء میں راہیِ ملکِ عدم ہوئے،

بل پڑنے لگا ابروئے خمدار کے اوپر — آجائے نہ آفت کہیں دو چار کے اوپر
خونریزی پہ باندھے گا کمر جبکہ وہ سفاک — گلزار بنا دیگا تنِ زار کے اوپر
بوسہ جو طلب میں نے کیا بولے یہ اغیار — تلوار چلے گی اسی تلوار کے اوپر
وعدہ کیا آنے کا پر آئے نہیں ہرگز — کیا ہوئے یقین آپ کے اقرار کے اوپر
تاثیر ہے تقریر میں اس شوخ کے اتنی — خاموش ہوئیں بلبلیں گفتار کے اوپر

عشق میں دل بن کے دیوانہ چلا — آشنا سے ہو کے بیگانہ چلا
قلقلِ مینا سے آتی ہے صدا — بھر چکا جس وقت پیمانہ چلا

نہ پایا رنج سے خالی جہانِ عیش میں کوئی — کسی کے داغ ہے دل پر کسی کو داغ ہے دل کا
ان زلفوں کی خدمت میں خطا کچھ جو ہوئی ہو — فرمائیے حاضر ہے گنہگار تمہارا
پیری میں طرزِ عشق جوانی وہی رہا — صورت کے ساتھ دل کا بدلنا محال ہے
چمن میں گل نے کہیں دعوائے جمال کیا — جمالِ یار نے منھ اس کا لال لال کیا
ذلت ہے جو پھیلائے بشر پیشِ بشر ہاتھ — یارب نہ کبھی ہاتھ کا ہو دست نگر ہاتھ
نسیمؔ اس چمن میں گلِ تر کی صورت — پھٹے کپڑے رکھتے ہیں پردہ تمہارا
کس سوچ میں ہو نسیمؔ بولو — آنکھیں تو ملاؤ دل کہاں ہے

لائے اس بت کو التجا کرکے کفر ٹوٹا خدا خدا کرکے

نسیم

مرزا راجہ کیدار ناتھ پیشکار نظامت شاہی ونبیرہ راجہ رام ناتھ بہادر باشندہ دہلی، شاگرد جناب سعادت یار خان رنگین ۱۸۱۴ء میں وفات کی،

مسی مالیدہ دنداں یار کے یکسر چمکتے ہیں
تعجب ہے کہ تارے ابر میں کیونکر چمکتے ہیں

تنل ہاتھوں سے ترے یہ دلِ رنجور رہوا
دردِ سر روز کا تھا خوب ہوا دور ہوا

ہے جب سے چھپا ہم سے دلارام ہمارا
پاتا نہیں ہے تب سے دل آرام ہمارا

نسیم

پنڈت برج ناتھ باشندہ اکبرآباد (آگرہ)

کسی کو دیکھنی منظور ہو جو خار میں روح
تو آکے دیکھے یہاں میرے جسم زار میں روح

نسیم جائے اگر باغ میں وہ جانِ جاں
ہر ایک گل میں پڑے جاں ہر ایک خار میں روح

نشاط

رائے تلجا پرشاد خزانچی حیدرآباد دکن، شاگرد جناب فیض

محوِ بتاں ہوں میں کسی لیلا کی یاد میں
صحرا وطن ہوا نہ مجھے گھر سے ہے غرض

نشاط

منشی ایشوری سنگھ عرف بسنت سنگھ ولد لالہ سندر داس قوم کایستھ شاگرد جناب رنگین و انشار

کوئی تڑپے ہے مارا چشم کا اور کوئی قامت کا
ترے کوچہ میں ہے گرم آج ہنگامہ قیامت کا

جسے چاہے ہے دل اپنا قیامت خوبصورت ہے
پری ہے حور ہے وہ بت بڑا محبوب صورت ہے

آشنائی تجھ سے کیا کی مجھ سے نادانی ہوئی
دوستی میری ہی آخر دشمنِ جانی ہوئی

اے بتو ہم نہ پھرے پاسِ وفا سے اپنے
جو کیا تم نے سو پاؤ گے خدا سے اپنے

پاؤں تک دسترس کہاں ہے نشاط
ہاتھ سے ہاتھ لگ نہیں پاتا

نتھ کے حلقہ کا دیکھکر عالم
ناک میں آرہا ہے دم میرا

نشاط

لالہ اجودھیا پرشاد اہلکار نظامت فرخ آباد خلف لالہ ایشری پرشاد شاگرد جناب نادرؔ

لطف ابرو کا ترے جبکہ مجھے یاد آیا
پھر نہ محرابِ حرم پر دلِ ناشاد آیا

آج دل میں ہیں جو ارمان نکل جائیں گے
بے بلائے ہوئے گھر پر وہ پری زاد آیا

قلق و یاس و غم و رنج و الم درد و بلا
اور کیا عشق سے ہاتھ اے دلِ ناشاد آیا

دل وہ پتھر ہے کہ جس دل میں تری چاہ نہ ہو
خود فراموش ہے وہ تو نہ جسے یاد آیا

ہوئی خاطر کو نشاطؔ آج کے مے پینے سے
ساقیا دیدۂ مخمور ترا یاد آیا

نشاط

بابو ہرگوبند سہائے کائستھ باشندہ اکبر آباد (آگرہ) شاگرد جناب مرزا غالب دہلوی، ولادت ۱۸۲۸ء، آپ آگرہ میں عدالت دیوانی میں سررشتہ دار تھے بعد ازاں وکالت کا امتحان پاس کیا ۱۸۷۵ء میں ریاست کوٹہ کے جج مقرر ہوئے اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے ۱۸۹۱ء میں وفات کی،

ان لبوں سے مرا گلا نکلا
منھ کو تکتا ہوں میں یہ کیا نکلا

ہم نے سجدے کو سر جھکایا تھا
بارے واں ان کا نقشِ پا نکلا

غم و اندوہ و حسرت یا نشاط و شادی و فرحت
وہی تسلیم ہے ہمکو تری جس میں رضا ٹھہرے

ذکرِ خیر اوروں کا اور ہے گلہ اپنا
بات پا گئے ہم بھی گم ہے مدعا اپنا

شرک سے جبکہ دل جدا ہو گیا
سنگ سے بت، بت سے خدا ہو گیا

یہ دلِ دیوانہ بس مسرور ہے
اپنے گھر میں شکلِ صحرا دیکھ کر

شیشۂ مے بغل میں نشاطؔ
اور دعویٰ ہے پارسائی کا

نشتر

بابو ہرگوبند دیال کائستھ ولد منشی جگل کشور باشندہ قصبہ ہنگام ضلع فتحپور

ولادت ۱۸۸۴ء شاگرد جناب بال کرشن قمر لکھنوی آپ کے والد رائے بریلی میں وکالت کرتے تھے اور آپ رائے بریلی میں وکالت کرتے تھے اور اعلیٰ وکلا میں آپ کا شمار ہوتا تھا ذوق سخن بے حد تھا۔

دیکھکر پھولوں کو یہ بے ساختہ گذرا خیال
ایک دن آخر ہیں یہ گلچیں کے دامن کے لئے
پاسِ رسوائی سے وہ پلکوں پہ آکر رک گئے
چند قطرے آنسوؤں کے تھے جو دامن کے لئے
تم بھی نشتر چھوڑ کر اک دن اسی کے ہو رہو
جس کی رحمت ایک سی ہے دوست دشمن کے لئے

پھر کسی کی یادِ مژگاں بے طرح آنے لگی
پھر کلیجے میں مرے چبھنے لگے ہیں تیر سے
دیکھئے گلشن کی سرسبزی و شادابی کا رنگ
پتی پتی کہتی ہے افسانۂ ابرِ بہار
ہزار توبہ سے بڑھ کر ہی سمجھ میں ہے
گناہ گار اگر شرمسار ہو جائے
لاکھوں تفکرات زمانے کے اور میں
تنہا بھی بیٹھتا ہوں تو محفل لئے ہوئے

نشتر

بابو گورکھ داس ولد لالہ شیولال قوم کشپ کھتری باشندہ قصبہ ڈین ضلع گورداسپور (پنجاب) شاگرد جناب بال کرشن قمر لکھنوی ولادت ۱۸۹۴ء آپ نے ۱۹۱۷ء میں بسلسلۂ ملازمت فوج عراق میں خدمات انجام دیں، بعد ازاں آپ ریلوے میں ملازم ہو گئے ۱۹۳۲ء میں آپ مراد آباد میں قیام پذیر تھے۔ فنِ موسیقی سے شوق رکھتے تھے،

ناوک انداز اگر تیر نظر کے ہوتے
وہ ہدف ساز مرے دل کے جگر کے ہوتے
عشق دنداں میں نہیں ابروئے پرخم کا خیال
آبِ شمشیر پہ تف آب گہر کے ہوتے

اچھا ہوا جو تو شبِ فرقت نہ آسکا
مرنے دیا نہ ہم کو ترے انتظار نے
جتنے کئے تھے نشترِ ناکام نے گناہ
عقبیٰ میں عفو کر دیئے پروردگار نے

ہو کے گم یار تک پہونچ جانا
یہ نئی راہ ہے رسائی کی
اس محبت میں کیا مزہ نشترؔ
جس میں تلخی ہو بے وفائی کی

کس تاک میں چشمِ فتنہ جو ہے
کیا اب بھی جگر میں کچھ لہو ہے
تیری تیغِ ستم کی خاطر
سینہ ہے جگر ہے اور گلو ہے

تمہارے وحشیوں کو اس قدر ہے فکرِ آزادی
کہ زنداں میں بھی تصویریں بناتے ہیں بیاباں کی

نشترؔ

سردار ی لال قوم چوراسیہ خلف پنڈت منگل سین چوراسیہ باشندہ میرٹھ شاگرد حضرت ندرتؔ میرٹھی و شریف اللہ رابطؔ میرٹھی ولادت ۱۸۹۸ء اردو اور ہندی میں اچھی دستگاہ رکھتے تھے۔

مجکو الفت میں کسی سے کیا شکایت کیا گلہ
تم تو تم ہوا تو اپنا دل بھی اپنا دل نہیں
مختصر روداد اے نشترؔ یہ سوزِ غم کی ہے
دل جہاں تھا اب وہاں اک آبلہ ہے دل نہیں

قابلِ دید ہے وحشت میں یہ ساماں میرا
آستین جیب میں دامن میں گریباں میرا
مدتوں میں نے پلایا ہے لہو تلووں کا
کانٹے کانٹے پہ بیاباں کے ہے احساں میرا

در پئے غرقِ زمین و آسماں ہو جائیگا
ایک اشکِ غم محیطِ دو جہاں ہو جائیگا
توڑ دے اے موت زنجیرِ نفس کو توڑ دے
قیدِ ہستی سے رہا اک ناتواں ہو جائیگا

کیا دل کے لہو میں بھی تسلیم کا جذبہ تھا
آنکھوں سے جو ہر آنسو مائل بہ نیاز آیا
نشترؔ یہ کرشمہ ہے تاثیرِ محبت کا
آغوشِ تصور میں وہ پیکرِ ناز آیا

ادھر اس بے وفا میں ناز ہے شوخی ہے غمزہ ہے
ادھر دل میں مرے حسرت ہے ارماں ہے تمنا ہے

یہ بھی وحشت ہے کوئی اپنا گریباں اپنا ہاتھ
ہاتھ ان کا چاہیئے میرا گریباں چاہیئے

کیا شکایت ہو ستم کی جور کی بیداد کی
جب سنائی ہی نہیں ہوتی وہاں فریاد کی

جا کے گلشن میں ذرا صیاد اتنا دیکھ آ
آشیاں کا کیا ہوا میری گرفتاری کے بعد

بس جو رو دیا جوش وحشت میں گریباں پھاڑ کر
میرے آنسو بخیۂ چاک گریباں ہو گئے

نصرت

لالہ گوبند رائے کائستھ شاگرد جناب شاہ نصیر دہلوی

کمر کا خیال اس کی جب آ گیا
تو سب نے کہا یہ عدم کو چلا

نصیر

منشی ارجن سنگھ محافظ دفتر فوجداری ولد بدھ سنگھ داروغہ توپ خانہ راجہ بھرتپور، شاگرد جناب شیخ محمد عسکری اخگر

یاد ان کی دلا جاتی ہیں برسات کی راتیں
دل دوڑے ہے جب آتی ہیں برسات کی راتیں

یہ کالی گھٹا، رات اندھیری، یہ سیاہی
کیا ہجر میں تڑپاتی ہیں برسات کی راتیں

ساون تو گیا آئیے بھادوں میں خدارا
اے جان چلی جاتی ہیں برسات کی راتیں

نہ پاس ہے وہ برق تجلی نہ مئے ناب
اب خوش بھی نہیں آتی ہیں برسات کی راتیں

ملتا ہے نصیر جگر افگار وہ دلدار
کیا راس نہیں آتی ہیں برسات کی راتیں

نظر

لالہ نوبت رائے کائستھ باشندہ لکھنؤ شاگرد جناب مظہر لکھنوی ولادت ۱۸۶۶ء فارسی، اردو اور انگریزی پر کافی عبور رکھتے تھے آپ کی تمام زندگی اخباری گذری ہے، ۱۹۲۲ء میں وفات کی۔

ضبط سے دل نزار رہتا ہے
اندرونی بخار رہتا ہے

یوں تو دل کو کبھی قرار نہ تھا
اب بہت بے قرار رہتا ہے

دلِ اہلِ حقیقت و عرفان
زندہ زیرِ مزار رہتا ہے
ان کے تیور کو دیکھ کر یہ دل
اور امیدوار رہتا ہے
قطع امید ہو تو صبر آئے
روز اک انتظار رہتا ہے
خاکِ مدفن نہ بادِ تند اڑا
کہ یہاں خاکسار رہتا ہے
مایۂ زندگی سخن ہے نظرؔ
شعر ہی یادگار رہتا ہے

نظرؔ اب چل کے کرنا چاہیے آباد مرقد کو
بہت ہے منتظر اپنی زمیں گورِ غریباں کی
موت سے کیا ساز کر رکھا ہے اس نے اے نظرؔ
مدتیں گذریں سبب کھلتا نہیں تاخیر کا
زندگی کی کشمکش سے مر کے پائی کچھ نجات
اس سے پہلے اے نظرؔ فرصت کبھی ایسی نہ تھی
دل ہے مرا یا ترا نقشِ کفِ پا ہے
غل ہے کہ اک آئینہ سرِ راہ پڑا ہے

نظر

لالہ گنپت رائے باشندہ دہلی، شاگرد حضرت شاہ نصیر دہلوی
گیا زرد ہوئیں عشق کے آزار سے آنکھیں
ہمچشم ہیں اب نرگسِ بیمار سے آنکھیں

نظم

رائے ٹھاکر پرشاد خلف رائے منشی دھر قوم کائستھ باشندہ حیدرآباد دکن ولادت ۱۸۶۲ء شاگرد جناب نائب لکھنوی پرگو شاعر تھے۔ ۱۹۰۶ء میں وفات کی

غیر اس درجہ ہوئی ہجر میں حالت میری
ہر بشر دیکھ کے روتا ہے یہ صورت میری
درد و غم، رنج و الم نالۂ و فریاد و فغاں
رات دن ان سے رہا کرتی ہے صحبت میری

کھا کھا کے داغ کوچۂ جاناں کو دیکھئے
طاؤس بن کے آج گلستاں کو دیکھئے
وحشت میں دل یہ کہتا ہے کہ کر دے چاک چاک
دامن کو دیکھئے نہ گریباں کو دیکھئے

عاشق کے جسمِ زار میں جانِ حزیں نہیں
حسرت کا ہے محل کہ مکاں ہے مکیں نہیں

ایسا ہی تھا اگر تو وہ لیجاتے مجھ سے کیوں دل لیکے پھیر دیں وہ مجھے یہ یقیں نہیں

عشق گیسو میں عجب رنگ یہ اے جاں دیکھا جب ذرا آنکھ لگی خواب پریشاں دیکھا
وحشتِ دل کی بدولت یہ ہوا فخر نصیب خضر نے جو نہ سنا تھا وہ بیاباں دیکھا

شبِ غم کیا کہوں کیوں کر بسر کی قسم آنکھوں کی رو رو کر سحر کی
خمار آنکھوں میں ہے بکھری ہیں زلفیں یہ کہئے تو کہاں کل شب بسر کی

نگار

رائے بہادر شنکر دیال ولد منشی برج بہادر قوم کائستھ باشندہ لکھنؤ ولادت ۱۸۷۵ء شاعری میں کسی کے شاگرد نہیں تھے، آپ نے چند روز لکھنؤ میں وکالت کی بعد ازاں منصف مقرر ہوگئے اور پھر ترقی کرکے ڈسٹرکٹ جج کے عہدہ پر ممتاز ہوئے، ۱۹۲۱ء میں آپ کو رائے بہادر کا خطاب عطا ہوا، آپ نے بھگوت گیتا کو "گنجینۂ معرفت" کے نام سے اردو میں منظوم کیا اور "رام مالا" کے مصنف بھی ہیں، صاحبِ دیوان ہوئے ہیں،

مناجات کے چند بند

اے شری کرشن مہاراج مری ہے یہ دعا دل میں ہو جوش طبیعت میں ہو زور عطا
اور خامہ میں مرے ہو وہ روانی پیدا تاکہ اردو میں کروں نظم میں بھگوت گیتا

کاش ہو جائے مرے دل کا جو ارماں پورا
میں یہ سمجھوں مری قسمت کا ستارا چمکا

قالب و روح کا ہر مسئلہ کرنا ہے بیاں زیست و مرگ کے عقدہ کو بھی کرنا ہے عیاں
پردۂ غیب میں جو جو بھی ہیں راز پنہاں نظم میں ان کا بیاں ہو یہ نہیں ہے آساں

جو سداما کی ہیں بگڑی کو بنانے والے
میری مشکل میں وہی کام ہیں آنے والے

میرے اشعار سے ہر گھر میں اجالا ہو جائے
شیشۂ دل جو ہو پُر زنگ مصفا ہو جائے
رنگ ان کا جو ہو بے رنگ دو بالا ہو جائے
نور ہر زاہد و عابد کا سراپا ہو جائے

ختم تمہید کو کر رکھ یہ توقع تو نگار
ہر طرح وہ ہی نبھائیں گے کہ جو ہیں مختار

مزہ پایا جو شاہی کا تو پایا بے نوائی میں
مرا یہ کاسۂ دل ہی ہوا ہے جامِ جم مجھکو
حصولِ دولت و جاہ و حشم میں زندگی گذری
اب آخر کچھ نہ کام آئے زر و جاہ و حشم مجھکو
خدا جو رزق دیتا ہے وہ ہر بندہ کو کافی ہے
نہ مجھکو کوئی شکوہ ہے نہ بحثِ بیش و کم مجھکو

ہو جائے میرا قلب صفا مثلِ آئینہ
درکار ہے طبیبو کچھ ایسی دوا مجھے
وہ دن خدا کرے مرے قابو میں ہوں حواس
بن کر بلا ستائیں نہ حرص و ہوا مجھے
مجکو نہیں ہے فکر زر و سیم و جاہ کی
شاکر ہوں میں اسی پہ ہوا جو عطا مجھے

بابِ شاہی پر عبث کرتا ہے اپنے سر کو خم
بابِ حق موجود ہے جب سر جھکانے کے لئے

نوا

لالہ کشن لال ولد لالہ کنہیا لال قوم مہاجن اگروال باشندہ جے پور، آپ کی تعلیم بی۔ اے تک تھی ذوقِ سخن بیحد تھا، ۱۹۱۰ء میں عین عالمِ شباب میں انتقال کیا۔

دامن ہی کیا یہاں تو گریباں نکل گیا
دستِ جنوں کے ہاتھ سے نقشہ بدل گیا
اچھا کیا کہ پاؤں میں زنجیر ڈالدی
زلفوں کے کچھ خیال سے دل تو بہل گیا

وہی ہوا ہے کہ جو تھا نوشتۂ تقدیر
نہ کچھ خطا ہوئی ہم سے نہ کچھ صواب ہوا
عدو بھی اشک بہاتا ہے میری حالت پہ
تمہارے ہجر میں اس درجہ میں خراب ہوا

شہیدِ ناز کا کس شان سے ارماں نکلتا ہے — کہ پہلے دم نکلتا ہے تو پھر پیکاں نکلتا ہے

نور

پنڈت سکھدیو پرشاد باشندہ بھرت پور

غیروں سے نوک جھونک دلبر سے چھیڑ چھاڑ — ہم کر رہے ہیں اپنے مقدر سے چھیڑ چھاڑ

نہال

کنور چندی سہائے خلف راجہ جیا لال گلشن رئیس باشندہ لکھنؤ ولادت ۱۸۲۴ء شاگرد نواب عاشور علی خاں بہادر، فارسی میں اچھی دستگاہ رکھتے تھے خوش نویسی کے استاد کامل تھے، ۱۹۱۰ء میں وفات کی،

لکھا جو وصفِ دہن غیب سے ندا آئی — عدم کا قصد کیا تیرے دل میں کیا آئی
جو نخل بندِ ازل کا ہوا چمن میں خیال — نظر گلوں میں عجب شانِ کبریا آئی
غریقِ بحرِ محبت کی لی خبر نہ کبھی — خدا سے شرم نہ کچھ تجکو ناخدا آئی

عشقِ رخسار سے یہ طالعِ یاور پایا — آئینہ مجکو دکھاتا ہے سکندر میرا
لالہ رویوں نے دیئے داغِ محبت وہ نہال — بن گیا سروِ چراغاں تنِ لاغر میرا

بہارِ گلشنِ ہستی ہے قائم شادی و غم سے — جو گل خنداں ہے گلشن میں تو گریاں شمع محفل میں
جہاں معشوق ہو عاشق وہیں اسکا پہونچتا ہے — چمن میں جائے پروانہ نہ بلبل آئے محفل میں

نہال

لالہ نہال چند باشندہ لاہور، مصنف "گل بکاؤلی"

"گل بکاؤلی" کے چند شعر

سینہ میں سرنگ تو لگا کر — دل مفت میں لے گیا چرا کر
دیکھا نہیں گو نگاہ بھر کر — پر آنکھ پڑی صنر در لب پر
گو سیر ہوا نہ تو یہ مانا — اس شہد کا پر مزہ تو جانا

جو نقد تھا اس کو لے گیا ہے صندوق فقط یاں پڑا رہ گیا ہے

نیاز

لالہ راجارام خلف لالہ جگناتھ باشندہ بھگونت نگر ضلع ہردوئی

بھول کر بھی نہیں کرتا وہ کبھی یاد مجھے کر دیا اس کی فراموشی نے برباد مجھے
جادو ہے سحر ہے افسوں ہے بلا ہے اے دل چشم مستِ سیہ شوخ پری زاد مجھے
آنکھیں جب چار ہوئیں خونِ رگِ دل نکلا اس کے مژگان ہوئے نشترِ فصّاد مجھے
موسمِ گُل ہے نہ کر کنجِ قفس کا پابند چار دن بھی تو ہوا کھانے دے صیّاد مجھے
اے نیازؔ آنکھوں سے اپنی نہ گرائیں معشوق نظر آتی ہے بری عشق کی بنیاد مجھے

نیم چند

منشی نیم چند مصنف "گل صنوبر"

جی نہیں لگتا کہیں سیرِ بیاباں کیجئے چاک پیراہن کو اپنے تا بہ داماں کیجئے
لبِ لعلِ گلبرگ یا قند ہے زباں جس کے اوصاف میں بند ہے

(و)

واجب

منشی دینا ناتھ عرف حسین بخش ولد منشی مکھن لال طالب ساکن لکھنؤ

آپ فارسی کے عالم اور فن سخنوری کے استاد کامل تھے ۱۸۵۸ء میں وفات کی

سراسر رنج میں پائے توکّل کو نہیں لغزش کشادہ دل ہمیشہ صورتِ دستِ کرم ہوں میں
کبھی او شہسوارِ توسنِ خوبی ادھر آنا فتادہ بر سرِ رہ صورتِ نقشِ قدم ہوں میں
لگی ہے کفر و دیں دونوں کی لو کرتا ہوں دلسوزی چراغِ دیر ہوں گاہے گہے شمعِ حرم ہوں میں

دمِ تحریر کہتا ہے قلم مجھ سے یہ اے واجبؔ
نہ سمجھو دو زباں بہرِ عدو تیغِ دودم ہوں میں

غیر منقوط اشعار

وصل اس کا اگر دلا ہو گا | سارا درد و الم ہوا ہو گا
سر درِ دو سرا کی ہو مدح | گھر ارم کا دلا عطا ہو گا
عدو ہمسر ہمارا ہو لاحول | وہ مگس کس طرح ہما ہو گا

واصف

ٹھاکر لال سنگھ چھتری باشندہ بیسواڑہ او دھ مقیم رو ڑکی ضلع سہارنپور، شاگرد جناب مظفر حسین فائق، آپ کو طب میں کما حاصل تھا، غربا کو دوا مفت تقسیم کرتے تھے، آپ گلاب سنگھ مشتاق کے حقیقی برادرِ اکبر تھے ۱۸۸۳ء میں حیات تھے،

بجز ذبح صیاد کیا جانتا ہے | چھری کے تو جو ہر گلا جانتا ہے
سمجھتا ہے صلواۃ گالی کو عاشق | ترے کوسنے کو دعا جانتا ہے
مرے خرچ کو دیکھ کہتی ہے خلقت | کہ واصف تو کچھ کیمیا جانتا ہے

زاہدا پھول عبادت کے بھروسہ پہ نہ تو | کارخانے ہیں عنایت کے عبادت کیسی

واصل

لالہ درگا پرشاد خلف لالہ گنگا پرشاد گماشتہ مسٹر گلمور صاحب تاجر علی گڈھ، مقیم فتح گڈھ، باشندہ فرخ آباد،

ہوتا نہیں وصال بتِ رشکِ ماہ سے | ہر دم ہے سامنا شبِ بختِ سیاہ سے
اے چرخ یہ دعا ہے جنابِ الٰہ سے | وہ مہ لقا نہ دور ہو اپنی نگاہ سے
جو ہیں ہمارے خون کے پیاسے ہیں اے صنم | پلکوں کے تیر کم نہیں تیرِ نگاہ سے
قتّالِ خلق نرگسِ فتّانِ یار ہے | کس طرح مرغِ دل بچے تیرِ نگاہ سے
تیری گلی کے خاک نشیں جو فقیر ہیں | رتبہ میں وہ سوا ہیں کہیں بادشاہ سے
دیکھی نہیں کسی نے ابھی تک تری کمر | یہ بال بال باندھتی ہے اشتباہ سے
واصل اب ان سے کیا ہمیں چشم امید ہے | ہر وقت دیکھتے ہیں وہ ترچھی نگاہ سے

والہ

ایک ہندو شاعر فیض آباد کے ہیں نام معلوم نہیں ہو سکا

اعجازِ لب اس کا دمِ عیسیٰ سے کم نہیں ۔۔۔ وہ غنچۂ سیمیں یدِ بیضا سے کم نہیں
معدوم کو کیوں کر کوئی ثابت کرے والہ ۔۔۔ مضموں کمرِ یار کا عنقا سے کم نہیں

وحدت

لالہ جمعیت رائے کائستھ باشندہ میرٹھ

ہر دم ہے عندلیب کو اب عزم تال کی ۔۔۔ فصلِ بہار آتے ہی اس کو ہوا لگی

وحشی

پنڈت بشمبر ناتھ ساکن دہلی آپ بشیشر ناتھ کے والد تھے

ہم اپنے جوش پہ جب چشمِ تر کو دیکھتے ہیں ۔۔۔ حباب سا فلکِ فتنہ گر کو دیکھتے ہیں
یہ جوش آتا ہے عنقا کے لائیں پر ۔۔۔ کبھی تمہارے جو موئے کمر کو دیکھتے ہیں

وحشی

لالہ کنھیا لال کائستھ خلف لالہ منگل سین شاگرد جناب درگا پرشاد نادر
آپ حکیم سکھانند رقم کے رشتہ داروں میں تھے،

شبِ فراق کو کاٹے ہیں ہم ستارے گن ۔۔۔ جو تو پھر آئے تو پیارے پھریں ہمارے دن

وحشی

لالہ بشمبر ناتھ ولد لالہ گوپی ناتھ باشندہ دہلی،

جو سر نہ اٹھاتے تھے کبھی آگے ہمارے ۔۔۔ اب وہ بھی پھرا کرتے ہیں ساتھ انکی اکڑ کر

وحشی

بابو کرشن سہائے ولد منشی چندی سہائے مولد و متوطن فتحپور ہنسوا باشندہ
حال کانپور ولادت ۱۸۴۰ء پیشہ وکالت فارسی کلام بھی خوب کہتے تھے،
صاحب تلامذہ ہوئے ہیں،

زمیں سے آسماں تک آسماں سے لامکاں تک ہے ۔۔۔ ذرا پروازِ مشتِ خاک تو دیکھو کہاں تک ہے

تلاشِ جستجو کی حد فقط نام و نشاں تک ہے — غبارِ کارواں بھی بس وجودِ کارواں تک ہے
یہ احساسِ تعلق مجھکو مٹنے بھی نہیں دیتا — کہ تیری داستاں کا ربط میری داستاں تک ہے
سراپا آرزو بن کر کمالِ مدعا ہو جا — وہ ننگِ عشق ہے جو آرزو آہ و فغاں تک ہے

منزلِ راہِ حقیقت کبھی بے نور نہیں — یہ وہ دنیا ہے کہ جس میں شبِ دیجور نہیں
سر میں سودا ہو تو منزل بھی کبھی دور نہیں — دار ابتک ہے وہی پر کوئی منصور نہیں

رباعیات

دیکھو دیکھو حیاتِ فانی دیکھو — دریا میں حبابوں کی نشانی دیکھو
او نام پہ زندگی کے مرنے والو — سر سے وہ گذر رہا ہے پانی دیکھو

جب گلشنِ دہر میں تھا مسکن میرا — پھولوں سے بھرا ہوا تھا دامن میرا
اب بعدِ فنا سبک ہوں اتنا وحشی — نکہت میں گلوں کی ہے نشیمن میرا

معلوم نہیں کسی کو حالت اپنی — دنیا سے نہ پوچھ تو حقیقت اپنی
تو آئینۂ جمالِ ہستی ہے آہ — خود آئینہ بن کے دیکھ صورت اپنی

وصف

لالہ بینی مادھو خلف لالہ مول چند دیوان کل نواب مظہر علی خاں شاگردِ جناب مقصود عالم رضوی پہلوی،

ایک شب بھی تو مرے گھر پر نہ آ کر رہ گیا — داغ دل میں یہ پڑا اے ماہ پیکر رہ گیا
ٹل گئی آ آکے سر سے بے گناہوں کے بلا — کھنچتے کھنچتے میاں سے قاتل کا خنجر رہ گیا
اس بہارِ عارضی پر صاف بیجا ہے غرور — کب کسی کا حسن یکساں اور برابر رہ گیا
بیٹھنے پائے نہ پہلو میں ترے اک روز ہم — حوصلہ دل ہی میں اپنے دل کا دلبر رہ گیا
معرکوں میں وصف نے جس دم پڑھے شعرِ فصیح — دنگ ہو کر ہر زباں دانِ سخنور رہ گیا

وصفی

رائے شوبھا رام ولد رائے دیبی پرشاد قوم کائستھ باشندہ لکھنؤ

امیدِ وصل میں شیریں کے تو نے بیستوں کاٹا — مٹا یا کچھ نہ قسمت کا لکھا اے کوہکن اپنا
دلِ وابستہ اس دم کیا ہی کھلتا ہے برنگِ گل — جو ہنس کر بات کرتا ہے کبھی غنچہ دہن اپنا
نہیں ہوتے ہیں منت کش کبھی ہم غیر سے وصفی — سِلا یا سوزنِ عیسیٰ سے کب چاکِ کفن اپنا

وضع

بابو بینی پرشاد ولد منشی بہاری لال باشندہ بھٹور ضلع کانپور نے ۱۹ء میں وفات کی

خوش ہوئے تھے کہ گلے ملتا ہے خنجر تیرا — یہ نہ معلوم تھا کہ فوراً یہ جدا ہوتا ہے

وفا

راجہ شیو کمار کائستھ باشندہ کڑا ضلع الہ آباد شاگرد جناب میر تقی میر - فارسی کلام کے صاحب دیوان ہوئے ہیں، کبھی کبھی اردو میں بھی طبع آزمائی کر لیتے تھے، نواب آصف الدولہ کے عہد میں آپ وقائع نگار تھے، ۱۸۰۵ء میں وفات کی،

مدتیں گذریں نہ یہ بھی تو ہوا ہائے نصیب — کہ کبھی دور ہی سے دیکھتا جائے نصیب
پہونچیں یہ جبہا تھا اس پائے نگاریں پہ مرے — ہمنشیں میں نے بھلا ایسے کہاں پائے نصیب

مشتعل رات وہ اک آگ تھی سینے میں مرے — کہ نہ رکھا گیا ہاتھ اپنے جگر پر اپنا

وفا

لالہ شنکر لال باشندہ الہ آباد

زر ہے نہ مرے پاس نہ ہے جان نہ دل ہے — یاں ہے تو فقط جانِ جہاں نام خدا کا
جبتک کہ رہے جان وفا تیرے بدن میں — لازم ہے رہے وردِ زباں نام خدا کا

وفا

لالہ نول رام کائستھ دیوان منصور علی خان بہادر وزیر محمد شاہ بادشاہ دہلی جب وزیر ممدوح نے روہیلکھنڈ فتح کیا تو آپ کو وہاں صوبہ داری کے عہدہ پر ممتاز

فرمایا۔ ۱۷۷۲ء میں روہیلوں نے آپ پر لشکر کشی کی، شجاعت سے لڑکر ولی النعمت کی بندگی میں کام آئے، فارسی اور اردو کے صاحبِ دیوان ہوئے ہیں، آپ کے چھوٹے بھائی گلاب رائے نواب نجیب خان بہادر کے دیوان تھے،

کہنے لگے وہ سن کے مرا نالۂ فغاں　　یارب جیا کرے گا یہ بیمار کب تلک
بکھرائے کوئی زلف کو اپنی جو لے وفا　　پھر آہ کس طرح ملے میرا سراغِ دل

وفا

بابو دوارکا ناتھ، آپ بیسک چرچ اسکول میں ماسٹر تھے

جب کہا ہجر میں ہے حال بُرا تو یہ کہا　　یوں نہ رسوا سرِ بازار کرو تم ہم کو
مجھ سے بھی اور رقیبوں سے بھی وعدہ کیا خوب　　آپ کی باتوں پہ آتا ہے تبسم ہم کو

اے رشکِ حور دل ترے وحشی کا خلد میں　　حورانِ خلد سے بھی لبھایا نہ جائیگا

وفا

منشی مدن لال کائستھ خلف منشی مانک چند باشندہ صدر پور ضلع سیتا پور آپ اناؤ میں رجسٹرار قانون گو کے عہدہ پر مامور تھے، کہنہ مشق شاعر تھے ۱۹۲۰ء میں وفات کی،

تو جو آئی ہے اجل تو یہ ترا احسان ہے　　مرنے والا آپ اپنی جان سے بیزار تھا
تیرے ہاتھوں ہو گئی قاتل سبکدوشی مجھے　　سہل ہونا ورنہ مشکل کا مری دشوار تھا

فائدہ انساں کو کیا ہو کوشش و تدبیر سے　　زور کچھ چلتا نہیں بگڑی ہوئی تقدیر سے
قطع کرتے ہیں تعلق گھر سے جب وحشی ترے　　سلسلہ کرتے ہیں پیدا خانۂ زنجیر سے

غلط ہے آہ اپنی بے اثر تھی　　سبب کیا ان کی جو سیدھی نظر تھی
بتاتے حال کیا جلوے کا موسیٰ　　انھیں کچھ ہوش کی اپنے خبر تھی

خدنگِ ناز سینہ سے کہیں جو پار ہو جاتا
تو کچھ ارماں اسی صورت نکل جاتے مرے دل کے
کیا عجب ملکِ عدم کا یہ دکھائیں رستہ
بال سر کے جو ترے تا بہ کمر جاتے ہیں

وفا

پنڈت میلارام باشندہ سیالکوٹ شاگرد پنڈت برج نرائن ارمان ولادت ۱۸۹۴ء، آپ کی تمام زندگی اخباری گذری ہے ۹ ا رستمبر ۱۹۸۰ء کو وفات کی،

کھاتے ہیں وہ غیروں کی قسم اور زیادہ
مجبور ہوئے جاتے ہیں ہم اور زیادہ
بس بس فلکِ پیر کہ باقی نہیں مجھ میں
اب طاقتِ برداشتِ غم اور زیادہ

منھ کا کہنا اور ہے اور کر دکھانا اور ہے
ہونے کو کیا ہو نہیں سکتا مگر ہوتا نہیں
کون ہے جو رات ساری بیٹھکر سنتا رہے
اے وفاؔ تیرا تو قصہ مختصر ہوتا نہیں

دنیا کی آفتیں ہیں غریبوں کے واسطے
آندھی کا زور ہے مری شمعِ مزار پر
اہلِ زمانہ پر ہوں متعجب میں اے وفاؔ
مرتے ہیں کیوں یہ زندگیِ مستعار پر

بھلا جس بزم میں غیروں کی کھچڑی پکتی رہتی ہو
وہاں کب اے دلِ ناداں ہماری دال گلتی ہے
تقدیر ہی یہ تھی کہ جواں مر گیا وفاؔ
کچھ تیرا اختیار نہیں میرا بس نہیں

وکیل

بابو برج لال نرائن، آپ کسیا میں وکالت کرتے تھے۔ نازک خیال شاعر تھے، ۱۸۸۴ء میں حیات تھے،

کشتے ہیں ہم تری نزاکت کے
گل سے نازک ہیں تختے تربت کے
یاد رہ جائیگی جفا ان کی
دن گذر جائیں گے مصیبت کے
مجھ سے پہلے رقیب ہو تا قتل
گر مزے جانتا شہادت کے

وقار

راجہ کشن کمار کائستھ خلف رائے پردومن کشن ابن رائے آتمارام رئیس باشندہ مراد آباد۔ آپ کے مورثِ اعلیٰ کو حضرت محمد شاہ بادشاہ دہلی نے مراد آباد میں عہدۂ وکالت پر ممتاز فرمایا تھا، آپ کے دادا رائے آتمارام نواب آصف الدولہ کے عہد میں ملازم تھے، جب روہیلکھنڈ انگریزوں کی عملداری میں آیا تو رائے موصوف عدالتِ دیوانی میں عہدۂ جلیلہ پر ممتاز تھے، ۱۸۵۷ء میں آپ کے والد نے سرکار کی خیر خواہی کی تھی جس کے صلہ میں اچھی زمینداری سرکار سے حاصل ہوئی اور راجا کا خطاب سرکار نے عطا فرمایا، صاحب دیوان ہوئے ہیں،

خانۂ دل میں ہے خیالِ صنم — یہ وہ کعبہ ہے جس میں مورت ہے
زلفِ پیچیدہ ایک مزرعہ ہے — سبزۂ خط نئی عبارت ہے

چشمِ ساقی چوم لی کل رات مستی میں وقار — کام ہم سے عین غفلت میں ہوا ہشیار کا
فریاد مری سنتے ہی وہ بام پہ آیا — اللہ یہ نالے میں کہاں سے اثر آیا
پسند آئی نہ اس کو ہماری تنہائی — ہمیشہ رکھا ہمیں اس نے آرزو کے ساتھ
منت کش جواب نہ ہوگا مرا سوال — ان کے دہن نہیں ہے تو میرے زباں نہیں
ان بتوں کے اگر زباں ہوتی — دعویٰ کر بیٹھتے خدائی کا

وقار

بخشی تونده رائے کائستھ رئیس باشندہ لکھنؤ، شاگرد جناب مینڈو لال زار لکھنوی، آپ راجہ لال جی بہادر جرنیل کے بھائی تھے بہت سی کتابوں کے مصنف ہوئے ہیں، ۱۸۸۵ء میں وفات کی،

بہارِ حسن سے گلزار آب آب ہوا — بشکلِ قطرہ بنا غنچہ گل حباب ہوا
طلب کا خط مجھے بھیجا رقیب کے ہاتھوں — ترحم آپ کا حق میں مرے عتاب ہوا
گلہ بتوں کا خدا سے کروں معاذ اللہ — یہی کہوں گا مجھے رنج بے حساب ہوا

دقار فرطِ تردد سے جب دعا مانگی — ندا یہ غیب سے آئی کہ کامیاب ہوا

تر ہو گئی مسی ترے لب کی شراب سے — حیراں ہوں رات بھاگ گئی آفتاب سے
گرد ہوں غبارِ راہ کہیں سب دھواں مجھے — سمجھے فلک زمین، زمیں آسماں مجھے
مشک بو خوب پلائی مجھے ساقی نے شراب — ہو گئے عکس فگن گیا سرِ ساغر گیسو

ولی

لالہ ولی رام کائستھ باشندہ شاہجہاں آباد (دہلی) آپ کو عربی، فارسی اور ہندی پر کمال حاصل تھا، امیر خسرو کے بعد آپ شمالی ہندوستان میں ہندوؤں اور مسلمانوں میں سب سے اوّل کے ریختہ گو شاعر ہوئے ہیں، آپ کی شاعری امیر خسرو کے طرز کی شاعری تھی یعنی ایک مصرع فارسی کا اور دوسرا ہندی کا، یا آدھا مصرع ہندی اور آدھا فارسی، آپ شہزادہ دارا شکوہ کے دربار میں میر منشی تھے، ۱۶۴۰ء میں حیات تھے،

چہ دلداری دریں دنیا کہ دنیا سے چلا جانا ہے — چہ دل بندی دریں عالم کہ سب کچھ چھوڑ جانا ہے
تو ہماں آمدی اینجا شدی خود خانۂ خاوند — تو اپنے آپ سے بھولا کسی کو نہ پہچانا ہے
شرابِ سرخ مینوشی اجل کردی فراموشی — مرو کہ دور مت سمجھو عجب یہ ٹک بہانا ہے
قبا و چہرہ رنگیں ہمہ تن تو بخشاینید — رہیں گے کفن کی چادر جو تیرا اخصاں بانا ہے
طبیب دیدار می دارم کہ روز اوّل شفاعتہا — بسار و مت ولی راما کہ آخر رام راما ہے

وہبی

منشی شیو پرشاد کائستھ ولد رائے سوبھا رام وصفی باشندہ لکھنؤ شاگرد جناب آفتاب الدولہ خواجہ ارشد علی خاں بہادر قلق، آپ کا دیوان موسوم "مرقع ارژنگ" ۱۸۸۰ء میں شائع ہو چکا ہے، ۱۸۹۹ء میں آپ حیات تھے،

دیکھتے ہیں جب سے ہم رخسارِ جاناں کی طرف — رخ نہیں بھولے سے کرتے ماہِ تاباں کی طرف
کوئے جاناں ہم سے وحشت میں بھی چھٹنے کا نہیں — مثلِ مجنوں ہم نہ جائیں گے بیاباں کی طرف

جس نے دیکھی میری چشمِ تر کی گوہر باریاں
آنکھ اٹھا کر پھر نہ دیکھا ابرِ نیساں کی طرف

جان لیگی ایک دن وہ بھی تمہاری چشمِ یار
نشترِ مژگاں کا رخ ہے اب رگِ جاں کی طرف

دوسرے در پہ ہے سوال حرام
میں گدا ہوں فقط ترے در کا

کہیں ایفا ہو وعدۂ دیدار
منتظر ہوں میں روزِ محشر کا

مے پلائیں جو اپنے ہاتھ سے وہ
حور سے لوں نہ جام کوثر کا

نہیں کچھ ایک دو دن کا ہوں میں شاگرد اے وہبی
قلق سے شاعری میں کی ہے میں نے گفتگو برسوں

یہ وضع یہ لباس یہ حسنِ بیاں کہاں
کیونکر ہمارے دل کو نہ ہو لکھنؤ پسند

مناجات کے دو بند

تو قادر و غیور و غنی و کریم ہے
تو مالک و سمیع و بصیر و علیم ہے

تو وارث و حلیم و غفور و رحیم ہے
تو حافظ و حفیظ و عزیز و کلیم ہے

واحد ہے تو قدیر ہے تو کبریا ہے تو

چاہے جو تو گدا کو ابھی پادشاہ کرے
ذرہ کو اوجِ نیرِ اعظم عطا کرے

دُر کو خذف، خذف کو دُرِ بے بہا کرے
قطرہ کو دم میں قلزمِ بے انتہا کرے

بحرِ عطا و بخششِ جود و سخا ہے تو

(۵)

ہجر

منشی بشمبر ناتھ پنڈت باشندہ لکھنؤ ولد منشی پنڈت بدری ناتھ شاگرد جناب خواجہ حیدر علی آتش لکھنوی ولادت ۱۸۲۴ء آپ ہردوئی میں کوتوال رہ چکے ہیں ۱۸۶۶ء میں وفات کی۔

سات پردوں میں عبث چھپتے ہو ناحق ہے حجاب
ہم تصور میں تمہیں آٹھ پہر دیکھتے ہیں

صاف پہلو سے چرا لیتے ہیں دل کو دیکھو
جس کی جانب کو وہ دزدیدہ نظر دیکھتے ہیں

چشمِ مجنوں سے کوئی آنکھ اٹھا کر دیکھے
منزلوں حسن سے آباد ہے ویرانۂ عشق

دونوں ابرو ہیں کہ قاتل کے مقابل قاتل
ہمدگر ہیں کہیں لڑ جائیں نہ قاتل قاتل

اے ہجر ہم تو تاروں کو بیٹھے گنا کئے چنتے رہے وہ ماتھے پہ افشاں تمام رات

ہجر

پنڈت تربھون ناتھ سپرو ولد پنڈت بشمبر ناتھ سپرو صابر کشمیری برہمن باشندہ فیض آباد، ولادت ۱۸۵۳ء شاگرد جناب قدر بلگرامی پیشہ وکالت آپ نثر نگار زیادہ تھے نظم میں کم کہتے تھے ۱۸۹۲ء میں وفات کی،

ترے غم میں چشم و دل ہیں بہ مثالِ برق و باراں کوئی بیقرار آیا کوئی اشکبار آیا

وہ ملی خلش کی لذت کہ جنوں نے ہونٹ چاٹے مرے آبلہ کے منہ میں جو دھانِ خار آیا

دلِ جاں بلب کی میرے نہ کسی نے کی عیادت ترے تیر کے تصدق کہ وہ بار بار آیا

مثنوی کے چند شعر

راحت جو ملی تو نیند آئی سونے کا صبا پیام لائی

اس نیند میں ایک خواب دیکھا گلشن اک لاجواب دیکھا

ہر مرغ چمن چہک رہا تھا سارا جنگل مہک رہا تھا

جو نخل تھا سرو قد گھڑا تھا دھانی اوڑھے ہوئے دوپٹا

شبنم کا ہر ایک قطرہ دُر تھا منہ غنچوں کا موتیوں سے پُر تھا

اک ناز سے نہریں گھومتی تھیں ہر پائے شجر کو چومتی تھیں

طائر شاخوں پہ جھولتے تھے نظارۂ گل سے پھولتے تھے

ہجر

لالہ شیام سندر لال خلف لالہ متھرا پرشاد قوم کائستھ باشندہ پلکھنہ ضلع علی گڑھ

جب شب فرقت میں گھبراتے ہیں ہم زلف کی مانند بل کھاتے ہیں ہم

ہر چند

منشی ہر چند کشور، نبیرہ راجہ جگل کشور رئیس باشندہ دہلی، صاحب دیوان ہوئے ہیں،

دردِ دل کو دم بدم ہے درس تیری یاد کا
مکتبِ سینہ میں پڑھتا ہے سبق فریاد کا
جام صہبا نے لیا بوسہ لبِ میگوں کا جب
قلقلِ مینا سے نکلا غل مبارک باد کا
بلبلوں کو ہوگیا شوقِ اسیری خود بخود
کیا رگِ گل سے بنا ہے دام اس صیّاد کا

برنگِ مار جو روئے زمیں پر سر پٹکتا ہے
ہوا سنبل کو کیا سودا تری اس زلفِ پیچاں کا
رخِ پُر نورِ رشکِ ماہ کا گر عکس پڑ جائے
برنگِ مہر ہو روشن ہر اک ذرّہ بیاباں کا

مطبخِ حق سے ملے مُور و ملخ کو روزی
مرغِ دل کو مرے اک خال کا دانہ اترا
بولیں حور اور پری دیکھ کے حسنِ مہرو
کیا زمیں پر کوئی گردوں سے فرشتہ اترا

پردۂ ظلمات دل پر سے وہیں سب اٹھ گئے
شمع رو نے جب چراغِ بزم کو گل کر دیا
میری طرح سے جو تو بیٹھ جاتی ہے اے گرد
ترے قدم میں بھی کیا طاقتِ خرام نہیں

ہمّت

لالہ اندرمن خلف لالہ سیتا رام باشندہ پہانی شاگرد جناب میر مقصود عالم رضوی پہلوی

آگئے دانتوں کے ترے قدرِ گہر کچھ بھی نہیں
سامنے چہرۂ انور کے قمر کچھ بھی نہیں
کیا بھلا پوچھتے ہو حالتِ زارِ عاشق
آہ و نالے کے سوا آٹھ پہر کچھ بھی نہیں
میں مروں صدمۂ فرقت سے یہی ہے منظور
پوچھتے غیر کو ہو میری خبر کچھ بھی نہیں
غیر پر کرتے ہو دن رات تلطف کیوں جی
مجھ پہ مدّت سے عنایت کی نظر کچھ بھی نہیں
آئے دن یار کے گھر جانے کے اب اے ہمّت
ہائے کیا کہئے کہ سامانِ سفر کچھ بھی نہیں

ہمّت

منشی بنسی دھر خلف رائے دیبی دین قوم کائستھ باشندہ لکھنؤ، شاگرد جناب منشی مینڈ و لال زارؔ لکھنوی و منشی رام دیال نادمؔ، آپ مہاراجہ بال کرشن صاحب

دیوان شاہ اودھ کے خاندان سے تھے، آپ کے شاگردوں میں باقر علی ہمسر اور غالب کسریٰ جاہ بہت مشہور ہوئے ہیں،

کھل گیا راز یہ ہندو ہیں بلا کے مخبر
آئے جب بہرِ نشاں بڑھ کے کمر پر گیسو
بارہا آئے ہیں اڑ اڑ کے ہوا سے لب تک
ہو گئے چشمۂ حیواں کے ہیں رہبر گیسو
اس بتِ شوخ نے جب باندھ لیا ہے جوڑا
بن گئے مشک کا نافہ وہ معنبر گیسو

دو روزہ دولتِ دنیا پہ نازاں ہو نہ اے منعم
زمانے کا دگر گوں حال ہو جاتا ہے ساعت میں
اسیرِ دام ہو کر بلبلِ شیدانہ کر شیون
شریکِ حال ہوتا کون ہے کس کی مصیبت میں

ہمدرد

رائے بہادر بابو بشمبر ناتھ اگر وال رئیس و باشندہ کانپور، آپ عدر خسترانجی اور مجسٹریٹ رہ چکے ہیں، ذوقِ سخن بیحد تھا، زرِ کثیر صرف کر کے مشاعرے منعقد کراتے تھے، ۱۹۲۶ء میں وفات کی،

بے پر و بالی پہ میری مجھکو نالاں دیکھکر
رو دیا صیاد بھی حالِ پریشاں دیکھکر
مرنے والے کو جگہ حسبِ ہدایت جبتک دی
رک گیا از خود جنازہ کوئے جاناں دیکھکر
بعد میرے میری شوریدہ سری پر سب اسیر
سر پٹکتے ہیں در و دیوارِ زنداں دیکھکر
منفعل ہو کر پڑھا خوفِ خدا سے فاتحہ
ان کو یہ غیرت ہوئی گورِ غریباں دیکھکر

ہندی

رائے کنہیا لال صاحب ایگزیکٹیو انجنیر لاہور، آپ صاحب تصانیف کثیرہ ہوئے ہیں

ہے وجودِ جزو و کل میں تیری وحدت کا وجود
نیست اور ہستی میں ظاہر ہے نشاں توحید کا
حضرتِ خالق نے ہندی پر بڑا احساں کیا
بخش کر تاجِ شرافت اشرف الحیوان کیا
ہیں زباں داں سینکڑوں موجود لیک
اس کی وحدت میں نہیں کرتے کلام
کر دیا ہے مجھکو اس نقاش نے
نقش لوحِ جاں پہ نقشِ یا حبیب
زیست کا مضموں جو تم ہو سوچتے
جان لو آخر کہ یہ ہوگا غلط

ہنر

پانڈے سرسوتی پرشاد باشندہ گورکھپور، شاگرد جناب وسیم خیرآبادی

اے عندلیب باغ میں کلیاں جو ہنس پڑیں
کیا گدگدا دیا ہے نسیم بہار نے

سوئے کچھ ایسی نیند کہ کروٹ نہ لی کبھی
کچھ راحت ایسی پائی ہے اہلِ مزار نے

دامن لحد کا دامنِ گلچیں سے کم نہیں
اتنے چڑھائے پھول کسی گلعذار نے

نیا کوئی ستم جس وقت وہ ایجاد کرتے ہیں
خدا کا شکر ہے پہلے مجھی کو یاد کرتے ہیں

ہنر

بابو دیو کی نندن باشندہ الہ آباد، شاگرد جناب نظر، آپ کلکٹری الہ آباد میں اہلمد تھے ملازمت ترک کرکے گوالیار چلے گئے تھے، شاعر نازک خیال تھے،

نیند کمبخت نہیں آنکھوں میں آنے دیتی
دشمنِ خواب ہوئی ہے شبِ فرقت کیسی

سیدھی باتوں سے بھی ہو جاتے ہو ٹیڑھے صاحب
ہو گئی آپ کی کیا جانئے عادت کیسی

گیسو و رخ میں اگر فرق نہ اتنا ہوتا
کفر و اسلام میں کس واسطے جھگڑا ہوتا

کیا لکھوں اس سے زیادہ خوبیٔ قسمت کا حال
ایک خط میں سو جگہ بگڑی ہوئی تحریر ہے

یہ آرزو نہیں اصلا کہ عزّ و جاہ ملے
فدا ہوں جس پہ الٰہی وہ رشکِ ماہ ملے

ہوش

سوتی بہاری لال، باشندہ میرٹھ، شاگرد جناب امداد حسین ظہور

خوں ٹپکتا ہے دیدۂ تر کا
کھلا گنجینہ لعلِ احمر کا

کیا کہوں حالِ زار اب اے ہوش
رنگ بگڑا ہے کیا مقدّر کا

ہے کون سا وہ دن کہ نہیں لب پہ آہِ سرد
اور کون سی وہ شب ہے کہ آہ و فغاں نہیں

ہوش

منشی شیو نرائن لال باشندہ قصبہ ہرولی ضلع بہرائچ

چمن میں کس گلِ تر کی ہے آمد اے بلبل
کہ سرو ہاتھ اٹھاتے ہیں سب دعا کے لئے

لاشِ عاشق پہ ستمگر نے کہا یہ ہنس کر
ڈھونڈ لیتے ہیں بہانہ کوئی مرنے والے

تیرِ مژہ نے سینہ، تیرِ نگہ نے دل
تیغِ ادا نے ان کی گیا ہے گلو پسند

ہوشیار

منشی کیول رام کائستھ ولد بخشی سلطان سنگھ، شاگرد جناب مرزا غالب دہلوی، پہلے پیشہ معلمی اختیار کیا۔ بعد ازاں آپ ڈپٹی انسپکٹر آف اسکول مقرر ہو گئے، صاحب دیوان فارسی اور اردو اور صاحبِ تلامذہ ہوئے ہیں ۱۸۸۵ء تک حیات تھے،

ملایا خاک میں دکھلا کے تو نے قدِ بالا کو
سہی کو، سرو کو شمشاد کو عرعر کو طوبیٰ کو

خراب چشم میگوں ہو گیا اب ہے سلام اپنا
صراحی کو پیالے کو سبو کو خم کو مینا کو

خط و زلف و قد و عارض نے تیرے کر لیا عاشق
سمن کو سرو کو سنبل کو اور ریحانِ سطرا کو

ہیرالال

منشی ہیرالال ناظر سب جج کورٹ میرٹھ۔ مصنف مثنوی "مشاطہ حسن"

مثنوی کے چند شعر

شکرِ پروردگار ہر دم ہو
گو مہیا فزوں ہو یا کم ہو

زندگی کا تو اعتبار نہیں
یاں زمانہ کو کچھ قرار نہیں

چھا گیا کچھ خمار سا مجھکو
آ گیا انتشار سا مجھکو

(ی)

یاد

لالہ کاشی رام ناظر عدالت دیوانی شاہجہانپور، وطن بہانی، شاگرد مقصود عالم مقصود

مطلق آہٹ کسی قدر نہ ہوئی — کون دل لے گیا خبر نہ ہوئی
مجھ سے آنکھیں ملائیے صاحب — کیوں مرے حال پر نظر نہ ہوئی
چھپ گئے میرے حال کے اخبار — تجکو اے بے خبر خبر نہ ہوئی
دیدنی ہیں تمہارے سب اعضاء — کیا ہوا اک فقط کمر نہ ہوئی
کیوں یہ مصرع رہے نہ یاد کو یاد — تم نہ آئے تو کیا سحر نہ ہوئی

یاس

رائے تن سکھ رائے خلف رائے لچھمی پرشاد از عزیزان راجہ الفت رائے بخشی
شاگرد جناب مولوی مقصود عالم مقصودؔ

کہکشاں رقص کرے اترے ہوئے ہاروں پر — چاندنی محو ہے ان پھول سے رخساروں پر
ہو جو موسم بھی خزاں کا ابھی آجائے بہار — عکس رخسار کا پڑ جائے جو گلزاروں پر
یار کے آئینۂ رخ کی تجلّی دیکھو — صاف شیشہ کا گماں ہوتا ہے دیواروں پر
وہ اگر عیسیِ دوراں ہیں ہمیں کیا حاصل — رحم آتا ہی نہیں جب انھیں بیماروں پر

یقین

لالہ بلدیو سنگھ باشندہ دہلی شاگرد جناب دستگیر مبیںؔ

ہم نہ کہتے تھے بتوں سے اے یقیںؔ اتنا نہ مل — چار دن کی ان کی الفت تو نے ناداں دیکھ لی
کیا کہوں فرقت کی شب کیونکر گذاری تجھ بغیر — دل پہ صدمہ ہونا تھا جو کچھ ستمگر ہو گیا

یکتا

پنڈت وزیر چند خلف بخشی دیوی داس اکاؤنٹینٹ انڈین قندھار ریلوے

شکوہ کیا جو جور و جفا کا بولے — آتی نہیں یہ تیری ہمیں گفتگو پسند
نہیں دل لگی کا مزہ کوچۂ صنم کے سوا — نہ چھیڑو رہنے دو مجکو یہیں خدا کے لئے

خاتون شعرائے ہنود

اہل

شریمتی جانکی بی بی قوم کائستھ، ذہین و خوش فکر شاعرہ تھی، ۱۸۸۵ء میں حیات تھی،

تو نے تو رہا کر ہی دیا زلفِ دوتا سے / ہم جان سے جائیں بھی تو تیری بلا سے
ملتا ہے وہ مضمون ہمیں ذہن رسا سے / رہ جاتا ہے جو بندشِ فکرِ شعرا سے
مارا ہے جنھیں آپ نے آنکھوں کی حیا سے / اب ان کو جِلاؤ لبِ اعجاز نما سے
اس گل کا نہ لائی کبھی پیغام مرے پاس / شرمندہ کبھی میں نہ ہوا بادِ صبا سے
لایا جو شبِ ہجر میں اے اہلؔ زباں پر / تاثیر ہم آغوش ہوئی آکے دعا سے

صنم

شریمتی بی درگا، اکبر آبادی

نہ جائیں گے وہاں اغیار کیونکر / جدا ہوں گے گلوں سے خار کیونکر
تصوّر یار کا ہمدم ہے میرا / جدا ہو جائے یہ غمخوار کیونکر
جھکے گا ان کے آگے سر ہمارا / لگائیں گے نہ وہ تلوار کیونکر
چھپایا گر رخِ پُر نور اپنا / جئے گا طالبِ دیدار کیونکر
صنمؔ عشقِ صنم نورِ خدا ہے / بھلا کافر نہ ہوں دیندار کیونکر

کرشن پیاری

شریمتی کرشن پیاری زوجہ جناب منشی رام سہائے تمنّا لکھنوی قوم کائستھ باشندہ لکھنؤ ولادت ۱۸۵۷ء آپ اردو اور ہندی دونوں زبانوں میں طبع آزمائی کرتی تھیں، "ترانہ نو بہار" کی مصنف ہیں، تمنّا صاحب نے ۱۹۲۲ء میں وفات کی اس کے چند سال بعد آپ بھی انتقال فرما گئیں،

مناجات

یارب یکتائے دوجہاں ہے تو ہی | پانی زمین و آسماں ہے تو ہی
خوبی و لطافتِ بیاں ہے تو ہی | گویائی ہے طاقتِ زباں ہے تو ہی
دریا ہے چشمۂ رواں ہے تو ہی | آتش ہے شعلہ ہے دھواں ہے تو ہی
دنیا کی بہارِ بے گماں ہے تو ہی | سبزہ ہے گل ہے بوستاں ہے تو ہی
کیوں دل نہ تجھ پہ کرشن پیاری ہو فدا | ہر حال میں سب پہ مہرباں ہے تو ہی

کسی وقت تھی جن کی صورت سے نفرت | وہی بن گئے اب تو پیارے تمہارے
ہیں شمش و قمر زدئے روشن پہ شیدا | ہیں مداح گردوں پہ تارے تمہارے

آپ برہم نہیں خدا کی قسم | گویا ناراض ہے خدا مجھ سے
ایک دل تھا وہ دے چکے تجھ کو | اور کیا لے گا دلربا مجھ سے

میں شمع رو پہ جلا خوب بن کے پروانہ | مٹے ہوؤں میں نہ کیوں میری آبرو ہو جائے
بیوفاؤں سے کبھی دل نہ لگائے کوئی | بیٹھے بٹھلائے مصیبت نہ اٹھائے کوئی

ناز

شرینی ہندی جان عظیم آبادی

سر اٹھاتا ہے جو تو خاک کا پتلا ہو کر | پست ہو جائیگا رتبہ ترا اعلیٰ ہو کر
مرگئے سینکڑوں مشتاق تڑپ کر اے جان | کچھ مداوا نہ کیا تم نے مسیحا ہو کر

ناز

بی بی دھیراج صاحبہ باشندہ بنارس

کیا خطا مجھ سے ہوئی ہے جو ہوئے ہو بیزار | اپنی محفل سے اٹھاتے ہو عبث تم ہم کو

انگریز شعرا

آزاد

کپتان الکزنڈر ہیڈرلی صاحب کپتان توپ خانہ الور خلف مسٹر جیمس ہیڈرلی صاحب شاگرد جناب زین العابدین صاحب عارف، پیدائش ۱۸۲۹ء وفات ۱۸۶۱ء

واعظوں سے جو سنا کرتے تھے جنت کا بیاں — جب کہ تحقیق کیا کوچۂ جاناں نکلا
کیا کہوں اس کا شب ماہ میں عالم آزاد — وہ فلک پر یہ زمیں پر مہ تاباں نکلا

سامانِ قتل میرے لئے کیا ضرور ہے — خود نقص آپ ہیں نہ مری جاں نکالئے
ابرو نہ ہو تو تیغ ستم ریز کھینچئے — مژگاں نہ ہو تو خنجرِ براں نکالئے

مے پی کے تجھے دیکھے تو لطف ہے دونا — دیکھیں تری آنکھیں تو نشہ اور بھی چمکا
کچھ پاؤں میں طاقت ہو کروں دشت نوردی — ہاتھوں سے مزہ دیکھوں فدا جیب دری کا
ہم نے دکھا دکھا تری تصویر جا بجا — ہر اک کو اپنی جان کا دشمن بنا لیا

اسبق

مسٹر رابرٹ گارڈنر خلف مسٹر ہیری فرینگٹن گارڈنر، متوطن مراچی ضلع ایٹہ ولادت ۱۸۷۷ء شاگرد جناب مرزا عباس حسین لکھنوی وفات ۱۹۳۰ء

جو طالبِ حق ہے اسے حیراں نہیں دیکھا — ناحق میں کسی چیز کا خواہاں نہیں دیکھا
نام بھولے سے نہ تم عشق کا لینا اسبق — اس میں خفت بھی ہے ذلت بھی ہے رسوائی بھی

اسمتھ

مسٹر اسمتھ - آپ ریاست رامپور میں کمشنر کے عہدہ پر فائز تھے

نہ وہ ہمدم نہ وہ جلسہ رہا ہے — تری دوری سے دل جل سا رہا ہے
جنوں کی فوج کی سن آمد آمد — خرد کا پاؤں کچھ چل سا رہا ہے
کسی عاشق کا نعرہ چرخ زن ہے — جو خیمہ چرخ کا ہل سا رہا ہے

مجھے اس واسطے ہے تلملاہٹ
کہ غم سینہ میں دل ہل سا رہا ہے
غنیمت وقت استمتھ آگیا ہے
کہ دشمن اس سے اب ٹل سا رہا ہے

اسیر

مسٹر بلتھرس صاحب

ہم اس آئینہ رو کے ہجر میں یوں زیست کرتے ہیں
کہ سکتے کی سی حالت ہے نہ جیتے ہیں نہ مرتے ہیں
شمع فانوس میں در پردہ جلی ہے دیکھو
شعلۂ آہ نکالے ہے جگر سے باھر

آئرن

مسٹر آئرن جیکٹ

ترا تیر دل سے جدا ہو رہا ہے
یہ ظلم او کماندار کیا ہو رہا ہے
یہ کیا چپکے چپکے شکایت ہے اے دل
خبردار کس کا گلا ہو رہا ہے
لگی چوٹ آئرن کے دل پہ یہ کیسی
کہ ہر وقت ذکرِ خدا ہو رہا ہے

شفا

پادری اے۔ آر بیلی۔ آپ ۱۸۶۲ء میں لکھنؤ میں پیدا ہوئے اور بچپن وہیں گذارا عطا بدایونی، وسیم خیرآبادی اور دل شاہجہانپوری سے شرفِ تلمذ حاصل تھا۔ شاعری میں استاد مانے جاتے تھے، بہت سی کتب کے مصنف ہوئے ہیں، ۱۹۵۲ء میں دہلی ریلوے اسٹیشن پر حرکتِ قلب بند ہو جانے کے سبب وفات پائی،

ہو گیا ہے مری نظروں سے جو پنہاں کوئی
زندگی کا نظر آتا نہیں ساماں کوئی
اب تو پردہ نہ کرو آکے دکھا دو دیدار
آنکھ میں دم ہے کوئی دم کا ہے مہماں کوئی
اے جنوں وادیِ وحشت میں ترے ہاتھوں سے
چاک داماں ہے کوئی چاک گریباں کوئی
کیوں شفا کیلئے کرتے ہیں دوا میری طبیب
دردِ فرقت کا جہاں میں نہیں درماں کوئی

کیا ظہورِ کائنات حسن عریاں ہو گیا
درحقیقت میری بربادی کا ساماں ہو گیا
شمعِ فطرت نے وہ بخشی روشنی ادراک کو
مجھ پہ ہستی کا ہر اک پہلو نمایاں ہو گیا

مختصر ہے یہ تغیّر کائناتِ عشق کا
کوئی کافر ہو گیا کوئی مسلماں ہو گیا

حسنِ فطرت کا چمک اٹھتا ہے اس دم آفتاب
دل مرا آشفتہ جب سے شامِ ہجراں ہو گیا

جوشِ بے پایان وکیفِ اضطرابِ بیخودی
ان کے سودائی کی رگ رگ سے نمایاں ہو گیا

ہر دہانِ زخم میرا فرطِ شادی کے سبب
اے شفا منت کشِ لطفِ نمکداں ہو گیا

شکر

مسٹر نیتھنل گارڈنر صاحب

دعائیں ہوئیں کارگر رفتہ رفتہ
ہوا مدتوں میں اثر رفتہ رفتہ

تڑپتے تڑپتے شبِ غم کٹی ہے
ہوئی ہے خوشی کی سحر رفتہ رفتہ

بیخودی تھی نہ ہوش تھا تن کا
ہائے کیا وقت تھا لڑکپن کا

نہیں زلفِ سیاہ ڈسنے کو
جوڑا پالا ہے اس نے ناگن کا

شکر صاحب کے ایک دوست لالہ جی کی بھینس مر گئی تھی، آپ نے مندرجہ ذیل اشعار بطور مرثیہ کہے تھے،

بڑھے دل کی کیوں کر نہ اب بیقراری
جو مر جائے یوں بھینس لالہ تمہاری

وہ عمر اپنی لائی تھی اتنی بچاری
ستم کر گئی جو عدم کو سدھاری

کہوں کیا جو مجکو ہوا رنج و غم ہے
یہ سچ ہے کہ تم سے زیادہ الم ہے

تعجب ہے کس واسطے مر گئی وہ
یہی سوچتا ہوں کہ کیا کر گئی وہ

خفا ہو گئی دل میں یا ڈر گئی وہ
جو اس طرح سر پھوڑ کے مر گئی وہ

شور

مسٹر جارج پیش، غدر سے قریب چالیس سال پیشتر ان کے بزرگ دہلی آئے تھے آپ اوائلِ مشقِ سخن میں مرزا رحیم بیگ باشندہ میرٹھ سے مشورہ کرتے رہے پھر قطب الدین مشیر دہلوی اور ان کے فرزند میاں غلام دستگیر سے اصلاح لیکر رتبۂ استادی حاصل کیا، ہندی زبان کی مہارت بھی رکھتے تھے ضلع میرٹھ

اور علی گڑھ میں چند دیہات ان کی ملکیت تھے، ۱۸۹۵ء میں قریب بعمر ۷۰ سال وفات کی،

یقیں ہے مجھکو کہ جیب و دامن مرا کبھو یہ نہیں رہے گا
مگر یہ دستِ جنوں سمجھ لے، ہمیشہ تو بھی نہیں رہے گا
یہ باتیں کہنے کی سب ہیں زاہد جو دیکھ پائے تو اس صنم کو
تو پھر تیمّم کی اصل کیا ہے ترا وضو بھی نہیں رہنے گا

حسن کی ساری خطا ہے اس میں اس کا کیا قصور
اس کا عالم دیکھکر دیوانہ اک عالم ہوا

ہم نے انگریزی تو پوشاک میں دیکھی نہ بنی — کوٹ پتلون پہ ہیں سرخ کلاہیں کیونکر
زباں سے تری جب "نہیں" ہو چکی — تو جینے کی صورت وہیں ہو چکی
غم ہمیں اور غم کو ہم کھاتے رہے — زندگی کا یہ مزہ پاتے رہے
ہر بات مری وہ کاٹتا ہے — قینچی ہے زبان خوبرو کی
چشموں نے اشک کو دُرِ یکتا بنا دیا — لختِ جگر کو لعل کا ٹکڑا بنا دیا
ہیں مرے دم سے جفائیں ساری — یاد کر کے مجھے پچھتائے گا
غیر کے ساتھ عیادت کو وہ دلبر آیا — تو مسیحا ملک الموت کو لے کر آیا
اس کی مژگاں کا تصور دل میں پائے — عمر بھر کانٹا سا اک کھٹکا کیا

شہزاد مسیح

شہزاد مسیح خلف عنایت مسیح، آپ نظیر محمد خاں والی بھوپال کے وزیر خاص تھے، اس خاندان کے افراد نے چونکہ ہندوستانی وضع اور معاشرت اختیار کرلی تھی اس لئے اپنا ایک نام تو ہندوستانی لکھا کرتے تھے اور دوسرا آبائی۔ شاعرانہ مذاق کے اعتبار سے آپ اپنے والد کے جانشین تھے، آپ کو میر اور سودا کی ہمعصری کا فخر حاصل تھا،

صحنِ چمن سے دور بت و برہمن سے دور
حسرت نصیبِ دل ہے ہر اک انجمن سے دور
گھیرے ہوئے تھیں عشق میں ناکامیاں مجھے
تھی حدِّ ممکنات مری انجمن سے دور
شکوہ نہ باغباں کا نہ صیّاد کا گلہ
رکھا مرے نصیب نے مجکو چمن سے دور

مکھڑے پہ ترے زلف بکھر کر اگر آئے
یکجا سحر و شام کا نقشہ نظر آئے
جلوہ فگن جو سامنے وہ رشکِ حور تھا
جو ذرّہ تھا وہ رشکِ تجلّی سے طور تھا

شیدا

مسٹر بینگ ون لیو قوم چینی باشندہ ٹاٹا نگر، آپ کے بھائی بھی شعر کہتے ہیں، اور عزیز تخلص رکھتے ہیں، ان کی بیوی اور لڑکیاں بھی خوب اردو بولتی ہیں،

راہبر جب خودی نہیں ہوتی
زندگی زندگی نہیں ہوتی
خم ہی منھ سے لگا دے اب ساقی
تشنگی میں کمی نہیں ہوتی
کھل بھی جاؤ کہ لوگ کہتے ہیں
بے سبب برہمی نہیں ہوتی
شوق کو اضطراب رہتا ہے
دل کو جب بے کلی نہیں ہوتی
بات کیا ہے کہ پندِ واعظ سے
دل کو کوئی خوشی نہیں ہوتی
حوصلہ چاہیئے محبت میں
بزدلی عاشقی نہیں ہوتی
کہتے ہیں رات ڈھل گئی لیکن
صبح کی روشنی نہیں ہوتی
لذتِ گفتگو نہیں ملتی
بات جب آپ کی نہیں ہوتی
شیخ جی ملتفت ہیں رندوں پر
بے غرض دوستی نہیں ہوتی
قربتِ یار چشم بینا میں
دولتِ سرمدی نہیں ہوتی

ع‍ه یہ غزل آپ نے انجمن ترقی اردو کے مشاعرہ میں بنگال پارک سرکس میں پڑھی تھی
(ماخوذ ہماری زبان علیگڈھ یکم اپریل ۱۹۵۹ء)

زندگی آشنا نہ ہو جب تک ‏ شاعری شاعری نہیں ہوتی
رہبہ سائی سے صرف لے شیدا ‏ حرمتِ بندگی نہیں ہوتی

صاحب

مسٹر جوزف جوہانس شاگرد جناب میر حیدر علی صبا

زندگی شرط ہے ہر طرح گذر جائیگی ‏ چار دن کے لئے ہے شکوۂ تقدیر عبث
یار نے ظلم کیا مجھ پہ خدا شاہد ہے ‏ میں گنہگار نہ تھا دی مجھے تعزیر عبث
دیکھنا توڑکے وحشت میں نکل جاؤنگا ‏ مجکو پہناتے ہو زنجیر پہ زنجیر عبث
شوق دیدار ترے رخ سے نقاب الٹے گا ‏ ہم سے پردہ ہے تمہارا بتِ بے پیر عبث
چال اٹکھیلی کی چلتے ہو الجھ جاؤگے ‏ اتنی لٹکاتے ہو تم زلفِ گرہ گیر عبث
یوں ہی لکھا ہے مقدر میں وہ پڑھنے کا نہیں ‏ حالِ دل کرتے ہو صاحب اسے تحریر عبث

صاحب

مسٹر جارج فانتوم خلف کپتان برنارڈ فانتوم ۱۲۹۰ھ ہجری میں آپ کی عمر ۵۲ سال تھی، فارسی، عربی اور عروض کی باقاعدہ تعلیم حاصل کی تھی، اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے،

ناصح نے آکے میرا گریباں سیا تو کیا ‏ جز تارِ زلف چاک جگر کا رفو نہ ہو
پروانہ دیکھ پائے اگر تجکو شمع رو ‏ تو شمعِ انجمن کی اسے آرزو نہ ہو
پھولوں کی سیج بستر آتش ہے پھر مجھے ‏ اے غیرتِ بہار جو پہلو میں تو نہ ہو
ہم کو تو چشمِ ساقیِ مہوش سے کام ہے ‏ مستِ نگہ کو خواہشِ جام و سبو نہ ہو

تم کو ہے پاس غیر کا صاحب ‏ تو ہمارا بھی ہے خدا صاحب
میرے آنے سے گر ہوئے ناخوش ‏ تو یہ لو میں ابھی چلا صاحب
رونمائی میں نذر کیا کیجے ‏ دل تو گیسو نے لے لیا صاحب
آشناؤں کو اپنے سمجھو غیر ‏ اور غیروں کو آشنا صاحب

یہ آرزو ہے ترے آنے کی مجھے اے شوخ
کہ جھوٹے وعدوں پہ بھی انتظار باقی ہے

دیکھنے والے قدِ بالا کے ہیں
کیوں نہ ہمچشموں میں ہو اونچی نگاہ

عاشق

یوسف صاحب عرف دلارے صاحب ولد کپتان مانوک صاحب قوم فرانسیسی ریاست بھوپال کے متوسلین سے ہیں، علمی مذاق اعلیٰ درجہ کا ہے تفنگ اندازی میں ہوشیار تھے، کلام میں قدماء کا رنگ جھلکتا ہے،

ہنستے ہنستے چلے آئے مرے گھر آپسے آپ
میرے گریہ نے دکھایا یہ اثر آپسے آپ

کیا ہوا کس نے کئے دل کے جگر کے ٹکڑے
خون روتا ہے مرا دیدۂ تر آپسے آپ

آتشیں رخ کو چمن میں مرے گلرو کے نہ دیکھ
ورنہ پڑ جائیں گے دل میں ترے چھالے بلبل

وصل کہتے ہیں اسے باغِ جہاں میں عاشق
بس میں بلبل کے ہو گل، گل کے حوالے بلبل

دیکھو دنیا اسی کو کہتے ہیں
یاں ہے سب کی جدا جدا قسمت

ہر باں پھر ہوے وہ اے عاشق
دیکھئے اب دکھائے کیا قسمت

سرمئی خال ہے کب ابروئے خمدار کے پاس
اک سپر رکھی ہے قاتل نے یہ تلوار کے پاس

سیاہی زلفِ شبگوں کی مری آنکھوں میں چھائی
گماں ہوتا ہے خورشیدِ فلک پر دن کو جگنو کا

اشک کا ہر ایک قطرہ ہے سمندر کا جواب
ابرِ نیساں کب ہے میرے دیدۂ تر کا جواب

گل کس کو چمن کس کو کسے سرو وسمن یاد
باقی جو رہا بھی تو رہا گور وکفن یاد

ہم نے کافر جان کر اس کو جو سجدہ کر لیا
اس لئے ملتا نہیں طفلِ برہمن کا دماغ

سوزنِ عشق نے گو بخیہ گری دکھلائی
دستِ وحشت نے مگر جامہ دری دکھلائی

نزع میں جب اس نے پکارا مجھے
ہو گیا جینے کا سہارا مجھے

فراسو

مسٹر فراسو صاحب مقیم دہلی

قمری کی مانند وہ پہنے محبّت کا طوق — باغ میں قد ترا اگر سرو کو دکھلائیے

کاستا

مسٹر ڈی کاستا صاحب

کل ہم تمہارے کوچہ میں آئے چلے گئے — ہے ہے ہزار اشک بہائے چلے گئے
کچھ رنج و غم کا حال نہ پوچھو کہ کیا ہوا — الفت کو یار وہم تو نبھائے چلے گئے
کل اس پری کی بزم میں سب مل کے برملا — تیری غزل ڈی کاستا سنائے چلے گئے

مفتوں

مسٹر گیسٹن ڈسلوا صاحب قوم پرتگیزی، باشندہ آگرہ شاگرد جناب عنایت علی ماہ،

خراب ہوتی ہے تڑپے ہے ہجر یار میں روح — نہ دل ہے قابو میں اپنا نہ اختیار میں روح
کبھی دماغ میں ہے گاہ دل میں گہہ لب پر — بھٹکتی پھرتی ہے گھبرا کے جسمِ زار میں روح
تم آؤ بالیں پہ تو اس عذاب سے چھوٹے — لبوں تک آ نہیں سکتی ہے انتظار میں روح
موئے کے بعد بھی ہم کو ملا نہ چین کبھی — رہی وصال کی مصروف کار و بار میں روح
بغیر حکم خدا یہ نکلے کس طرح باہر — پڑی ہے شیشہ میں مفتوں نہیں حصار میں روح

ممتاز

ممتاز مسیح، آپ بوربورن خاندان کے چشم و چراغ تھے، اور ملٹری ہیڈ کوارٹر میں ایک معزز عہدہ پر مامور تھے،

ستم ہو رہے ہیں جفا ہو رہی ہے — دوائے دلِ مبتلا ہو رہی ہے
جھکائے ہے سر لکے قدموں پہ ممتاز — نمازِ محبت ادا ہو رہی ہے

مجھے حشر میں کون ملتا گواہ — جدھر وہ تھے دنیا ادھر ہو گئی

دمِ نزع کچھ آکے سُن لیجئے
مری داستاں مختصر ہوگئی

تجھے ہر سانس میں آتا ہے لطفِ زندگی ناداں
مجھے ہر سانس اک بانگِ درا معلوم ہوتی ہے

خدا کی شان جس کو دیکھنا ہو وہ تمہیں دیکھے
کہ اتنے بے وفا بے مہر، ایسے مہ لقا ہو کر

اب نہ دل ہے نہ دل کے ارماں ہیں
تم نے قصہ ہی وہ تمام کیا

نفیس

ٹامس جیمس آپ کے بزرگ مانوک خاندان کے ساتھ آرٹینیا سے جلاوطن ہو کر قسطنطنیہ سے ہندوستان وارد ہوئے، اور ریاست بھوپال کے دامن سے وابستہ ہو گئے، آپ اکیس سال کی عمر میں مشرف بہ اسلام ہوئے اور محمد سلیمان نام رکھا،

رنگ ان دنوں جما ہے کچھ ایسا بسنت کا
دل میں خوشی نظر میں ہے جلوا بسنت کا

دستار محتسب نے بھی باندھی ہے چمپئی
اب کے برس ہے جوش کچھ ایسا بسنت کا

ہو گیا دشمنِ جاں سارا زمانہ دل کا
قہر تھا اس بتِ عیار پہ آنا دل کا

خدا کے سامنے کہتا ہوا یہ جاؤں گا
بتوں نے راہ میں لوٹا ہے قافلہ دل کا

لاشِ برگشتۂ حسرت کی کھڑے ہو خاموش
آج دعوی نہیں کرتے ہو مسیحائی کا

زلیخا دید سے محروم پھر جاتی ہے آ آ کر
کوئی تصویرِ یوسف کھینچ دے دیوارِ زنداں پر

کرتے نہیں نگاہ غریبوں کے حال پر
کتنا ہے اپنے حسن پہ سرکار کو گھمنڈ

طپشِ دل نے نہ دی فرصتِ تحریر مجھے
اتفاقاً جو کبھی ہاتھ میں کاغذ آیا،

نادر

جان البرٹ پال، باشندہ شاہجہانپور، پیدائش ۱۸۸۹ء شاگرد جناب الٰہی بخش قرین نیازی، وفات ۱۹۶۲ء صاحب تلامذہ ہوئے ہیں

تیرے دیدار کی حسرت نے جلا رکھا ہے
ورنہ مدت سے کفن اپنا سِلا رکھا ہے
درد کا نام جو ظالم نے دوا رکھا ہے
اس لئے میں نے کلیجے سے لگا رکھا ہے
دیکھئے زیرِ لحد حال ہمارا کیا ہو
جیتے جی خاک میں جب تم نے ملا رکھا ہے
مرنے دیتی نہیں افسوس تمہاری الفت
اتنی سی بات نے مجبور بنا رکھا ہے
کس کے گیسو کا تجھے ہو گیا سودا نادرؔ
حال جو تو نے پریشان بنا رکھا ہے

آزارِ عشق تو ہے مرے جیتے جی کے ساتھ
بے موت کی یہ موت بھی ہے زندگی کے ساتھ
کوتاہیِ نصیب کی رنگت تو دیکھئے
اشکوں میں خون آنے لگا ہے کمی کے ساتھ

قطعہ

لا دیدے ئے طرفہ بیانی ساقی
محفل میں نہ ہو آبرو پانی ساقی
نادرؔ کو وہ شے دے کہ جسے پیتے ہی
اشعار میں آجائے روانی ساقی

انگریز خاتون شعراء

خفی

مس بلیک، آپ مسٹر بلیک کی صاحبزادی تھیں

جن سے ہم آشنائی کرتے ہیں
ہم سے وہ بیوفائی کرتے ہیں
اے خفیؔ اپنے اشکِ بے تاثیر
مفت میں جگ ہنسائی کرتے ہیں

خود شوقِ اسیری سے پھنسے دام میں صیاد
شرمندہ ترے ایک بھی دانے کے نہیں ہم

کرشچیانہ

مسز ایلن کرشچیانہ

حشر کے روز جو خورشید نمایاں ہوگا
ہے یقیں دل کو وہ عکس رخ جاناں ہوگا

مسز آرچیسٹن

آپ میجر آرچیسٹن آف آگرہ کی بیوی تھیں، ذوقِ شعری سے خوب آراستہ تھیں

روٹھا ہے ہمارا جو وہ دلبر کئی دن سے
اس واسطے میں رہتی ہوں مضطر کئی دن سے

مقسوم کی خوبی ہے یہ قسمت کا ہے احسان
رہتا ہے خفا مجھ سے وہ دلبر کئی دن سے

خدا کے روبرو جانا ندامت مجھکو بھاری ہے
کوئی نیکی نہ بن آئی اسی کی شرمساری ہے

ختم شد

موج گنگ ملنے کے پتے :-

۱- جوہر دیوبندی
گیتا نواس
لکھن نگر (ریلوے کالونی)
سہارنپور ۲۴۷۰۰۱ یو۔پی

۲- جناب رام چند سمن سرحدی صاحب
فرنٹیر کمرشیل کالج
۲۷ برام نگر مارکیٹ - پہاڑ گنج
نئی دہلی ۱۱۰۰۵۵